تاریخ فقہ اسلامی اردو

تالیف عربی ...... علامہ شیخ محمد خضری بک

پروفیسر جامعہ مصریہ

ترجمہ اردو ..... مولانا حبیب احمد ہاشمی

دار الاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی

تاریخ فقہ اسلامی اردو

******

تالیف عربی ****** علامہ شیخ محمد خضری بک
پروفیسر جامعہ مصریہ

ترجمہ اردو ***** مولانا حبیب احمد ہاشمی

جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک ہر دور کے فقہ اسلامی کی مکمل تاریخ اور خصوصیات نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور ساتھ ہی چاروں ائمہ حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے شاگردوں کے حالات اور ان کے علمی کارنامے اور تصانیف کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔

ناشر
دار الاشاعت
مقابل مولوی مسافر خانہ ○ اردو بازار، کراچی ۱

حرفِ آغاز

(از محمد رضی عثمانی)

مصر کے مشہور مصنّف اور دانشور علامہ شیخ محمد خضری بک کی مشہور عالم کتاب تاریخ تشریع الاسلامی کا اُردو ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ فقہ اسلامی کی تاریخ پر اُردو زبان میں اب تک کوئی ایسی جامع کتاب موجود نہیں تھی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ آیا فقہ اور قانون اسلامی کوئی جامد چیز ہے یا بدلتے ہوئے زمانہ کی ضروریات اور حالات کے مطابق اس میں ردوبدل ہوتا رہا ہے اور یہ کہ فقہ اسلامی موجودہ زمانہ کے ساتھ کس حد تک ہم آہنگ ہے۔ اس کے لیے اس کی ضرورت تھی کہ اسلامی فقہ کے تمام ادوار کی مفصل تاریخ مرتب کی جائے۔ جس میں ہر دور میں فقہی تغیرات انقلابات اور اس دور کی خصوصیات دکھائی جائیں اور زیر نظر کتاب ان تمام ضروریات کو اور مقاصد کو پورا کرتی ہے فاضل مصنّف نے اس موضوع پر قلم اٹھا کر ملک وملّت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک ہر دور کے فقہ اسلامی کی مفصل تاریخ اور خصوصیات نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور ساتھ ہی چاروں مشہور ائمہ یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے تلامذہ کے حالات اور ان کے علمی کارنامے اور تصانیف کا تذکرہ نہایت شرح وبسط کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ کرنے کے لیے احقر نے اپنے برادر عزیز مولانا تقی صاحب عثمانی سے کہا جن کو ماشاء اللہ اپنے علم وفضل کے اعتبار سے ایک ممتاز مقام حاصل ہے اور جن کی متعدد علمی تحقیقی تصانیف شائع ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں انہوں نے اپنی گونا گوں علمی مصروفیات کے باوجود اس اہم کتاب کے اردو ترجمہ کا کام شروع کر دیا

اور ابھی نصف سے کچھ کم کتاب کا ترجمہ کر پائے تھے کہ اچانک بعض دوسری علمی مصروفیات کی وجہ سے اس کو پورا نہ سکے اس لیے بقیہ نصف کتاب سے زیادہ کا ترجمہ محترم بزرگ مولانا حبیب احمد صاحب ہاشمی نے پورا کیا اور الحمد للہ اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

جدید عکسی طباعت

اب اس کتاب کا دوسرا جدید ایڈیشن عکسی شائع کیا جارہا ہے اور سائز بھی کچھ چھوٹا جو اس کتاب کے لیے موزوں تھا یعنی ۲۲×۱۸/۸ کر دیا گیا ہے۔

بندہ محمد رضی عثمانی
۲۸ جمادی اولی ۱۳۹۸ھ
مطابق ۷ مئی ۱۹۷۸ء

فہرست مضامین تاریخ فقہ اردو

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اسلامی فقہ کی تاریخ" ایک ایسا موضوع ہے، جو بہت اہم ہونے کے باوجود زیادہ مصنفین کی توجہ کا مرکز نہیں بن سکا، خود عربی زبان میں اس موضوع کی مبسوط کتابیں بہت کم ہیں اور اردو کا دامن تو ان سے تقریباً خالی ہے۔

علامہ محمد خضری بک" مصر کے آخری دور میں ایک وسیع المطالعہ عالم گزرے ہیں تاریخ ان کا خاص موضوع رہا ہے اپنے طرزِ فکر اور اسلوبِ تحریر کے اعتبار سے اگر یوں کہا جائے کہ یہ "مصر کے مولانا شبلی ہیں" تو میرے خیال سے یہ ان کا مکمل تعارف ہوگا۔ انہوں نے اسی موضوع پر قلم اٹھایا، اور خوب اٹھایا، کافی عرق ریزی اور محنت کے بعد ان کی کتاب "تاریخ التشریع الاسلامی" منظرِ عام پر آئی اور اسے علمی حلقوں میں بہت کچھ سراہا گیا۔

یہ کتاب چونکہ پاکستان کی بعض یونیورسٹیوں میں داخلِ نصاب تھی، اور یوں بھی باذوق حضرات کے لیے اس کا مطالعہ مفید تھا، اس لیے ضرورت تھی کہ اس کا کوئی ترجمہ یہاں شائع ہو، مگر پاکستان میں ایسا کوئی ترجمہ دستیاب نہ تھا، جو اس ضرورت کو پورا کر سکے اس لیے دارالاشاعت کے مالک برادر مکرم جناب مولانا محمد رضی صاحب عثمانی نے اس کام کا ارادہ کر کے راقم الحروف کو حکم دیا کہ اس کا ترجمہ شروع کر دے۔

اتفاق سے ان دنوں احقر کا کچھ وقت خالی تھا جو کسی مناسب کام کا تقاضا کر رہا تھا، چنانچہ بنام خدا احقر نے اس کی ابتدا کر دی، اور اس کا ایک معتد بہ حصہ (تقریباً نو صفحات) مکمل کر بھی لیا، پھر اچانک کچھ ایسے وقتی کام پے در پے سامنے آئے کہ میں اس کام کی طرف توجہ نہ دے سکا۔ اور بالآخر جب اس میں غیر معمولی تاخیر ہونے

لگی تو "مولانا حبیب صاحب ہاشمی" کے حوالہ کر دیا" انہوں نے الحمد للہ پوری دلچپی کے ساتھ اس کو چند مہینوں میں پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا، چنانچہ شروع سے "جہاد" کے بیان تک (جو اصل کتاب کے صفحہ ۱۶ پر ہے) ترجمہ میرا ہے۔ اور باقی سب مولانا ہاشمی صاحب کا۔

یہاں ایک بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے، اور وہ یہ کہ علامہ خضری" بلاشبہ ایک بڑے عالم ہیں مگر وہ جس دور سے تعلق رکھتے ہیں، اتفاق سے یہ وہی دور ہے جس میں عالمِ اسلام پر مغرب کے قلم اور تلوار کا حملہ ساتھ ساتھ ہوا ہے، اس دور کے وہ علماء جنہوں نے اپنے علم کا زیادہ مدار مطالعہ پر رکھ کر براہ راست مستشرقین کو پڑھا ہے، ان کی تحریروں میں (شعوری یا غیر شعوری طور سے) ایک مرعوبیت کا احساس پایا جاتا ہے جس کو ان جگہوں پر بہ آسانی پڑھا جا سکتا ہے، جہاں انہوں نے اسلام پر کسی "مغربی اعتراض" کا جواب دیا ہے۔ ہندوستان میں مولانا شبلیؒ اور مصر میں علامہ خضریؒ علماء کے اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

ہمیں ان حضرات کی نیک نیتی اور خلوص میں شبہ نہیں، ان حضرات نے خدمت دین کے جذبے میں بڑی محنتیں اٹھائی ہیں، اور اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات کا دفاع کیا ہے، لیکن اس کو کیا کیجیے کہ اگر اعتراض کرنے والے کے ہاتھ میں تلوار بھی ہو اور منہ میں تیز زبان بھی اور جواب دینے والے کا ذہن ان دونوں سے مرعوب نہ ہو تو قدرتی طور پر جواب جواب نہیں رہتا، معذرت بن جاتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا"۔ جہاد، نسخ اور غلامی کے جیسے مسائل پر مستشرقین نے جو اعتراضات کیے تھے" یہ حضرات ان کا جواب خود اعتمادی کے ساتھ سینہ تان کر نہیں دے سکے، بلکہ ۔۔۔ قسم کی معذرت" پیش کی، کہ یہ تمام چیزیں دراصل ہمارے یہاں ایک مجبوری کے تحت تھیں، آئندہ ایسا نہ ہوگا، اور اس میں معذرت کے لیے خود شریعتِ اسلام کے اندر بعض ایسی ترمیمیں کر گئے جو اس کے مزاج سے میل کھانے والی نہیں ہیں۔

یہ ایک غلط طرزِ فکر کی ابتدا تھی، اور جب یہ ترمیم و تنسیخ کا دروازہ کھلا تو دشمنانِ اسلام کو ایک وسیع میدان ہاتھ آگیا، پھر ۔۔۔ نئے مجتہدین نے اس دروازے کو

جو پٹ کھول کر اسلام پر وہ ستم ڈھائے کہ الاماں! اور اسی "خشت اوّل" کے "کج" ہو جانے کا نتیجہ یہ ہے کہ آج "تجدّد" کا مکتبِ فکر ناواقف مسلمانوں کے لیے ایک مستقل خطرہ بن چکا ہے۔

بہرکیف! کہنا یہ تھا کہ زیر نظر کتاب میں بھی دو تین مقام ایسے آئے ہیں، جہاں اسی احساسِ مرعوبیت کے تحت علامہ خضری نے جمہورِ امت سے اختلاف کیا ہے جہاد، نسخ، اور غلامی پر انہوں نے جہاں گفتگو کی ہے، وہاں صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان مسائل میں خود ان کا ذہن صاف نہیں ہے ——— یہ بات کتاب کے مطالعہ کے دوران پیش نظر رہنی چاہیئے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور مقبول بنائیں، اور اس کی تصنیف وطباعت میں حصہ لینے والے ہر شخص کے لیے یہ ذخیرہ آخرت ثابت ہو آمین

محمد تقی عثمانی

دار العلوم کراچی نمبر ۳۰

اگست ۱۹۶۴ء

اسلامی فقہ کے سرچشمے تین ہیں

(۱) قرآن کریم

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال و افعال جنہوں نے قرآن کریم کی تشریح فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی مراد کو واضح کیا، اصطلاح میں انہی کو "سنت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۳) فقہاء کی اجتہادی آراء، یہ آراء اگرچہ قرآن و سنّت ہی سے ماخوذ اور مستنبط ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ فقہاء کی فکر و نظر کا نتیجہ ہیں جس پر مختلف زمانوں کے مختلف اثرات پڑتے رہے ہیں، فقہاء کی یہ فکری کاوش کبھی زمانہ کے مختلف اثرات سے متاثر ہوئی ہے اور کبھی خود ان فقہاء کی نفسیات سے یہی وجہ ہے کہ فقہ اور فقہاء کی تاریخ لکھنے والا اس کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی تاریخ کو مختلف زمانوں کے اعتبار سے ترتیب دے یا مجتہدین کے نفسیاتی اختلاف کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کی شخصیتوں کے اعتبار سے،

لیکن غور و فکر کے بعد ہمیں یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی اس تاریخ کو مختلف زمانوں کے اعتبار سے ترتیب دیں، اس لیے کہ انہی زمانوں کے اثرات زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہیں اور جہاں تک فقہاء کی نفسیات کا تعلق ہے تو ہم آگے کسی مقام پر وضاحت سے بیان کریں گے کہ ان کا اختلاف کوئی حقیقی اختلاف نہیں بالخصوص وہ فقہاء جو آپس میں ہم عصر ہیں ان کے اختلاف کی بنیادیں اتنی اہمیت کی حامل نہیں کہ ان کے اعتبار سے تاریخ فقہ کو ترتیب دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے لے کر آج تک فقہ پر کتنے دور گزرے؟ اس سوال پر جہاں تک ہم نے غور کیا، ہمیں چھ دور بڑے اہم نظر آئے

جنہوں نے مسلمانوں کے اجتہاد اور فتویٰ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

(۱) **فقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں**:۔ درحقیقت یہی دور فقہ کی اصل اور بنیاد ہے، تمام فقہاء نے متفقہ طور پر اسے مستند قرار دیا ہے۔

(۲) **کبار صحابہ کا دور**:۔ جو خلافتِ راشدہ کے اختتام پر ختم ہو جاتا ہے۔

(۳) **صغار صحابہ اور تابعین کا دور**:۔ یہ دور پہلی صدی ہجری یا اس کے کچھ بعد ختم ہو جاتا ہے۔

(۴) **وہ دور جس میں فقہ ایک باقاعدہ علم بن چکا تھا**:۔ اسی دور میں وہ ماہر فقہاء پیدا ہوئے جنہیں امت نے متفقہ طور سے دینی قائد تسلیم کر لیا، اس دور میں ان فقہاء کے وہ شاگرد بھی آجاتے ہیں جنہوں نے کوئی اپنی رائے ظاہر کیے بغیر حضراتِ فقہاء کی آراء کو نقل کیا، تیسری صدی ہجری کے ختم ہوتے ہی یہ دور بھی ختم ہو جاتا ہے

(۵) **وہ دور جس میں فقہ مناظرہ کا علم بن گیا**:۔ جو مسائل ائمہ مجتہدین سے حاصل کیے گئے تھے ان کی تحقیق و تفتیش کے لیے مناظرے اسی دور سے شروع ہوئے اسی زمانہ میں فقہ پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئیں اور بے شمار مسائل کا حل تلاش کیا گیا، یہ دور اس وقت ختم ہوا ہے جب خلافتِ بنو عباس دم توڑ رہی تھی اور بغداد میں تاتاری غارت گری کا فتنہ سر ابھار رہا تھا، اس کے بعد کچھ دنوں تک مصر میں یہی دور جاری رہا ہے

(۶) **تقلید محض کا دور**:۔ جو آج تک جاری ہے۔

ہم نے اپنی اس کتاب کو انہی ادوار کے لحاظ سے ترتیب دینے کا ارادہ کیا ہے، خدا ہی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس ارادہ میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین
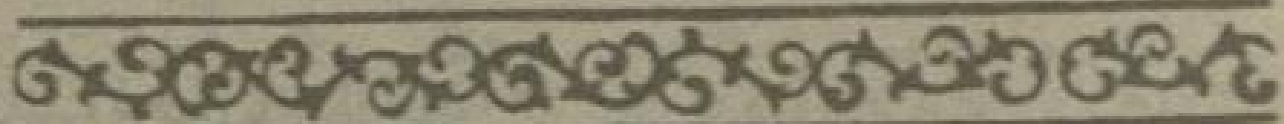
پہلا دور

فقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن اور حدیث

قرآن کریم ۱۷ رمضان سنہ ۶۱۲ میلادی کی رات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رفتہ رفتہ نازل ہونا شروع ہوا، سب سے پہلے غار حرا میں، جہاں آپؐ بغرض اعتکاف تشریف فرما تھے، یہ آیتیں نازل ہوئیں :۔

اقرأ باسم ربك الذی خلق ، خلق الانسان من علق، اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم؛

وحی والہام کا یہ مبارک سلسلہ ۹ ذی الحجہ سنہ ۱۰ ہجری مطابق سنہ ۶۳۲ میلادی تک جاری رہا اور سنہ ۱۰ ھ میں عرفہ کے روز آخری آیت نازل ہوئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ؕ	آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے واسطے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔

اس اعتبار سے نزول وحی کی کل مدت بائیس سال دو برس اور بائیس دن ہے، جس رات قرآن کریم کا نزول شروع ہوا وہ شب قدر تھی جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے کہ:۔

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادراک ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شھر تنزل الملٰئکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر سلام ھی حتیٰ مطلع الفجر ؛

ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا اور تمہیں کیا معلوم شب قدر کیا ہے ؟ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس میں فرشتے اور روح القدس اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں یہ رات طلوع فجر تک (رہتی) ہے۔

اسی رات کے سلسلہ میں ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین فیھا یفرق کل امر حکیم امرا من عندنا انا کنا مرسلین رحمۃ من ربک ؛

ہم نے اس (قرآن) کو (لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) ایک برکت والی رات (شب قدر) میں اتارا ہے، ہم آگاہ کرنے والے ہیں، اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم ہو کر طے کیا جاتا ہے ہم بوجہ رحمت کے جو آپ کے رب کی طرف سے ہوئی ہے آپ کو پیغمبر بنانے والے تھے۔

اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ یہ ماہ رمضان کی رات تھی چنانچہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

شھر رمضان الذی انزل فیہ القران ھدی للناس و بینات من الھدیٰ والفرقان ؛

ماہ رمضان جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے جس کا (ایک) وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لیے (ذریعہ) ہدایت ہے اور (دوسرا وصف یہ ہے کہ واضح الدلالہ ہے منجملہ ان کتب کے جو (ذریعہ) ہدایت بھی ہیں اور (حق وباطل) فرق کرنے والی ہیں۔

اور یہی وہ زمانہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، محمد بن اسحٰق نے عبید بن عمیر سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سال میں ایک مہینہ غار حرا میں قیام فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ جب آپؐ کی بعثت کا سال آیا تو آپؐ ماہِ رمضان میں حسب معمول حرا کی طرف جانے کے لیے نکلے۔

لیکن اس مسئلہ میں بڑا اختلاف پھیلا ہوا ہے کہ جس رات نزول قرآن کا آغاز ہوا وہ رمضان کی کون سی رات تھی ؟ محمد بن اسحاق کا خیال ہے کہ یہ رمضان کی سترھویں رات تھی، اللہ تعالیٰ کے ایک ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

ان کنتم اٰمنتم باللہ وما انزلنا علیٰ عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان — اگر تم خدا پر اور اس (کتاب) پر ایمان لائے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اس دن نازل کی جس روز حق و باطل جدا ہونے والے تھے اور جس دن دو جماعتیں (لڑنے کے لیے) آپس میں مل گئیں۔

اس آیت میں جس دن کی طرف "یوم التقی الجمعان" کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے اس سے مراد متفقہ طور پر غزوۂ بدر کا دن ہے جس کے بارہ میں تصریح ہے کہ وہ ۱۷ رمضان کو ہوا ہے، اور یوم الفرقان سے مراد وہ دن ہے جس میں نزول قرآن کا آغاز ہوا، اس لیے اس آیت سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ یہ دونوں دن اس اعتبار سے متحد ہیں کہ دونوں سے مراد جمعہ ۱۷ رمضان ہے، اگرچہ یہ دونوں واقعات ایک ہی سال میں نہیں ہوئے بلکہ نزولِ قرآن کی ابتدا غزوۂ بدر سے کئی سال پہلے ہو چکی تھی۔

تفسیر طبری میں سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی گئی ہے فرمایا "لیلۃ الفرقان یوم التقی الجمعان ۱۷ رمضان ہے"

علامہ قسطلانیؒ نے بخاری کی شرح میں اس اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محمد بن اسحٰقؒ کے قول کی تائید حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جسے ابن ابی شیبہؒ اور طبرانیؒ نے روایت کیا ہے۔

خود ہمارا رجحان بھی اسی رائے کی جانب ہے، اس لیے کہ ہمیں تو اسباب کا

یقین ہے کہ یہ رات کوئی ایسی معمولی رات نہ تھی جس کا ذکر قرآن کریم کہیں اشارۃً بھی نہ کرتا، بلکہ اس عظیم رات کی قدر و منزلت کا تقاضا یہ تھا کہ اس کا ذکر کسی بہتر موقعہ پر آئے چنانچہ یہی واقعہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات کا ذکر نہایت مناسب موقع پر فرمایا ہے، اس جگہ جہاں آپ غزوہ بدر کے واقعات کا ذکر فرما رہے ہیں جس میں اللہ نے مسلمان کو عزت و شوکت عطا فرمائی تھی اور اپنی مدد کے ایسے ایسے کرشمے دکھلائے تھے جو ہر مسلمان کے لیے ہر طرح عزت اور سربلندی کے ضامن تھے اور اتفاق سے یہی وہ دن بھی تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب رسالت سے سرفراز فرمایا تھا۔

یہ مناسبت قرآن کریم کے اس اشارہ کے لیے بہترین مناسبت تھی چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا۔: وما انزلنا علیٰ عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان ۵

رہا نزول وحی کا اختتام تو اس سلسلہ میں علامہ طبریؒ الیوم اکملت لکم دینکم کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

علماء نے کہا ہے کہ یہ عرفہ کا دن ہے جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وداع فرمایا ہے اور اس آیت کے بعد نہ کوئی فریضہ مسلمانوں پر وحی کے ذریعہ لازم کیا گیا، نہ کسی چیز کو حرام یا حلال قرار دیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صرف اکیاسی رات بقید حیات رہے، یہی بات حضرت ابن عباسؓ حضرت سدیؒ اور ابن جریجؒ سے مروی ہے اور نیشاپوریؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے ایک یہودی کے سامنے یہ آیت پڑھی تو اس نے کہا کہ اگر کسی دن یہ آیت ہم پر نازل ہو جاتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے اس پر حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ یہ تو اس دن نازل ہوئی ہے جس روز دو عیدیں جمع ہو گئیں تھیں ایک جمعہ کا

اور دوسرے عرفہ کا"

مشرکین کو اس بات پر بڑا اعتراض تھا کہ قرآن تھوڑا تھوڑا کیوں اترتا ہے؟ ایک ہی دفعہ میں پورا کیوں نہیں ہو جاتا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ اعتراض ذکر فرما کر سورۂ فرقان میں اس کا جواب دیا ہے۔

وقال الذین کفروا لولا نزل علیه القرآن جملة واحدة کذلك لنثبت به فؤادك ورتلناه ترتیلاً ○

کفار نے کہا کہ قرآن ایک ہی مرتبہ میں کیوں نہ نازل کر دیا گیا؟ ایسا ہم نے اس لیے کیا تاکہ اس کے ذریعہ آپ کے قلب کو قوی رکھیں اور ہم نے اس کو بہت ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے۔

اور سورۂ اسراء میں ارشاد فرمایا:۔

وقرآناً فرقناه لتقرأه علی الناس علی مکث ونزلناه تنزیلاً ○

اور قرآن میں ہم نے جا بجا فصل رکھا تاکہ آپ ان لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو اتارنے میں بھی تدریجاً اتارا،

نزولِ وحی کے دو اہم دور | نزول قرآن کا زمانہ دو ممتاز مدتوں پر تقسیم ہے

(۱) پہلا دور وہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے" اس دور کی کل مدت بارہ سال پانچ مہینے اور تیرہ دن ہے۔ نزول وحی کا یہ زمانہ ۱۷ رمضان ۴۱ سنہ میلادی سے لے کر ربیع الاول ۵۴ سنہ میلادی تک جاری رہا، اس عرصہ میں قرآن کریم کی جو سورتیں یا آیات نازل ہوئیں انہیں مکی کہا جاتا ہے،

(۲) دوسرا دور ہجرت کے بعد کا ہے جو نو سال، نو مہینے نو دن پر مشتمل ہے اس کا آغاز ۵۴ سنہ میلادی سے ہوا اور اختتام ۹ ذی الحجہ ۶۳ سنہ میلادی مطابق سنہ ۱۰ ہجری کو، قرآن حکیم کا جو حصہ اس دور میں نازل ہوا اسے مدنی کہتے ہیں، قرآن کریم کا تقریباً ۱۹/۳۰ حصہ مکی اور تقریباً ۱۱/۳۰ حصہ مدنی ہے۔

مکی اور مدنی سورتیں | کلام پاک میں مندرجہ ذیل سورتیں مدنی ہیں:۔

(۱) بقرہ (۲)، آل عمران (۳)، نساء (۴)، مائدہ (۵)، انفال (۶)، توبہ (۷)، حج

(۸) نور (۹) احزاب (۱۰) قتال (۱۱) فتح (۱۲) حجرات (۱۳) حدید (۱۴) مجادلہ (۱۵) حشر (۱۶) ممتحنہ (۱۷) صف (۱۸) جمعہ (۱۹) منافقون (۲۰) تغابن (۲۱) طلاق (۲۲) تحریم۔

(۳) اذا جاء نصر اللہ۔

ان سورتوں کے علاوہ تمام سورتیں مکی ہیں، اور قرآن کریم میں کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں جن میں سب سے پہلی سورۂ فاتحہ اور سب سے آخری سورۂ ناس ہے

سورۃ کی وجہ تسمیہ اصل میں "سورۃ" بلندی کے مرتبہ کو کہا جاتا ہے، عربی کا مشہور نابغہ کہتا ہے۔

الم تر أن الله أعطاك سورة

ترى كل ملك دونها يتذبذب

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ نے تمہیں ایک ایسا بلند مرتبہ عنایت کیا ہے
جس کے سامنے ہر بادشاہ جھکتا نظر آتا ہے۔

شاعر کا مقصد یہ ہے کہ خدا نے تمہیں شرف کے مراتب میں سے ایک مرتبہ عنایت کیا ہے جس کے آگے بادشاہوں کے مراتب بھی ہیچ ہیں۔

اور بعض دوسرے حضرات اسے "سورہ" کی بجائے ہمزہ کے ساتھ "سؤرۃ القرآن" پڑھتے ہیں، اس صورت میں اس کے معنیٰ ہو جائیں گے "قرآن کریم کا وہ ٹکڑا جو اس کے بقیہ ٹکڑوں سے جدا کر لیا گیا" اس لیے کہ سورہ "عربی میں "بچی کھچی چیز" کو کہا جاتا ہے کہ کسی کے جھوٹے پانی کو بھی اس لیے "سورہ" کہتے ہیں کہ وہ پانی کا باقی ماندہ حصہ ہوتا ہے، اعشیٰ ثعلبہ ایک ایسی عورت کے متعلق کہتا ہے جو اس کے دل میں اپنی محبت کا غم چھوڑ کر کہیں چلی گئی تھی ؎

فبانت وقد أسأرت فى الفؤا

د صدعا على نأيها مستطيرا

وہ چلی گئی اور دل میں ایک بڑا شگاف چھوڑ گئی "

اسی عورت کے بارہ میں اسی کا دوسرا شعر ہے ؎

بانت وقد أسارت فی النفس حاجتها بعد ائتلاف وخیر الود ما نفعا۔

وہ چلی گئی اور الفت کے بعد دل میں اپنی خواہش چھوڑ گئی حالانکہ اچھی محبت تو وہ ہوتی ہے جو مفید ثابت ہو"

سورتوں کے نام قرآن حکیم کی ان سورتوں میں سے ہر ایک کا ایک خاص نام ہے جو کہیں سورت کے ابتداء الفاظ میں سے کسی کو منتخب کر کے رکھ دیا گیا ہے، اور اکثر سورتیں اسی ضمن میں آتی ہیں مثلاً سورۂ انفال کہ اس کی پہلی آیت میں یہ لفظ موجود ہے یسئلونك عن الانفال ۔ سورۂ اسرار بھی "اسرار" سے شروع ہو رہی ہے "سبحٰن الذی اسرٰی عبدہ" سورۂ "طہٰ" کی ابتدائی آیت ہے "طٰہٰ ما انزلنا علیك القرآن لتشقیٰ۔ سورہ مومنوں کی پہلی آیت ہے "قد افلح المؤمنون" سورۂ فرقان پہلی آیت ہے "تبارك الذی نزّل الفرقان علیٰ عبدہ" سورۂ روم کی پہلی آیت ہے الٓمٓ غلبت الروم فی ادنی الارض ۔ سورہ فاطر کی ابتدائی آیت "

(غیرہ وغیرہ۔)

اور قرآن کریم میں ۳۵ سورتیں ایسی ہیں جن کا نام شروع میں مذکور نہیں چنانچہ سورۂ بقرہ میں گائے کا واقعہ ۶۵ آیات کے بعد آیا ہے، سورہ آل عمران میں آل عمران کا واقعہ بھی ۳۲ آیتوں کے بعد مذکور ہوا ہے، اسی طرح سورہ نساء میں لفظ "نساء" کئی جگہ آیا ہے جن میں سے ایک تو شروع ہی کی چند آیتوں کے بعد اور باقی آگے چل کر، سورۂ مائدہ میں لفظ "مائدہ" (جس کے معنی دستر خوان کے ہیں) ۱۱۰ آیتوں کے بعد تقریباً ختم پر آیا ہے۔

سورتوں کے نام کس مناسبت سے رکھے گئے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں تحقیق و تفتیش کے بعد ہمیں یہی بات زیادہ وزن دار معلوم ہوئی کہ دراصل قرآن کی موجودہ ترتیب وہ ترتیب نہیں جس کے مطابق قرآن نازل ہوا ہے بلکہ نزول کی ترتیب کچھ اور ہے، نہ سورتیں اس ترتیب سے نازل ہوئی ہیں اور نہ آیتیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کم بیش پانچ پانچ دس دس آیتیں نازل ہوتی تھیں

واقعہ انک میں ایک ہی مرتبہ دس آیات کا نزول صحیح روایتوں سے ثابت ہے اسی طرح سورۂ مومنین کی ابتدائی دس آیتیں بھی ایک ہی مرتبہ نازل ہو گئیں تھیں، دوسری جانب ایک صحیح روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ "لایستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر والمجاهدون فی سبیل الله باموالهم وانفسهم ٥" میں صرف "غیر اولی الضرر" ایک مرتبہ نازل ہوا اور باقی پوری آیت پہلے نازل ہو چکی تھی، اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ "وان خفتم عیلة فسوف یغنیکم الله من فضله ان شاء ان الله علیم حکیم" بعد میں نازل ہوئی اور "انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا ط" پہلے نازل ہو چکی تھی ؁

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے لکھنے پڑھنے نہیں تھے جیسا کہ سورہ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:-

وما کنت تتلوا من قبله من کتٰب ولا تخطه بیمینك اذًا لارتاب المبطلون۔ اور آپ اس آیت سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں یہ ناحق شناس کوئی شبہ نکالتے۔

اسی بنا پر آپ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے نازل شدہ آیات سن کر یاد فرمایا کرتے تھے، اسی بات کی جانب اللہ تعالیٰ نے سورۂ قیامہ میں اشارہ فرمایا ہے۔ لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علینا جمعه وقرانه فاذا قرانٰه فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه ط (یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ قبل اختتام وحی قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجیے، تاکہ آپ اس کو جلدی لیں، ہمارے ذمہ ہے (آپ کے قلب میں) اس کا جمع کر دینا، اور پڑھوا دینا جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اس کی پیروی کریں پھر اس کا بیان کرا دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔ اور سورہ طہٰ، میں ارشاد فرمایا۔

ولا تعجل بالقران من قبل ان یقضی الیك وحیه وقل رب اور قرآن (پڑھنے) میں قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو چکے عجلت

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۝ نہ کیجیے، اور آپ دعا کیجیے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دیجئے۔

اور سورۃ "سبح" میں ارشاد ہے:۔

سنقرئك فلا تنسىٰ الا ما شاء الله ۝ (اس قرآن کی نسبت ہم وعدہ کرتے ہیں کہ)، ہم جتنا قرآن نازل کرتے جائیں) آپ کو پڑھا دیا کریں گے، پھر آپ (اس سے کوئی جز) نہیں بھولیں گے، مگر جس قدر (بھلانا) اللہ کو منظور ہو، (کہ نسخ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے)۔

انہ یعلم الجہر وما یخفیٰ ۝ وہ ظاہر اور باطن کو جانتا ہے اور سورہ حجر میں فرمایا:۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون ۝ ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم اس کے محافظ (اور نگہبان) ہیں۔

پھر جب آپؐ نازل شدہ آیات کو سمجھ کر یاد فرما لیتے تو لوگوں کو سناتے اور کاتبینِ وحی میں سے کسی کو لکھنے کا حکم دیتے، اور کاتب آپ ہی کے سامنے کھجور کے چھلکے، کسی باریک پتھر یا کاغذ کے ٹکڑوں پر وہ آیت تحریر کر دیتے، آپؐ نے کئی کاتبین وحی مقرر فرمائے ہوئے تھے جن کی تعداد بعض حضرات کے کہنے کے مطابق چھبیس[۲۶] تھی اور علامہ حلبیؒ نے سیرۃ العراقی سے نقل کر کے فرمایا ہے ان کی تعداد بیالیس[۴۲] تھی، ان میں سے بعض حضرات تو وہ تھے جو ہمیشہ اس مبارک فریضہ کو ادا کرتے رہے اور بعض وہ تھے جنہوں نے ایک خاص مدت تک یہ فرض انجام دیا، بعد میں چھوڑ دیا۔

کاتبین وحی کاتبین وحی میں سے جو حضرات مشہور ترین ہیں ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں

خلفاء اربعہؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ (جو بادشاہوں کے نام خطوط بھی لکھا کرتے تھے)، حضرت ابی بن کعب[۱]ؓ، ثابت بن قیس بن شماسؓ، زید بن ثابتؓ، معاویہ بن

[۱] آپؓ انصار مدینہ کے پہلے صحابی ہیں جنہوں نے وحی کی کتابت کی اکثر و بیشتر وحی لکھتے رہے ہیں باقی بر صفحہ آئندہ

ابی سفیانؓ، یزید بن ابی سفیانؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، زبیر بن عوامؓ خالد بن الولیدؓ، علاء بن الحضرمیؓ عمر بن العاصؓ، عبد اللہ بن الحضرمیؓ، محمد بن مسلمہؓ، عبد اللہ بن عبد اللہ بن اُبیّ بن سلول

وحی کا یہ مکتوب حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکانِ مبارک میں رکھ دیا جاتا تھا اور کاتبین خود اپنے لیے بھی ایک نسخہ لکھ لیتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات کو تبلایا کرتے تھے کہ اس آیت کو کونسی جگہ لکھا جائے؟ اس طرح امی حضرات کے حافظوں، کاتبین کے نجی نسخوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں رکھے ہوئے نسخہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت فرمائی، اور تمام علماء کا اتفاق ہے کہ سورتوں اور آیتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تبلائی ہوئی ہے

اس دور تک قرآن کریم کو باقاعدہ جمع نہیں کیا گیا تھا، البتہ صحابہؓ میں سے بہت سے حضرات نے پورا قرآن حفظ کر لیا تھا جن میں سے حضرت عبد اللہ بن مسعود کا اسم گرامی بطور خاص قابل ذکر ہے جو "السابقون الاولون" (شروع ہی میں ایمان لانے والوں) میں سے ہیں، اور پورے عہد نبوت میں آنحضرت کے مخلص رفیق رہے ہیں، حضرت سالم بن معقلؓ بھی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی طرح شروع میں ایمان لائے تھے اور انہیں پورا قرآن دیا تھا، ان کے علاوہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت اُبی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور ابو زیدؓ (یہ چاروں حضرات انصار میں سے ہیں) اور ابو درداءؓ بھی قرآن کی حافظ تھے، اور قرآن کے مختلف حصے تو بے شمار صحابہؓ کو یاد تھے۔

نزولِ وحی کی کیفیت

قرآن کریم کی جو آیات احکام سے متعلق ہیں وہ عام طور سے ان واقعات کے جواب میں نازل ہوئی ہیں جو اسلامی معاشرے میں وقتاً فوقتاً رونما ہوتے رہے، اس

سابقہ حاشیہ ص۲۵ ابی سفیانؓ، یزید بن ابی سفیانؓ، ہیں جو وحی لکھا کرتے تھے ۱۲ منہ، ۳ و ۴ یہ دونوں حضرات ہمیشہ کتابتِ وحی پر مامور رہے ہیں، اس کے علاوہ کوئی اور کام ان کے ذمہ نہ تھا ۱۲ منہ۔

قسم کے واقعات کو اصطلاح میں "اسباب نزول" یا شان نزول کا نام دیا جاتا ہے، مفسرین کرام کی ایک بڑی جماعت نے خاص طور سے اسباب نزول پر توجہ دے کر اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، اور اسے قرآن کے سمجھنے کے لیے اساس اور بنیاد قرار دیا ہے، جس کی تفصیل آئندہ ادوار میں آجائے گی۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ آیات مسلمانوں کے مختلف سوالات کے جواب میں نازل کی جاتیں، اور کہیں کہیں ازخود بھی احکام نازل فرمائے گئے ہیں، ان تین طریقوں میں سے ہر ایک کی مثال ملاحظہ فرمائیے:۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مرثد غنوی رضؓ کو مکہ بھیجا تاکہ جو مسلمان وہاں ابتر زندگی گزار رہے ہیں وہ ان کے ساتھ مدینہ چلے آئیں چنانچہ حضرت مرثد جب مکہ پہنچے تو ایک خوبصورت اور مالدار عورت نے انہیں زنا کی پیشکش کی مگر ان کے دل میں اللہ کا خوف راسخ تھا اس لیے انہوں نے قبول نہ کیا پھر اسی عورت نے نکاح کی پیشکش کی تو حضرت مرثدؓ راضی ہو گئے اور کہا کہ اسے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پر موقوف چھوڑتا ہوں اگر آپؐ نے اجازت دے دی تو میں راضی ہوں، چنانچہ مدینہ پہنچ کر یہ قضیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی:۔

ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن ولامۃ مؤمنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا ولعبد مؤمن خیر من مشرک ولو اعجبکم اولئک یدعون الی النار واللہ یدعوا الی الجنۃ والمغفرۃ باذنہ الخ:	اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، تا وقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں اگرچہ وہ عورتیں تمہیں پسند نہ ہوں اور ایک مومن باندی مشرک (آزاد) عورت سے بہتر ہے اور (اپنی عورتوں کا) نکاح مشرک مردوں سے نہ کراؤ اگرچہ وہ مرد تمہیں پسند نہ ہوں اور ایک مومن غلام مشرک (آزاد) مرد

سے بہتر ہے یہ لوگ آگ کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے مغفرت اور جنت

کی طرف بلاتا ہے۔

(۲) ایسے احکام بھی قرآن کریم میں بہت ہیں جو مسلمانوں کے سوالات کے جواب میں بتلائے گئے چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:۔

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس و اثمھما اکبر من نفعھما ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو کذٰلک یبیّن اللّٰہ لکم الآیات لعلکم تتفکّرون فی الدنیا والاخرۃ ویسئلونک عن الیتامیٰ قل اصلاحٌ لھم خیرٌ و ان تخالطوھم فاخوانکم واللّٰہ یعلم المفسد من المصلح ولو شآء اللّٰہ لاعنتکم انّ اللّٰہ عزیزٌ حکیمٌ ویسئلونک عن المحیض قل ھو اذًی فاعتزلوا النسآء فی المحیض ولا تقربوھنّ حتّٰی یطھرن فاذا تطھّرن فأتوھنّ من حیث امرکم اللّٰہ انّ اللّٰہ یحبّ التوّابین ویحبّ المتطھّرین ط

لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ ان دونوں کے استعمال میں گناہ کی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کے لیے (بعض) فائدے بھی ہیں، اور گناہ کی باتیں ان فائدوں سے بڑھی ہوئی ہیں، اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ (خیر خیرات میں) کتنا خرچ کیا کریں، آپ فرما دیجیے کہ جتنا آسان ہو۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح احکام کو صاف صاف بیان کرتے ہیں تاکہ تم دنیا اور آخرت کے معاملات میں سوچ لیا کرو، اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے، اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ تمہارے (دینی) بھائی ہیں، اور اللہ تعالیٰ مصلحت کے ضائع کرنے والے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے کو اور لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ وہ گندی چیز ہے، تو حیض میں تم عورتوں سے علیحدہ رہا کرو، اور ان سے قربت نہ کیا کرو جب تک وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آ جایا کرو، جس جگہ سے تم کو اللہ نے اجازت دی ہے یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں پاک توبہ کرنے والوں سے اور پاک صاف رہنے

والوں سے الگ الگ) جانتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو مصیبت میں ڈال دیتے، کیونکہ اللہ زبردست حکمت والے ہیں۔

ایک اور جگہ ہے:۔

يسئلونك عن الشهر الحرام قتالٍ فيه قل قتالٌ فيه كبيرٌ وصدٌّ عن سبيل الله وكفرٌ به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اكبر عند الله والفتنة اكبر من القتل ۔ لوگ آپ سے شہرِ حرام میں قتال کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرمادیجیے کہ اس میں خاص طور پر (عمداً) قتال کرنا جرم عظیم ہے اور اللہ کی راہ سے روک ٹوک کرنا، اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام (کعبۃ اللہ) کے ساتھ اور جو لوگ مسجدِ حرام کے اہل تھے ان کو اس سے خارج کر دینا جرمِ عظیم ہیں اللہ کے نزدیک اور فتنہ پردازی کرنا اس قتل سے بڑھ کر ہے۔

سورۂ نساء میں ہے:۔

يستفتونك قل الله يفتيكم في الكلالة ۔ لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرمادیجیے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ کہ

اور بھی بہت سی آیات اسی قسم کی ہیں۔

(۳) رہے وہ احکام جو بغیر کسی واقعہ یا سوال کے نازل کئے گئے، سو وہ بہت ہی تھوڑے ہیں، اور شاذ و نادر ہی کوئی حکم ایسا ہوگا جس کا کوئی سببِ نزول مفسرین نے بیان نہ کیا ہو،

مکی اور مدنی سورتوں کے امتیازات

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نزول قرآن کی دو اہم مدتیں ہیں، ایک ہجرت سے پہلے اور ایک ہجرت کے بعد، ان میں سے ہر ایک کی کچھ امتیازی خصوصیات ہیں جنہیں دیکھ کر دونوں میں تمیز دینا آسان ہو جاتا ہے اور پڑھنے والے کو ان کی بنا پر یہ پتہ لگنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی؟

پہلا امتیاز پہلا امتیاز تو یہ ہے کہ مکی آیتیں عام طور سے چھوٹی ہیں اور مدنی آیتیں بڑی، اس کا اندازہ اس طرح بہ آسانی ہو سکتا ہے کہ مدنی سورتیں قرآن کے ۱/۳ حصہ سے کچھ ہی زائد ہے، اور اس کی کل آیتیں ۱۴۵۶ ہیں، گویا یہ قرآن کی مجموعی آیتوں کے چوتھائی حصے سے کچھ زائد ہیں اس سے زیادہ واضح مثال یہ ہے کہ "قد سمع اللہ" کا پارہ پورا مدنی ہے اور اس کی کل آیتیں ۱۳۷ ہیں، اور اس کے مقابلہ میں "تبارک الذی" کا پارہ مکی ہے اور اس کی آیات کی مجموعی تعداد ۴۳۱ ہے "عم" کا پارہ بھی مکی ہے۔ اور اس کی آیتیں ۵۷۰ ہیں۔

ایک اور مثال لیجیے، سورہ انفال اور سورہ شعراء میں سے ہر ایک آدھ آدھ پارہ پر مشتمل ہے، لیکن چونکہ انفال مدنی ہے اس لیے اس کی کل آیتیں ۷۵ ہیں اور دوسری چونکہ مکی ہے اس لیے اس کی مجموعی آیتیں ۲۲۷ ہیں۔

لیکن یہ امتیاز ہر جگہ قائم نہیں، اکثر جگہوں کے اعتبار سے ہے چنانچہ بعض جگہ مکی آیتیں لمبی اور مدنی آیتیں چھوٹی بھی ہیں۔

دوسرا امتیاز دوسرا امتیاز یہ ہے کہ مدنی آیات میں لوگوں کو عام طور پر "یا ایھا الذین آمنوا" کے ذریعہ خطاب کیا گیا ہے "یا ایھا الناس" کے ذریعہ بہت کم خطاب ہوا ہے۔ اس کے برعکس مکی آیات میں عام طور پر "یا ایھا الناس" کہہ کر خطاب فرمایا گیا ہے اور کسی بھی مکی آیت میں "یا ایھا الذین آمنوا" کا انداز خطاب ہمیں نظر نہیں پڑا، البتہ سات ۷ مدنی آیات ایسی ہیں جن میں "یا ایھا الناس" کہہ خطاب ہوا ہے:۔

(۱) یا ایھا الناس اعبدوا ربکم (۲) یا ایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً۔ یہ دونوں آیات سورۂ بقرہ میں ہیں۔ (۳) یا ایھا الناس اتقوا ربکم (۴) ان یشأ یذھبکم ایھا الناس (۵) یا ایھا الناس قد جاءکم الرسول بالحق من ربکم (۶) یا ایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم یہ چاروں سورۂ نساء میں ہیں (۷) یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ:

یہ سورۂ حجرات میں ہے۔

تیسرا امتیاز تیسرا اہم امتیاز معنوی ہے اور وہ یہ کہ کسی بھی مکی آیت میں کوئی تفصیلی قانون بیان نہیں ہوا بلکہ زیادہ تر توحید اور وجود خدا کے دلائل عذاب کی سختیاں، یوم قیامت کی ہولناکیاں، جنت کی نعمتیں، فضائل اخلاق کی ترغیب اور سابق امتوں کا عبرتناک انجام ان آیتوں کا موضوع ہے، اور جہاں تک تفصیلی قوانین کا تعلق ہے تو وہ زیادہ تر مدنی آیات میں نازل ہوئے ہیں۔

قرآن کے مضامین قرآن کریم تین چیزوں کو اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے :-

(۱) اللہ، فرشتوں، آسمانی کتابوں، پیغمبروں اور روز قیامت سے متعلق عقائد واحکام، اس قسم کے مباحث علم کلام کا موضوع ہیں۔

(۲) وہ احکام جو قلب کے افعال سے متعلق ہیں، مثلاً فضائل اخلاق وعادات یہ چیزیں علم اخلاق (تصوف) کا موضوع ہیں۔

(۳) وہ احکام جو اعضاء وجوارع کے افعال سے متعلق ہیں، شریعت نے کس چیز کا حکم دیا ہے۔؟ کس سے روکا ہے؟ کس کی اجازت دی ہے؟ یہ قسم علم فقہ کا موضوع ہیں،

قرآن میں اسلامی فقہ کی بنیادیں

قرآن کریم نے وضاحت کے ساتھ یہ اعلان کیا ہے کہ وہ لوگوں کی اصلاح کے لیے نازل ہوا ہے، اور اسی لیے وہ کسی چیز کا حکم دیتا اور کسی سے روکتا ہے۔

یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث (اعراف)	وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے، اچھی چیزوں کو ان کے لیے حلال اور گندی چیزوں کو ان پر حرام

قرار دیتا ہے، اس سلسلہ میں شریعت نے تین بنیادی چیزوں کی بطور خاص

رعایت رکھی ہے :۔

(۱) عدم الحرج : یعنی اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ لوگوں پر تنگی نہ ہو۔

(۲) تقلیل التکالیف : یعنی یہ کہ تکلیف کم سے کم ہو،

(۳) تدریج : یعنی کوئی حکم دفعۃً نازل نہ کیا جائے بلکہ اس میں تدریج کا پہلو اختیار کیا جائے۔

عدم الحرج عربی زبان میں "حرج" کے لغوی معنی تنگی کے ہیں، اس بات کی بے شمار دلیلیں ہیں کہ یہ شریعت محمدیہ تنگی رفع کرنے کے اصول پر مبنی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

ویضع عنہم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم (اعراف)

اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں،

ہمیں ایک دعا کی تعلیم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔

ربنا ولا تحمل علینا اصرًا کما حملتہٗ علی الذین من قبلنا ربنا و لا تحملنا مالا طاقۃ لنا بہٖ (بقرہ)

اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے، اے ہمارے رب، ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالیے جس کی ہم کو سہار نہ ہو۔

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے جواب میں فرمایا کہ :۔

فَعَلْتُ یعنی میں یہ کام کر چکا ہوں، ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

(۳) لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعھا۔ (بقرہ)

اور اللہ کسی کو مکلف نہیں بناتا مگر اس کا جو اس کی طاقت اور اختیار [illegible] ہو۔

(۴) یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (بقرہ)

اللہ تعالیٰ کو تمہارے [illegible] ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور [illegible] ہے، اور تمہارے ساتھ دشوا[illegible]ری منظور نہیں

(۵) وما جعل علیکم فی الدین

اور [illegible] [illegible]م پر دین کے احکام ہیں، کسی قسم

من حرج (الحج) کی تنگی نہیں کی ۔

(۶) یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفاً (نساء) — اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ تخفیف منظور ہے اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

(۷) مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج (مائدہ) — اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں ۔

اس کے علاوہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بعثت بالحنیفیۃ السمحۃ (یعنی میں سیدھی سادی اور آسان شریعت دے کر بھیجا گیا ہوں) ۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عادت شریفہ حدیث میں مذکور ہے کہ :-

ماخیر بین امرین الا اختار ایسرھما مالم یکن اثماً — آپؐ کو جب بھی دو باتوں میں سے کسی ایک بات کا اختیار دیا جاتا تو آپؐ آسان ترین کو اختیار کرتے تاوقتیکہ وہ گناہ نہ ہوتا ۔

اس طرح کی بے شمار آیات اور احادیث عدم الحرج کے اصول کو ثابت کرتی ہیں اسی وجہ سے فقہاءؒ نے اسے شریعت کا ایک بنیادی اصول قرار دیا ہے اور اس سے بہت سے احکام مستنبط کیے ہیں ، اسی اصول کے تحت شریعت نے مختلف حالات میں مختلف سہولتیں عطا فرمائی ہیں، مثلاً "مسافر کے لیے افطار کی اجازت ضرورت کے وقت حرام چیز کا حلال ہو جانا اسی طرح پانی کی عدم موجودگی میں وضوء کی جگہ تیمم کی اجازت اسی اصول پر مبنی ہے ۔"

تکالیف کی کمی[5]

یہ "عدم الحرج" کا ایک لازمی نتیجہ ہے اس لئے کہ تکلیفوں کے زیادہ ہونے میں تنگی ہے اگر تکلیفوں کی کمی نہ ہوتی تو لوگ تنگی میں مبتلا ہو جاتے اس لئے تکالیف کے بارہ میں یہ اصول بنا لیا گیا کہ وہ کم سے کم ہونی چاہئیں ۔

[5] حاشیہ اگلے صفحہ پر ہے ۔

جس شخص کو قرآن کریم سے کچھ مناسبت ہو وہ اس اصول کی صحت کا ضرور قائل ہو جائے گا اس لئے کہ قرآن میں اتنے تکلیفیں کم سے کم نظر آئیں گی اور جتنی ہوں گی ان میں سے ہر ایک کا علم حاصل کرنا بھی آسان ہو گا اور ان پر عمل کرنا بھی اس میں اتنی تفصیلات بھی نہ ہوں گی کہ لوگوں کے واسطے الجھن کا باعث ہوں ۔

اس اصول کی طرف ہمیں مندرجہ ذیل آیت سے رہنمائی ملتی ہے :۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ اِنْ تَسْئَلُوْا عَنْھَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَکُمْ ۔

اے ایمان والو ایسی فضول باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو، اور تم زمانہ نزولِ قرآن میں ان باتوں کو پوچھو تو تم سے ظاہر کر دی جائیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے منع فرمایا ہے جنہیں اللہ نے ابھی تک حرام قرار نہیں دیا، اور فرمایا کہ ہو سکتا ہے تمہارا سوال ان کے حرام ہونے کا سبب بن جائے، اور اگر تم نہ پوچھو تو حسب سابق اس مسئلہ میں کوئی ہدایت نہ آئے اور تمہیں اس کام کے کرنے نہ کرنے کا اختیار رہے ۔

جب حج کا حکم نازل ہوا تو ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حج کرنا ہر سال واجب ہے یا ایک مرتبہ کرنے سے ادا ہو جائے گا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اس وقت "ہاں" کہہ دیتا تو حج ہر شخص پر ہر سال واجب ہو جاتا، پھر فرمایا کہ جن چیزوں کا بیان میں خود نہ کروں اس کے بارہ میں زیادہ سوال نہ کیا کرو، سابقہ امتوں کی تباہی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ سوال[1] زیادہ کیا کرتے تھے۔

"تکلیف" کا مطلب اصطلاح شرع میں کسی چیز کو واجب، جائز یا حرام قرار دینا ہے اس کا اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں اور اسی بنا پر مانع، عاقل شخص کو مکلف کہا جاتا ہے ۱۲ مترجم۔ [1] یعنی سوال زیادہ کرنے پر جب کوئی چیز حرام یا واجب کر دی جاتی تو وہ اس کی پابندی نہ کرتے اور نتیجۂ عذاب نازل ہوتا ۱۲ مترجم۔

اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرتے تھے، ایک اور جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا جرم اس شخص کا ہے جس نے کسی مباح چیز کے بارہ میں سوال کیا اور اس کے سوال کی بنار پر وہ چیز مسلمانوں پر حرام ہوگئی، ایک اور جگہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں تم انہیں ضائع نہ کرو اور کچھ حدود مقرر فرمائے ہیں ان سے تجاوز مت کرو، اور بعض چیزوں کے بارہ میں سکوت اختیار فرمایا ہے جس کی وجہ یہ نہیں کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ اس شے کا حکم بھول گئے ہیں بلکہ اس کی بنیاد صرف شفقت و رحمت ہے اس لئے تم ان چیزوں کی جستجو میں نہ پڑو سنت کے بیان میں ہم اس کی مزید توضیح کریں گے،

تدریج

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور قرآن نازل ہوا تو اہل عرب میں بیشمار عادتیں جڑ پکڑ چکی تھیں، جن میں سے بعض تو ایسی تھیں جن سے زندگی کے مسائل پر کوئی برا اثر مرتب نہیں ہوتا تھا اور بعض وہ تھیں جو ان کے لئے سخت مضر تھیں اور اللہ تعالیٰ انہیں ان عادتوں سے باز رکھنا چاہتے تھے،

اس قسم کی عادات بد چھڑانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تقاضا سے کوئی حکم ایک دم سے نازل نہیں فرمادیا بلکہ اس میں تدریج کا پہلو اختیار فرمایا، یعنی پہلے ان کے ذہن کو آنے والے حکم کے لئے رفتہ رفتہ ہموار کیا اور پھر کوئی حکم نازل فرمایا گیا، مگر یہ سب مصلحت پر مبنی تھا اور غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نعوذ باللہ سابقہ حکم غلط تھا اور جب اس کی غلطی ظاہر ہوئی تو دوسرا حکم نازل کیا گیا۔

ہم اس بات کو ایک مثال سے واضح کریں گے:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب اور قمار کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ حلال ہیں یا حرام؟ اور یہ دونوں چیزیں اہل عرب کے معاشرے میں بری طرح رچ چکی تھیں، جواب میں قرآن نے فرمایا:۔

يسئلونك عن الخمر والميسر قل فيهما اثم كبير ومنافع للناس و اثمهما اكبر من نفعهما ۔

لوگ آپ سے شراب اور قمار کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں (کے استعمال) میں بڑی بڑی گناہ کی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کے لئے (بعضے) فائدے بھی ہیں اور وہ گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں،

اس جواب میں اللہ تعالیٰ نے صراحۃً یہ نہیں فرمایا کہ شراب حرام ہے اسے چھوڑ دو بلکہ صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا کہ اس کے نقصانات منافع کی نسبت سے زیادہ ہیں اگرچہ یہ بات بھی ایک سلیم الفکر انسان کے لیے شراب چھوڑنے کا داعیہ بن سکتی ہے کہ جس فعل کے نقصانات غالب ہوں اسے چھوڑ ہی دینا چاہیے اس لئے کہ کوئی چیز خواہ کتنی ہی بری کیوں نہ ہوں اس میں کوئی نہ کوئی اچھائی کا عنصر بھی ضرور ہوتا ہے کسی فعل کے برے یا اچھے ہونے کا فیصلہ اسی معیار پر کیا جا سکتا ہے کہ اس کے نقصانات زیادہ ہیں یا فائدے؟ تاہم اللہ تعالیٰ نے تصریح کی بجائے شراب کے نقصانات واضح فرما دیئے :۔

پھر حکم نازل ہوا کہ یا ایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ۔ (یعنی اے مومنو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی مت جاؤ) اس حکم نے پہلے حکم کو باطل قرار نہیں دیا بلکہ اس کی مزید تائید کر دی، اس کے بعد صاف صاف لفظوں میں اللہ جل شانہ نے اعلان فرما دیا کہ :۔

یا ایھا الذین امنوا انما الخمر و المیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم

اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعے کے تیر، یہ سب گندی باتیں ہیں، شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ ہو تاکہ تم کو فلاح ہو، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ تمہارے

عن ذکر اللہ وعن الصلاۃ فھل انتم منتھون (المائدہ ۷) آپس میں بغض اور عداوت واقع کرے اور اللہ کی یاد اور نماز سے تم کو باز رکھے پس کیا ہو تم باز رہنے والے ؟

اس تدریج کے اصول سے ایک اور ضمنی اصول بھی نکل آیا اور وہ یہ کہ پہلے احکام اجمالاً بیان کئے جائیں اور بعد میں تفصیلی طور پر، اس اصول کا عمل مکی اور مدنی فقہ کے درمیان موازنہ کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے، اس لیے کہ مکی زندگی میں شاذ و نادر ہی کوئی تفصیلی حکم نازل ہوا ہے اور اس کے برعکس مدنی زندگی میں مکی کی نسبت سے بہت زیادہ تفصیلی احکام نازل ہوئے ہیں، بالخصوص وہ احکام جو تمدنی زندگی سے متعلق ہیں زیادہ تر مدنی دور ہی میں دئے گئے ہیں، مکی دور میں صرف وہ احکام ہیں جو عقیدہ کو شرک کی آلودگی سے محفوظ رکھتے ہیں مثلاً اس ذبیحہ کا حرام ہونا جس پر اللہ کا نام نہ پڑھا گیا ہو،

قرآن کی حجیت

قرآن کریم دین کی عمارت کی بنیاد ہے اور یہی وہ رسی ہے جسے مضبوط پکڑنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دیا ہے۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً و لا تفرقوا (آل عمران) اور مضبوط پکڑے رہو تم اللہ کے سلسلہ کو اور باہم نا اتفاقی مت کرو!

جہاں تک قرآن کی حجیت کا تعلق ہے سو یہ تو وہ مسلمہ مسئلہ ہے جس پر کوئی دلیل و برہان قائم کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن میں کوئی حکم ایسا ہے جس پر عمل کرنا پہلے ضروری تھا اور بعد میں کسی اور حکم نے اس کی جگہ لے لی اور اس پر عمل کرنا ضروری نہیں رہا؟ بالفاظ دیگر کیا قرآن کی کوئی آیت منسوخ ہے؟ یہ سوال خاصی اہمیت کا حامل ہے اور اس کا جواب دینا ضروری نہیں، اس لئے ہم اس مسئلہ کو خوب واضح کر دینا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ

ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے،

نسخ کا مطلب

فقہائے کی اصطلاح میں "نسخ" کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے
(۱) کسی نئی نص کی بنار پر اس حکم کو باطل کر دینا جو کسی سابقہ نص سے ثابت ہوا تھا، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا ۞ — میں نے پہلے تمہیں قبروں پر جانے سے منع کیا تھا، اب سن لو کہ تم قبروں پر جا سکتے ہو،

اس میں پہلی نص نے قبروں پر جانے سے ممانعت کا حکم صادر کیا تھا، دوسری نے اگر اس کی اجازت دے دی۔

(۲) نسخ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ایک حکم پہلے عام تھا اب کسی دوسری نص کے ذریعہ اس کے عموم کو ختم کر دیا جائے یا کوئی حکم پہلے مطلق تھا اب کسی نص کے ذریعہ اس میں کوئی قید لگا دی جائے۔

مثلاً سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا:۔

والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء ۞ — اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو نکاح سے، روکے رکھیں تین حیض تک، ۞

یہ حکم ہر مطلقہ عورت کو شامل تھا کہ جس عورت کو بھی طلاق دی گئی ہو اُسے تین ایام ماہواری گزرنے تک "عدت" میں رہنا چاہیے، اس حکم میں وہ عورت بھی شامل تھی جس کے ساتھ مرد خلوت کر چکا ہو اور وہ بھی جس کے ساتھ خلوت نہ ہوئی ہو، پھر سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا ۞ — جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو اور پھر تم ان کو قبل ہاتھ لگانے کے طلاق دے دو، تو تمہاری ان پر کوئی عدت

نہیں، جس کو تم شمار کرنے لگو،

اس نص نے اگر اس عورت کا حکم پہلے حکم سے جدا کر دیا جس کیساتھ مرد نے خلوت نہ کی ہو، اس طرح اس نے پہلی آیت کے عموم کو ختم کر دیا، ؛

اسی طرح سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا کہ :-

والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ؛

اور جو لوگ (زنا کی) تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں پر اور پھر چار گواہ نہ لا سکیں، تو ایسے لوگوں کو اسّی درے لگاؤ۔

یہ حکم ہر تہمت لگانے والے کے لیے عام تھا شوہر اپنی بیوی پر تہمت لگائے تو وہ بھی اسی حکم کے تحت داخل تھا مگر پھر سورہ نور ہی میں فرمایا کہ :-

والذین یرمون ازواجهم ولم یکن لهم شهداء الا انفسهم فشهادة احدهم اربع شهادات باللہ انه لمن الصادقین ؛

اور جو لوگ اپنی (منکوحہ) بیویوں کو (زنا) کی تہمت لگائیں، اور ان کے پاس بجز اپنے اور کوئی گواہ نہ ہو تو ان کی شہادت یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہدے کہ بے شک میں سچا ہوں،

اس آیت نے پہلی آیت کے عموم کو ختم کر کے تہمت لگانے والے کے لیے ایک مخصوص اور جدا گانہ حکم عنایت فرمایا یعنی پانچ قسموں کو چار گواہوں کے قائم مقام کر دیا اور عورت کے لیے حد زنا سے بچنے کے لئے علیحدہ پانچ قسمیں تجویز فرمائیں،

یہ دو مثالیں تو وہ تھیں جن میں ایک عام حکم کی آیت کو مخصوص کیا گیا تھا، اب ایک مثال ایسی بھی دیکھ لیجئے جس میں مطلق حکم کی آیت کو کسی قید کا پابند کر دیا گیا ہے "اللہ تعالیٰ سورۂ مائدہ میں ارشاد فرماتے ہیں :-

حرمت علیکم المیتة والدم۔ تم پر مردار اور خون حرام کر دیا گیا اس آیت میں "خون" کی حرمت مطلق ہے، خواہ خون بہتا ہوا ہو یا نہ ہو ہر ایک کو شامل ہے پھر سورۂ انعام میں ارشاد فرمایا :-

قل لا اجد فیما اوحی الیّ محرمًا علیٰ طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃً او دمًا مسفوحًا الخ	آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام میرے پاس بذریعہ وحی آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے

لئے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو، یا کہ وہ بہتا ہوا خون ہو الخ

اس آیت نے "خون" کے ساتھ مسفوح یعنی بہنے والے کی قید لگا دی جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف بہنے والا خون حرام ہے۔

نسخ کی اس دوسری قسم کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ یہ قرآن کریم میں موجود ہے، خواہ ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ نزول کے اعتبار سے وہ آیت مقدم ہے جو عام یا مطلق ہے، یا وہ جو خاص یا مقید ہے، اسی طرح بعض اوقات ہمیں اس کا علم بھی نہیں ہوتا کہ آخر میں نازل ہونے والی آیت سابقہ آیت کے فوراً بعد نازل ہو گئی تھی یا کچھ عرصہ کے بعد۔

نسخ کی اس قسم کا نام کیا ہے؟ اس کے بارے میں البتہ علماء میں اختلاف ہو گیا، بعض حضرات نے اسے بھی "نسخ" کا نام دیا ہے اور بعض حضرات اسے "تخصیص العام" یا "تقیید المطلق" کے نام سے یاد کرتے ہیں، ہم اس اختلاف کو زیادہ اہم نہیں سمجھتے جب دونوں کا مقصد اور مفہوم ایک ہی ہے تو اب خواہ کوئی بھی نام رکھ لیا جائے،

اس قسم کے بارے میں خلاصہ کے طور پر اتنی بات کافی ہے کہ قرآن کی جو نص عام ہوتی ہے اسے مکمل طور پر باطل نہیں کیا جاتا بلکہ وہ "تخصیص" آنے کے بعد بھی مستثنیات (EXCEPTIONS) کے سوا دوسری چیزوں میں بدستور[1] کارفرما رہتی ہے اور درحقیقت اس تخصیص کی بنیاد وہی "تدریج" کی حکمت ہوتی ہے، تا اب دین و شریعت کے مکمل ہو جانے کے بعد عام اور خاص آیتوں کی حیثیت

---

[1] مثلاً جب "عدت" کے حکم سے وہ عورت خارج ہو گئی جس کے ساتھ مرد نے خلوت نہ کی ہو تو اس تخصیص کے بعد بھی بقیہ تمام عورتوں پر عدت ضروری رہی ۱۲ مترجم۔

ایک ہی نص کی ہو جاتی ہے جس میں کوئی استثناء (EXCEPTION) پایا جاتا ہو، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی کہیں نشاندہی نہیں فرمائی کہ ان میں سے کونسی آیت پہلے نازل ہوئی اور کونسی بعد میں؟ علماء نے بھی یہ بات جاننا کوئی ضروری نہیں سمجھا، کیونکہ مآل کار یہ دونوں آیتیں ایک ہی آیت کے حکم میں ہیں،

رہی پہلی قسم (یعنی قرآن میں کسی) ایسی آیت کا موجود ہونا جس کا حکم باطل ہو چکا اور اب وہ صرف تلاوت کی جاتی ہو اس پر عمل نہ ہوتا ہو) سو اس کا وجود محلِ نظر ہے اس لئے کہ کسی نئی آیت کا سابقہ آیت کے حکم کو باطل کر دینا دو چیزوں پر موقوف ہے ایک تو یہ کہ نئی آیت بصراحت یہ اعلان کر دے کہ اس نے سابقہ آیت کا حکم باطل کر دیا ہے دوسرے یہ کہ دونوں آیتوں میں اتنا تضاد پایا جاتا ہو کہ دونوں پر بیک وقت عمل کرنا ممکن نہ ہو، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن میں کہیں یہ دونوں باتیں مانی جاتی ہیں یا نہیں؟ اگر ان کا وجود ہو تو ماننا پڑے گا کہ قرآن میں نسخ ہے اور اگر یہ باتیں موجود نہیں تو نسخ کا وجود بھی نہ ہوگا،

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو ہماری نظر میں قرآن کے اندر کہیں یہ بات نہیں کہ اس نے ماقبل کے کسی حکم کو باطل کرنے کا اعلان کیا ہو جو حضرات قرآن میں نسخ کے وجود کے قائل ہیں وہ زیادہ سے زیادہ تین جگہوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں جن میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی آیت نے ماقبل کے حکم کو باطل کر دیا:-

(۱) سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

يا أيها النبي حرض المؤمنين على القتال ان يكن منكم عشرون صٰبرون يغلبوا مائتين و ان يكن منكم مائة يغلبوا ألفا من الذين كفروا بانهم قوم لا يفقهون۔

اے پیغمبرؐ آپ مومنوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم میں سے بیسؔ آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سوؔ بیس آدمی پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں سے (اسی طرح) سوؔ آدمی ہوں گے، تو ایک ہزار کفار پر غالب آجائیں گے، اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو دین کو کچھ نہیں سمجھتے

پھر اس کے فوراً بعد ایک آیت میں ارشاد ہے۔

الئٰن خفف اللہ عنکم وعلم اَنّ فیکم ضعفاً فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع الصّٰبرین ؕ	اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے، سو اگر تم میں کے سو آدمی صبر کرنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں کے ایک ہزار ہوں گے تو دو ہزار

پر اللہ کے حکم سے غالب آجائیں گے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں

اگرچہ بظاہر یہ آیتیں ایک خبر معلوم ہوتی ہیں کہ کم مسلمان زیادہ کفار پر غالب آجائیں گے مگر در حقیقت یہ حکم ہے کہ اتنے مسلمان اتنے کافروں سے مغلوب ہو کر نہ بھاگیں، اس لیے کہ اسی سورت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

یاآیھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا ؕ	اے ایمان والو! جب تم کو کسی جماعت سے (جہاد میں) مقابلہ کا اتفاق ہو تو

ثابت قدم رہو۔

اس آیت میں تو بغیر کسی تحدید کے ہر حال میں ثابت قدمی کو ضروری قرار دیا گیا ہے مگر پہلی دو آیتوں میں ایک خاص عدد کی تعین کر دی گئی ہے کہ اتنے کفار سے مغلوب ہو کر فرار اختیار کرنا جائز نہیں، چنانچہ پہلی آیت میں تو یہ حد مقرر کی گئی ہے کہ جب اپنے سے دس گنا زائد یا اس سے کم کفار ہوں تو فرار اختیار کرنا جائز نہیں، اور یہ بات "حکم" کی صورت میں نہیں کہی گئی بلکہ اس میں "خبر" کا انداز اختیار کیا گیا ہے تاکہ ان میں جوش اور غیرت پیدا ہو۔

پھر دوسری آیت آئی جس نے اعلان کر دیا کہ اللہ نے تمہارے ضعف کو دیکھ کر اب تخفیف کر دی ہے مقصد یہ ہے کہ پہلے تم میں ضعف نہ تھا اب ضعف پیدا ہو گیا تو تخفیف بھی کر دی گئی اور اگر پہلے ضعف ہوتا تو سابقہ حکم نازل کیا نہ جاتا لیکن اگر اسے نسخ کہنے کی بجائے یہ کہہ دیا جائے تو ہماری نظر میں بے جا نہ ہو

گا کہ دراصل دوسری آیت پہلے حکم کے لیے ناسخ نہیں بلکہ ضعف کے عارض کی بناء پر اس میں ایک تخفیف پیدا کر رہی ہے اور اگر یہ عارض زائل ہو جائے تو اصل حکم بدستور برقرار رہے گا اور اگر لوگوں میں پھر سے یہ ہی قوت پیدا ہو جائے تو پھر وہی حکم لوٹ آئے گا اگر دس گنے سے کم ہوں تو راہ فرار اختیار کرنا جائز نہ ہو گا،

اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ پہلی آیت میں (جس میں دس گنے کفار سے نہ بھاگنے کا حکم دیا گیا ہے) عشرون کے ساتھ صابرون کی قید لگی ہوئی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بیس "صبر" کرنے والے" مسلمان ہوں تو وہ دو سو کفار کے سامنے مغلوب نہ ہوں، گویا جب تک صبر کی صفت موجود ہو اس وقت تک پہلے حکم کا عمل رہے گا اور صبر نہ ہو تو دوسرا حکم موجود ہے اور قوت صبر کے لوازم میں سے ہے،

ہماری نظر میں یہ بات بہت بعید ہے کہ دوسری آیت کا حکم ہر حال کو شامل ہے خواہ ضعف ہو یا نہ ہو یہی حکم رہے گا، اس اعتبار سے دوسری آیت کو منسوخ نہیں کہا جائے گا،

(۲) سورۂ مزمل میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔

یا ایھا المزمل قم اللیل الا قلیلاً نصفہ او انقص منہ قلیلاً اوزد علیہ ورتل القرآن ترتیلاً انا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً ان ناشئۃ اللیل ھی اشد وطاءً واقوم قیلاً ان لک فی النھار سبحاً طویلاً ؕ	اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا اس سے بھی کچھ کم کردو یا نصف سے کچھ بڑھا دو، اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو، (ایک ایک حرف الگ الگ ہو) ہم تم پر ایک بھاری کلام

ڈالنے کو ہیں (مراد قرآن ہے) بیشک رات کے اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے بیشک آپ کو دن بھر بہت کام رہتا ہے،

پھر اسی سورت کے آخر میں ارشاد ہے :۔

ان ربك يعلم انك تقوم ادنیٰ من ثلثی اللیل ونصفهٗ وثلثهٗ وطآئفةٌ من الذین معك، واللہ یقدر اللیل والنهار علم ان لن تحصوه فتاب علیکم، فاقرءوا ما تیسر من القرآن علم ان سیکون منکم مرضیٰ وآخرون یضربون فی الارض یبتغون ٭ سبیل اللہ فاقرءوا ما تیسر منه واقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ ؛ (سورۂ مزمل)

آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے بعضے آدمی (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور کبھی تہائی رات (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں اور رات اور دن کا پورا اندازہ اللہ ہی کر سکتا ہے اس سے معلوم ہے کہ تم اس (تقدیر وقت) کو ضبط نہیں کر سکتے تو (صرف وجوہ سے) اس سے تمہارے حال پر عنایت کی سو اب، تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو اس کو (یہ بھی) معلوم ہے کہ بعضے آدمی تم میں بیمار ہوں گے اور بعضے تلاش معاش کے لیے ملک میں سفر کریں گے اور بعضے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (اس لئے بھی اس حکم کو منسوخ کر دیا) سو (اس لئے بھی تم کو اجازت ہے کہ اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو اور نماز (فرض) کی پابندی رکھا کرو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو ؛

ان میں پہلی آیت صراحت کے ساتھ یہ حکم دے رہی ہے کہ رات کو تہجد کی نماز پڑھنا ضروری ہے اور وہ آدھی رات کے قریب قریب مقدار میں ہونا چاہیئے ، اس آیت میں براہِ راست خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ؛

دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ اصحابہؓ کی ایک بڑی جماعت بھی اس حکم کی تعمیل میں رات کو تہجد پڑھا کرتی تھی پھر اسی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اب ایک سبب پیدا ہو گیا جس کا تقاضا ہے کہ پہلے حکم میں تخفیف کی جائے اور وہ کہ یہ ان (صحابہ) میں سے بعض حضرات وہ بھی

٭ من فضل اللہ وآخرون یقاتلون فی ٭

ہوں گے جو بیمار ہیں بعض مسافر ہوں گے اور بعض جہاد میں مصروف ہوں گے اس لئے اب حکم اتنا آسان کر دیا گیا کہ قرآن کریم میں سے جتنا حصّہ بہ آسانی پڑھ سکیں اتنا پڑھ لیں۔"

لیکن در حقیقت یہاں بھی دوسری آیت نسخ نہیں کر رہی، بلکہ دراصل پہلا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا، آپؐ ہی پر تہجد واجب کیا گیا تھا، صحابہؓ نے محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں تہجد پڑھنا شروع کر دیا تھا، اس لیے یہ تخفیف بھی انہی کے لیے تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت کے نزول کے بعد بھی وہی حکم باقی رہا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہی رائے ہے اور اس کے مطابق نسخ لازم نہیں آتا، نسخ تو اس وقت لازم آتا جب دوسری آیت عمومی طور سے ہر ایک کے لئے تخفیف کرتی، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں لہٰذا اس سے بھی نسخ کا وجود ثابت نہیں ہوتا،

(۳) سورۂ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

اے ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی (کرنے کا ارادہ) کیا کرو تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے (مساکین کو) کچھ خیرات دے دیا کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور (گناہوں سے) پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے پھر اگر تم کو (صدقہ دینے کی) مقدور نہ ہو تو اللہ غفور رحیم ہے۔"

پھر اسی سورت میں ارشاد ہے:۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

کیا تم اپنی سرگوشی سے قبل خیرات دینے سے ڈر گئے سو جب، جب تم (اس کو) نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی تو تم نماز کے پابند رہو

اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور رسول کا کہا مانا کرو،

ان میں سے پہلی آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خفیہ مشورہ کے لیے کچھ صدقہ کو واجب کرتی ہے، اور دوسری آیت اس وجوب کو ختم کر رہی ہے مگر اس میں نسخ کی تصریح نہیں اس لیے اس سے بھی نسخ کا حتمی وجود ثابت نہیں ہوتا،

رہا نسخ کا دوسرا طریقہ کہ چونکہ دو نصوص باہم اس درجہ متضاد ہیں کہ ان میں سے ایک کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ قرار دئے بغیر چارہ نہیں، تو ہمیں ایسی کوئی صورت بھی قرآن میں نہیں نظر آتی جس پر اس طرح نسخ کا حکم لگائے جائیے،

ہم نے اپنی کتاب "اصول الفقہ" میں اس مسئلہ پر مزید تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے، ان تمام آیتوں کو پیش کر کے جن میں نسخ کا احتمال ہو سکتا ہے ان علماء کی جانب سے جواب دیا ہے جو نسخ کے قائل نہیں۔

علماء سلف میں سے علامہ ابو مسلم اصفہانی رحمہ جو بڑے درجہ کے مفسرین میں سے ہیں اسی بات کے قائل تھے کہ قرآن میں نسخ نہیں، ان کے اقوال ہم پر امام رازی کی تفسیر میں نظر سے گزرے ہیں، امام رازی کے انداز سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں ابو مسلم کی رائے کی جانب مائل ہیں،

طلب اور تخییر کے مسائل میں قرآن کا انداز بیان

لوگوں سے کسی چیز کو طلب کرنے یا انہیں کسی مسئلہ میں خود مختار بنانے کے لئے قرآن نے کسی ایک انداز اور اسلوب کا التزام نہیں کیا، بلکہ مختلف اور متنوع انداز بیان سے وہ طلب اور تخییر کے احکام صادر کرتا ہے، ہمیں قارئین کے سامنے ان تمام اسالیب کو بیان کر دینا سود مند معلوم ہوتا ہے،

طلب کے انداز

قرآن نے کسی بات کو طلب کرنے کے لیے مختلف انداز اور اسالیب استعمال کیے ہیں :-

(۱) امر صریح، جیسے سورہ نحل میں فرمایا :-

ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ ؁ — بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں

اور سورۂ نساء میں ارشاد ہے :۔

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا واذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل ؁ — بیشک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو اور یہ کہ جب تم لوگوں کا تصفیہ کیا کرو تو عدل سے تصفیہ کیا کرو،

(۲) کہیں اسباب کی خبر دے کر حکم لازم کیا گیا ہے کہ فلاں کام تم پر فرض کیا جا چکا ہے، مثلاً سورہ بقرہ میں ہے،

کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ ؁ — تم پر (قانون) قصاص فرض کیا جاتا ہے

(اور)

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترك خیراً ن الوصیة ؁ — تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو والدین اور اقارب کے لیے معقول طور پر (کہ مجموعہ ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو) کچھ کچھ بتلا جاوے (اس کا نام وصیت ہے)۔

کتب علیکم الصیام (اور) — تم پر روزہ فرض کیا گیا۔

و رھبانیة ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم ؁ (اور) — اور انہوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا ہم نے ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا۔

کتاب اللہ علیکم (اور) ان الصلوٰة کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً ؁ — اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے۔

(۳) کہیں اسباب کی خبر دی گئی ہے کہ فلاں فعل تمام لوگوں پر یا کچھ مخصوص

لوگوں پر واجب ہے، مثلاً

(ا) وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً ؛

اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے (یعنی) اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک کی سبیل کی۔

(ب) وعلی المولود لہٗ رزقھن و کسوتھن بالمعروف ؛

اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے ان (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق

(ج) وعلی الوارث مثل ذلك

اور مثل طریق مذکور کے اس کے ذمہ ہے جو وارث ہو اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں

(د) وللمطلقات متاع بالمعروف حقاً علی المتقین ؛

کے لیے کچھ فائدہ پہنچانا قاعدہ کے موافق (یہ) مقرر ہوا ہے ان پر جو (شرک وکفر سے) پرہیز کرتے ہیں۔

(۴) کہیں یہ انداز اختیار کیا ہے کہ جن لوگوں پر کسی فعل کو واجب قرار دینا ہے ان کے بارے میں یہ خبر دے دی گئی ہے کہ وہ لوگ یہ کام کرتے ہیں، اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ انہیں یہ کام کرنا چاہیئے مثلاً :۔

والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروءٍ

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض تک

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشراً (سورۂ بقرہ)

اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ) سے روکے چار مہینے اور دس دن۔

یہ اسلوب کبھی تو طلب کو مؤکد کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے جس کی مثال اوپر گذری، اور کبھی مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنا ضروری نہیں چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے :۔

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ ؛	اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں یہ بات اس کے لیے ہے جو کوئی شیر خوار گی کی تکمیل کرنا چاہے۔

دیکھئے یہاں دو سال تک بچے کو دودھ پلانا ضروری نہیں، کسی وجہ سے اگر صرف ایک سال دودھ پلایا جائے تو کوئی گناہ نہیں :۔

(۵) کہیں "امر" کے صیغہ سے فعل کو واجب کیا گیا ہے مثلاً :۔

حافظوا علی الصلوات و الصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین (اور)	محافظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کی (خصوصاً) اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے۔
ثم لیقضوا تفثھم ولیوفوا نذورھم ولیطوفوا بالبیت العتیق ؛ (حج)	پھر لوگوں کو چاہیے کہ اپنا میل کچیل دور کر دیں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور ان ہی ایام معلومات میں اس مامون گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا طواف کریں۔

(۶) کہیں "فرض" کا لفظ استعمال کر کے فعل کو واجب کیا گیا ہے مثلاً :۔

قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم (احزاب)	ہم کو وہ احکام معلوم ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیبیوں اور لونڈی کے بارے میں مقرر کئے ہیں۔

(۷) کبھی مطلوب فعل کو کسی شرط کی جزار بنا کر ذکر کر دیا گیا ہے، مگر یہ طریقہ عام نہیں

فان احصرتم فما استیسر من الھدی فمن کان منکم مریضاً او بہ اذی من راسہ ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک (بقرہ)	پھر اگر کسی دشمن یا مرض کے سبب) روک دیئے جاؤ تو قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو (ذبح کرے) البتہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو جس سے پہلے ہی سر منڈوانے کی ضرورت

پڑجائے) تو (وہ سر منڈوا کر) فدیہ (یعنی اس کا شرعی) دیدے (تین) روزہ سے یا (چھ مسکین کو) خیرات دے دے یا (ایک بکری) ذبح کردینے سے۔ اور

وان کان ذو عسرة فنظرة الیٰ میسرة (بقرہ)	اور اگر تنگدست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے آسودگی تک۔

(۸) کہیں کسی فعل کے لیے لفظ "خیر" استعمال کیا گیا ہے:۔

ویسئلونک عن الیتامیٰ قل اصلاح لھم خیر (بقرہ)	اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے:۔

(۹) کہیں کسی فعل کے صلہ میں کسی وعدے کا ذکر ہے:۔

من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضاعفہ لہ اضعافاً کثیرة (بقرہ)	کوئی شخص ہے (ایسا) جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا پھر اللہ تعالیٰ اس (کے ثواب) کو بڑھا کر بہت سے حصے کر دیوے۔

(۱۰) کہیں کسی فعل کو نیکی قرار دیا گیا ہے یا نیکی کی طرف پہنچانے والا قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً

ولکن البر من آمن باللہ الخ (بقرہ)	لیکن (اصلی) کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے۔
❊ ❊ ❊	
ولکن البر من اتقیٰ (بقرہ)	ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام (چیزوں) سے بچے۔
❊ ❊ ❊	
لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون ۰	تم خیر (کامل) کو کبھی حاصل نہ کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے۔

ممانعت کے انداز

اسی طرح کسی فعل سے روکنے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف اسلوب اختیار فرمائے ہیں،

(۱) نہی صریح، مثلاً:۔

وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی (نحل) — اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں۔

انما ینھٰکم اللہ عن الّذین قاتلوکم فی الدّین واخرجوکم من دیارکم وظٰھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم (ممتحنہ) — صرف ان لوگوں سے دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں۔ (خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالو ہو اور اگر نکالا بھی نہ ہو (لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی مدد کی ہو۔

(۲) صریح طور پر حرام قرار دیا گیا ہے مثلاً:۔

انما حرّم ربی الفواحش ما ظھر منھا وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ ما لم ینزّل بہٖ سلطٰنًا وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون (اعراف) — آپ فرمایئے کہ البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے تمام فحش باتوں کو ان میں جو علانیہ ہیں وہ بھی اور ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھیراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات رکھو جس کی تم سند نہ رکھو۔

قل تعالوا اتل ما حرّم ربّکم علیکم (انعام) — آپ (ان سے) کہیے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جس کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے۔

وحرّم ذٰلک علی المؤمنین (نور) — اور یہ (یعنی ایسا نکاح) مسلمانوں پر حرام (اور موجب گناہ) کیا گیا ہے۔

(۳) کہیں کسی چیز کے بارہ میں یہ حکم صادر فرمایا گیا ہے کہ یہ حلال نہیں مثلاً

لا یحلّ لکم ان ترثوا النّساء (النساء) — تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے جبراً مالک ہو جاؤ اور تمہارے لیے

ولا یحلّ لکم ان تاخذوا ممّا

اٰتیتموھن شیئًا الّا ان یخافا الّا یقیما حدود اللّٰہ (بقرہ)

یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی ہو (گو) اس میں سے (سہی) جو تم نے ان کو (مہر میں دیا تھا) مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ کر سکیں گے سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس (مال کے لینے دینے) میں :

ولا یحل لھن ان یکتمن ما خلق اللّٰہ فی ارحامھن (بقرہ)

اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم پیدا کیا ہو (خواہ حمل یا حیض) اس کو پوشیدہ کریں۔

(۴) کہیں "نہی" کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، مثلاً کہا گیا کہ ایسا نہ کرو یا کسی فعل کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے "اسے چھوڑ دو" مثلاً :۔

ولا تقربوا مال الیتیم الّا بالتی ھی احسن (انعام)

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر (ایسے طریقہ سے) جو کہ مستحسن ہے۔

وذروا ظاھر الاثم وباطنہ (انعام)

اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو۔

ودع اذاھم (احزاب)

اور ان کی طرف سے جو ایذا پہنچے اس کا خیال نہ کیجئے :

(۵) کہیں کسی فعل نیکی کے خلاف قرار دیا گیا ہے جیسے :۔

لیس البرّ ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب (بقرہ)

کچھ سارا کمال اسی میں نہیں (آگیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو۔

ولیس البرّ بان تاتوا البیوت من ظھورھا۔ (بقرہ)

اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو۔

(۶) کہیں کسی فعل کی نفی کر دی گئی ہے اور مقصود نہی ہے :۔

فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظّالمین (بقرہ) — اور اگر وہ لوگ (کفر سے) باز آجائیں تو سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی بجز بے انصافی کرنے والوں کے۔

فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (بقرہ) — سو جو شخص ان میں حج مقرر کرے تو پھر اس کو نہ کوئی فحش بات (جائز ہے) اور نہ کوئی بے حکمی (درست ہے) اور نہ کسی قسم کا نزاع جائز ہے۔

لا تضار والدۃ بولدھا ولا مولود لہ بولدہ (بقرہ) — کسی ماں کو تکلیف نہ چاہیے پہنچانا اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہیے اس کے بچہ کی وجہ سے۔

(۷) کہیں کسی فعل کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس کے کرنے سے گناہ ہوگا جیسے

فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ (بقرہ) — پھر جو شخص اس (وصیت) کے سن لینے کے بعد اس کو تبدیل کرے گا تو اس کا گناہ ان ہی لوگوں کو ہوگا جو اس کو تبدیل کریں گے۔

(۸) کہیں کسی فعل پر کوئی دھمکی دی گئی ہے مثلاً:۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم (توبہ) — اور (غایت حرص سے) جو لوگ سونا چاندی جمع کر کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔

الذین یأکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن من المس (بقرہ) — اور جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنا دے لپٹ کر (یعنی حیران و مدہوش)۔

(۹) کہیں کسی فعل کو "شر" قرار دیا گیا ہے مثلاً:۔

ولا یحسبن الذین یبخلون بما اٰتاھم اللہ من فضلہٖ ھو خیراً لھم بل ھو شر لھم (آل عمران)

اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات کچھ ان کے لیے اچھی نہ ہو گی بلکہ یہ بات ان کی بہت ہی بری ہے۔

تخییر کے انداز

کسی کام میں بندے کو اختیار دینے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف اسالیب استعمال فرماتے ہیں:۔

(۱) کہیں "فعل" یا اس سے متعلق کسی چیز کو حلال قرار دیا گیا ہے مثلاً:۔

اُحلت لکم بھیمۃ الانعام (مائدہ)

تمہارے لیے چوپائے جو مشابہ انعام (یعنی اونٹ بکری گائے) کے ہوں حلال کئے گئے ہیں۔

(ب) یسئلونک ماذا اُحل لھم قل اُحل لکم الطیبات وما علمتم من الجوارح مکلبین ...الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اُوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم:

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانور ان کے لیے حلال کیے گئے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ تمہارے لیے کل حلال جانور حلال رکھے ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو چھوڑو بھی۔ آج تمہارے لیے حلال چیزیں حلال رکھی گئیں اور جو لوگ کتاب دیے گئے ہیں ان کا ذبیحہ ان کو حلال ہے۔

(۲) کہیں یہ فرمایا گیا کہ ایسا کرنے میں کوئی گناہ نہیں اس کے لیے "اثم" کا لفظ استعمال فرمایا گیا۔

فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ:

پھر بھی جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بے تاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ (قدر حاجت سے) تجاوز کرنے والا ہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا

فمن تعجّل فی یومین فلا اثم علیه ومن تاخّر فلا اثم علیه لمن اتّقیٰ ؛

پھر جو شخص دو دن میں (مکہ واپس آنے میں) تعجیل کرے اس پر کچھ بھی گناہ نہیں اور جو شخص دو دن میں تاخیر کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اس شخص کے واسطے جو (خدا سے) ڈرے

فمن خاف من موصٍ جنفاً او اثماً فاصلح بینهم فلا اثم علیه ؛

ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی بد عنوانی کی یا کسی جرم کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو۔ پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں

(۳) کہیں گناہ کی نفی کی گئی اور اس کے لیے "جناح" کا لفظ استعمال ہوا :۔

لیس علی الّذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت جناح فی ما طعموا اذا ما اتقوا و اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت ثم اتقوا و اٰمنوا ثم اتقوا و احسنوا (مائدہ)

ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جب کہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں۔

لیس علیکم ولا علیهم جناح بعدهنّ (نور)

ان اوقات کے سواء تم پر کوئی الزام ہے اور نہ بلا اجازت چلے آنے میں ان پر کچھ الزام ہے۔

انّ الصّفا والمروة من شعآئر الله فمن حجّ البیت او اعتمر فلا جناح علیه ان یطّوّف بهما ؛

صفا اور مروہ منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں سو جو شخص حج کرے بیت اللہ کا یا (اس کا) عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں ان دونوں کے درمیان آمد و رفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہے)

قرآن میں کس قسم کے احکام ہیں؟

قرآن کریم میں بندوں کو مختلف قسم کے احکام کا مکلف کیا گیا ہے۔

(۱) پہلی قسم کے احکام تو وہ ہیں جو عبادات سے متعلق ہیں جو عبادات سے متعلق ہیں، یہ براہِ راست اللہ اور بندے کا معاملہ ہے، ان کے صحیح ہونے کے لیے نیت بھی ضروری ہے،

پھر ان عبادات کی بھی تین قسمیں ہو جاتی ہیں، ایک تو وہ جو خالص عبادت ہیں مثلاً نماز اور روزہ، دوسری وہ عبادت جو مالی بھی ہے اور اجتماعی بھی، یہ زکوٰۃ ہے، تیسری وہ جو بدنی ہے اور اجتماعی ہے، یہ حج ہے، یہ ان چار عبادتوں کو ایمان کے بعد اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔

(۲) دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جو انسانوں کے باہمی معاملات سے متعلق ہیں ان کی بھی کئی قسمیں ہیں،

(الف) وہ احکام و قوانین جو دعوتِ اسلام کے تحفظ سے متعلق ہیں یعنی جہاد کے احکام

(ب) خاندانی احکام، جو نکاح، طلاق نسب اور وراثت پر مشتمل ہیں۔

(ج) وہ احکام جن میں لوگوں کے باہمی معاملات سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔ مثلاً خرید و فروخت اجارہ وغیرہ اسی قسم کو اصطلاح میں معاملات کہتے ہیں۔

(د) تعزیزی احکام، جن میں قصاص اور حدود کے احکام شامل ہیں، ان کی تفصیل ہم بعد میں بیان کریں گے،

حدیث

حدیث سے ہماری مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور تقریر[1]

---

[1] تقریر کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے کوئی کام کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی مگر آپؐ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی ۱۲ مترجم۔

ہے۔ اسبات میں کسی مسلمان کو شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک (مائدہ) — اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے۔

اور آپؐ ہی قرآن کے معانی مراد کی تشریح وتوضیح فرمانے والے ہیں جیساکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون (نحل) — اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں پر پاس بھیجے گئے ہیں ان کو آپ ان سے ظاہر کردیں اور تاکہ وہ ان میں، فکر کیا کریں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تشریح کبھی صرف قول سے فرماتے، کبھی صرف فعل سے اور کبھی دونوں سے، جب کہ ایک مرتبہ آپ نے نماز پڑھی اور پھر فرمایا۔

صلوا کما رأیتمونی اصلی — اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

ایک اور موقعہ پر آپؐ نے حج کیا اور ارشاد فرمایا:۔

خذوا عنی مناسککم — مجھ سے اپنے حج کے احکام حاصل کرو

اس سے واضح ہو گیا کہ حدیث قرآن کریم کی شرح وتفسیر ہے جو قرآن کے مجمل احکام کو واضح کرتی ہے اور بعض اوقات جو بات قرآن میں مطلق ہوتی ہے اس کی تقیید کردیتی ہے اور جو بات قرآن میں مشکل ہوتی ہے اس کی تشریح وتوضیح کردیتی ہے،

اس بات کو ذہن میں رکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ حدیث کا کوئی حکم ایسا

نہیں جس پر قرآن میں اجمالی طور پر یا تفصیلی طور پر کوئی دلالت موجود نہ ہو، یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات یہ دلالت بہت عام اور ہمہ گیر ہوتی ہے۔ مثلاً وہ آیات جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وما اتاکم الرسول فخذوہ و ما نھاکم عنہ فانتھوا (حشر)

اور رسول تم کو جو کچھ دیا کریں وہ لے لیا کرو جس چیز کے لینے سے تم کو روک دیں (اور بعموم الفاظ یہی حکم ہے افعال اور احکام میں بھی) تم رُک جایا کرو۔

اور یہ ارشاد:۔

فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما ؁ (نساء)

پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرادیں پھر اس آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورے طور پر تسلیم کرلیں۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین[1] ؁ (آل عمران)

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑی عنایت فرمانے والے ہیں (اور آپ یہ بھی) فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو

[1] ان تمام آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے باقی بر صفحہ آئندہ

اللہ کی اور اس کے رسول کی پھر (اس پر بھی)، اگر وہ لوگ اعراض کریں سو دشمن رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے۔

اور بعض آیات ایسی ہیں جن میں کوئی حکم مجملاً بیان کیا گیا ہے اس کی پوری کیفیت اس کے اسباب و شرائط اور موانع وغیرہ کا تفصیلی ذکر نہیں کیا گیا، احادیث نے اس اجمال کی توضیح کرتے ہوئے مذکورہ تمام چیزوں کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا۔

اور بعض مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ قرآن کریم نے کوئی حکم بیان فرمایا، پھر آپ نے ایک اور مسئلہ میں وہی علت دیکھ کر اسے پہلے مسئلہ پر قیاس فرمایا اور اسکو بھی وہی حکم عطا کیا جو پہلے کو تھا، ہم ہر ایک صورت کی مثالیں دیں گے۔

رفع اجمال کی مثالیں

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن میں طیبات یعنی پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیا اور خبائث یعنی گندی چیزوں کو حرام فرمایا ان دونوں کے درمیان بہت سے امور مشتبہ تھے کہ کس چیز کو پاکیزہ اور کسے گندی قرار دیا جائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ہر درندہ جانور جس کے "کیلا" دانت ہو وہ حرام ہے، اور ہر وہ پرندہ حرام ہے جو پنجوں سے شکار کرتا ہو، اسی طرح آپ نے شہری گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان چیزوں کو "خبائث" میں سے قرار دیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے مشروبات میں سے وہ تمام چیزیں حلال قرار دی ہیں جو نشہ آور نہ ہوں، اور ہر نشہ آور مشروب کو حرام قرار دیا ہے، اب ایک ایسی چیز سامنے آتی ہے جو حقیقۃً نشہ آور نہیں لیکن ان سے نشہ پیدا ہو سکتا ہے مثلاً دبا، مزفت اور نقیر کی نبیذ (یہ سب برتنوں کے نام ہیں جس میں ایک سرور انگیز قسم کی شراب تیار کی جاتی تھی۔)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی نشہ آور اشیاء میں شامل فرما کر انہیں

جس کی صورت صرف یہ ہے کہ حدیث کو واجب العمل قرار دے کر اس پر عمل کیا جائے ۱۲ مترجم

استعمال کرنے سے منع فرمایا، تاکہ شراب نوشی کا مکمل سدِ باب ہو جائے، پھر کچھ عرصہ کے بعد پھر جب لوگوں سے شراب کی عادت اچھی طرح چھوٹ گئی تو آپؐ نے اصل حقیقت کی طرف رجوع فرمایا کہ تمام اشیاء میں اصل یہی ہے کہ وہ مباح ہوں چنانچہ فرمایا :-

کنت نھیتکم عن الانتباذ فالآن فانتبذوا وکل مسکر حرام ؏

میں نے تمہیں نبیذ بنانے سے روکا تھا اب تم نبیذ بنا سکتے ہو اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے سیدھائے ہوئے کتے کے کئے ہوئے شکار کو حلال قرار دیا ہے اور اس نے شکار اپنے مالک کے لئے کیا ہو اپنے لئے نہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدھائے ہوئے کتے کا شکار تو حلال ہے لیکن جو کتا سیدھایا نہ ہوا ہو اس کا مارا ہوا شکار حلال نہیں اب یہ سوال پیدا ہو گیا کہ اگر کوئی کتا سیدھایا ہوا تو ہے مگر اس نے شکار کا کچھ حصہ خود بھی کھا لیا ہے، تو اس کے سیدھائے ہوئے ہونے کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس نے اپنے مالک ہی کے لئے شکار کیا ہو لیکن چونکہ اس نے کچھ حصہ خود بھی کھا لیا ہے اس لیے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے یہ شکار اپنے لئے کیا ہو گا اس مشکل کو حل کرنے کے لیے حدیث نے ارشاد فرمایا کہ اگر کتے نے کچھ حصہ کھا لیا ہو تو تم بقیہ حصہ نہ کھاؤ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس نے یہ شکار اپنے لیے نہ کیا ہو گا

(۴)، اللہ تعالیٰ نے حالتِ احرام میں ہر شکار مارنے کو ناجائز قرار دیا ہے اور جو شخص جان بوجھ کر ایسا کرے اس پر ایک خاص سزا مقرر کی ہے، لیکن ایک مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ اگر کسی شخص نے حالتِ احرام میں غلطی سے شکار کر لیا تو اس کا کیا حکم ہو گا؟ اسے بیان کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث آئی جس سے معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں دونوں صورتوں میں جزاء واجب ہو گی خواہ وہ قتل جان بوجھ کر ہوا ہو یا غلطی سے،

اسی طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جن میں سے بہت سی مثالیں آئندہ بھی

آپ کے سامنے آئیں گی،

قیاس کی صورت

قیاس کی صورت یہ ہے کہ قرآن کریم بعض اوقات ایسے اصول بیان فرماتا ہے جن سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جو صورتیں اس جیسی ہوں گی ان کا حکم بھی یہی ہوگا، اور جو بات اس کے اطلاق سے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہوتی ہے کہ بعض مقیّد صورتیں بھی اسی جیسی ہیں، اس طرح قرآن کریم حدیث کی توضیح پر اعتماد کر کے کوئی اصل بیان فرما دیتا ہے اس کی فروع کو چھوڑ دیتا ہے، یہ مقیس علیہ (یعنی اصل) اگرچہ خاص ہوتی ہے لیکن معنی کے لحاظ سے عام ہوتی ہے، ایسی حالت میں اگر ہمیں قرآن میں کوئی اصل ملے اور حدیث میں بھی کوئی اس جیسا حکم آیا ہو تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ قرآن کی مراد بھی یہی معنی ہیں خواہ اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد قرار دیا جائے یا وحی بہر حال ہمارے خیال میں یہ صورت مقیس اور مقیس علیہ کے قائم مقام ہے، اس کی متعدد مثالیں ہیں:۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے "سود" کو حرام قرار دیا، جاہلیت میں تو سود کی صورت یہ تھی کہ قرض خواہ مقروض سے کہتا تھا کہ یا تو میرا قرض ادا کر دو ورنہ میں سود کی رقم میں اور اضافہ کر دوں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

ربا الجاھلیۃ موضوع : جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا۔

پھر چونکہ اس سود کے حرام ہونے کی وجہ یہ تھی کہ جو سود کی رقم قرض خواہ زیادہ کرتا تھا وہ بغیر عوض کے رہ جاتی تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر وہ زیادتی جو اس قسم کی ہو وہ ناجائز ہے چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے۔

الذھب بالذھب والفضۃ	سونے کو سونے کے عوض چاندی کو
بالفضۃ والبر بالبر والشعیر	چاندی کے عوض گندم کو گندم کے عوض
بالشعیر والتمر بالتمر والملح	جَو کو جَو کے عوض کھجور کو کھجور کے عوض
بالملح مثلاً بمثل یداً بید	اور نمک کو نمک کے عوض فروخت
فمن زاد أو ازداد فقد اربیٰ	کرنا ہو تو برابر سرابر اور ہاتھ در ہاتھ

فاذا اختلفت هذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یداً بید ؂

فروخت کرو جو زیادتی کرے گا وہ سود کا مرتکب ہوگا اور اگر ان اجناس عہ کو ایک دوسرے کے عوض فروخت کرنا ہو تو جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ معاملہ دست بدست ہو۔

انہیں آپ نے اس صورت کو بھی "ربوا" میں داخل فرمایا ہے کہ اجناس مختلف ہوں، معاملہ دست بدست نہ ہو قرض ہو اور پھر اس میں زیادتی کی جائے (مثلاً ایک سیر گندم، دو سیر قرض جو کے عوض بیچا جائے) اس صورت میں حکم کے لحاظ سے وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک چیز کی زیادتی قرض کے عوض کی جارہی ہے اس صورت میں حکم کے لحاظ سے وہ بیع سلف عہ بھی داخل ہے جس سے اس قسم کا فائدہ حاصل کیا جائے کیونکہ دو مشابہ اجناس کے فوائد چونکہ قریب قریب برابر ہیں اس لئے ان دونوں کی بیع بھی اسی کی قسم ہے جیسے دو ہم جنس چیزوں کا تبادلہ اس لئے اگر اس میں زیادتی کی جائے تو وہ بلا معاوضہ قرار پائے گی جو از روئے شریعت ممنوع ہے کیونکہ جو دو چیزیں ایک دوسرے کے معاوضہ میں دی جاتی ہیں ان میں کسی عوض کے لئے عادۃً مدت اس لئے مقرر کی جاتی ہے کہ قیمت میں اضافہ کیا جائے، اس لئے کہ ایک موجودہ مال غیر موجود مال کے عوض صرف اسی لالچ میں دیا جاسکتا ہے کہ آئندہ ملنے والا مال قیمت کے اعتبار سے زیادہ ہوگا۔ یہی زیادتی ہے

اب یہاں صرف ایک سوال رہ جاتا ہے کہ اس زیادتی کا لین دین صرف نقد (سونا چاندی) اور کھانے کی چیزوں میں کیوں حرام ہے؟ کپڑوں وغیرہ میں کیوں حرام اور ناجائز نہیں؟ اس سوال کا جواب اس قدر دقیق ہے کہ مجتہدین پر بھی پوشیدہ رہا کھانے اور کپڑے کا فرق اس قدر باریک تھا کہ حدیث نے اسے خود بیان فرمایا اگر یہ مجتہدین کی سمجھ میں آسکتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خود بیان فرمانے

عہ مثلاً نمک کو کھجور کے بدلے، گندم کو جو کے عوض فروخت کیا جائے تو برابر برابر کی قید نہیں صرف دست بدست ہونا شرط ہے ۱۲ مترجم

عہ بیع سلف کے معنی یہ ہیں کہ غلہ پیشگی اس شرط پر دیا جائے کہ اتنی مدت میں اس کے بدلے میں اس کو اسی جیسا فلاں غلہ اس مقدار میں دینا پڑے گا ۱۲۔

بجائے اسے مجتہدین کی فہم و فراست پر چھوڑ دیتے جس طرح اور بہت سے مسائل چھوڑے گئے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے صرف ماں بیٹی اور دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں لینے سے منع فرمایا ہے اور اس کے بعد فرما دیا ہے کہ :۔

واحل لکم ما وراء ذلکم ؕ — ان کے سوا سب عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔

اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھوپی، بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بھی نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ وہ علت جس کی بنا پر ماں بیٹی اور دو بہنوں کو جمع کرنا حرام تھا، یہاں بھی پائی جا رہی ہے، چنانچہ اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں :۔

فانکم اذا فعلتم ذلک قطعتم ارحامکم ؕ — اس لیے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو قطع رحم کے مرتکب ہو گئے،

اسی چیز کا نام قیاس ہے، اور یہ علت اس قیاس کی وجہ تبلا رہی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو قتل کر دینے کے عوض دیت (خون بہا) کا ذکر فرمایا ہے مگر مختلف اعضاء کے کاٹ دینے سے کیا دیت آئے گی؟ یہ بیان نہیں کیا، اور چونکہ اس دیت کو قیاس سے معلوم کرنا مشکل تھا اس لیے اسے حدیث نے واضح طور پر بیان فرما دیا، گویا یہ قیاس کی مشکل ترین قسم ہے اس کی مثالیں اور بھی آئیں گی۔

قیاس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان وجوہ پر نظر ڈالی جائے جو قرآن کے مختلف دلائل کی قدر مشترک ہیں، اس لیے کہ بعض اوقات قرآن میں اگرچہ مختلف دلائل ہوتے ہیں مگر ان سب کو ایک عام وجہ شامل ہوتی ہے جو مختلف مصالح کے حکم یا استحباب کے مشابہ ہوتی ہے، اب حدیث اس ایک وجہ کے مطابق وارد ہوتی ہے تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ وجہ قرآن کے اس مجموعۂ دلائل سے ماخوذ ہے، کیونکہ یہ

بات ثابت ہوچکی ہے کہ حدیث قرآن کی تشریح و توضیح کرنے کے لیے وارد ہوتی ہے اس طریقے سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ قرآن کے ساتھ مناسبت کے لحاظ سے حدیث کو کیا مقام حاصل ہے،

صحابہؓ کا علمِ حدیث

صحابہ کرامؓ حدیث اجتماعی طور پر بھی حاصل کرتے تھے اور انفرادی طور پر بھی،

چنانچہ بعض اوقات ایک جم غفیر یہ علم حاصل کرتا تھا چنانچہ زیادہ تر وہ عملی احادیث، جن میں نماز زکوٰۃ اور حج کے طریقے بیان ہوئے ہیں، اسی ضمن میں آتی ہیں، اور بعض اوقات ایک ایک دو دو صحابی حدیث حاصل کرتے تھے پھر ان میں سے اکثر تو ایسے تھے جو احادیث سُن کر یاد کر لیتے تھے مگر امی ہونے کی بنار پر لکھتے نہ تھے، اور بعض وہ حضرات بھی تھے جو لکھ لیتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ چنانچہ مسند احمدؒ میں ان کی ایک روایت موجود ہے جس میں انھوں نے فرمایا کہ میں حضورؐ سے جو کچھ سنتا تھا لکھ لیتا تھا تاکہ اسے یاد کر سکوں، اس پر مجھے قریش نے منع اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر سنی ہوئی بات لکھ لیتے ہو حالانکہ آپؐ بشر ہیں اور رضار اور غصہ کے حالات آپؐ پر بھی گزرتے رہتے ہیں، چنانچہ میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور اس کا ذکر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کیا تو آپؐ نے فرمایا :۔

اکتب فوالذی نفسی بیدہٖ ما خرج منی الا حق ؛	لکھو اس لئے کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میرے منہ سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی۔

غرض اس دور میں فقہ کی بنیاد ایک تو قرآن کریم تھا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں تک پہنچایا اور انہوں نے اسے یاد کیا اور لکھا، اس میں احکام کی آیات دو سو سے زیادہ نہیں ہوں گی جن میں سے اکثر آپ کے سامنے آجائیں گی، دوسری بنیاد قرآن کی وہ شرح ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمائی اسی کا نام سنّت ہے

صحابہؓ اسے زیادہ تر زبانی حاصل کرتے تھے، اس زمانے میں اس کی کتابت قرآن کی طرح عام نہ ہوئی تھی، اب ہم آپ کے سامنے قرآن کریم کے کچھ احکام سنت کی تشریح کے ساتھ بیان کریں گے،

نماز

نماز کو عربی میں "صلوٰۃ" کہتے ہیں، اور یہ لفظ ظہور اسلام کے بعد وضع نہیں کیا گیا بلکہ اہل عرب اسلام سے قبل اسے دعا اور استغفار کے معنی میں استعمال کرتے تھے، اعشیٰ شراب کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

وصهباء طاف يهوديها ⁂ وأبرزها وعليها ختم

وقابلها الريح في دنها ⁂ وصلى على دنها وارتسم

یہاں "صلوٰۃ" سے مراد دعا ہے، اسی کا ایک اور شعر ہے:۔

عليك مثل الذي صليت فاغتمضي ⁂ نوماً فان لجنب المرء مضطجعا

یہاں بھی "صلوٰۃ" سے دعا مراد ہے:۔

پھر اس لفظ کے اشتقاق میں دو احتمال ہیں، ایک تو یہ کہ "صلوٰۃ" بمعنی لزوم سے مشتق ہو، اہل عرب صلّی اور اصطلی لازم ہونے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اسی سے کہتے ہیں کہ یصلیٰ فی النار ط یعنی وہ آگ میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاتا ہے، اس احتمال کو علامہ ازہریؒ نے پسند کیا ہے کیونکہ "صلوٰۃ" میں اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم الشان فرض کا التزام کیا جاتا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ "صلوین" سے مشتق ہے یہ "صلوین" عربی میں ان دو رگوں کو کہا جاتا ہے جو اونٹنی کی دم کے قریب ہوتی ہیں، نیز ان رگوں کو بھی کہتے ہیں جو انسان کے رانوں کے جوڑ پر ہیں تو گویا یہ دونوں رگیں حقیقت میں دم کی ہڈی کے گرد ہوتی ہیں۔

یہاں ایک احتمال تیسرا بھی ہے اور وہ یہ کہ اس کلمہ کی اصل عبرانی زبان کے لفظ "صلوتا" کی معرب شکل ہو، "صلوتا" عبرانی میں نماز پڑھنے کی جگہ کو کہتے ہیں،

قرآن کریم میں بھی "صلوٰۃ" اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ولولا دفع اللّٰہ النّاس بعضھم ببعض لھدّمت صوامع وبیعٌ وصلوٰتٌ ومسٰجد یذکر فیھا اسم اللّٰہ کثیراً ؕ (حج)

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے (لوگوں کا ایک دوسرے (کے ہاتھ سے) زور نہ گھٹواتا رہتا تو (اپنے اپنے زمانوں میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے۔

اور ایک قراءت میں "وَصُلُوْتٌ" بھی ہے، اس صورت میں یہ صَلُوت کی جمع ہو گی، تو شاید اہل عرب نے اسی وجہ سے اسے دعا اور استغفار کے معنی میں استعمال کر لیا ہو جیسے عام طور پر مجازاً ظرف کو مظروف اور حال کو محل کا نام دے دیا جاتا ہے۔

یہ کلمہ قرآن میں بھی اپنے اصلی معنی (دعا و استغفار) کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وصلّ علیھم انّ صلوٰتک سکنٌ لھم ؕ (توبہ)

اور ان کے لیے دعا کیجیے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجب اطمینان (قلب) ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

انّ اللّٰہ وملٰئکتہ یصلّون علی النّبیّ یآیّھا الّذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیماً (احزاب)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

دور جاہلیت کی نماز

اسلام سے قبل اہل عرب کی نماز معروف نہیں مگر وہ حج کا تلبیہ پڑھتے وقت کچھ دعا کیا کرتے

تھے، اور ان کے ایک اور عجیب طرز کی خبر خود قرآن نے دی ہے :۔

وما کان صلاتھم عند البیت الا مکآءً و تصدیۃً (انفال)	اور ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قریش ننگے ہو کر کعبہ کے طواف کیا کرتے تھے اور ساتھ ساتھ سیٹی اور تالیاں بھی بجاتے رہتے تھے۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف فرماتے تو کفار عرب آپؐ کے سامنے آکر آپؐ کا استہزاء کرنے سیٹیاں بجاتے اور آپؐ کے طواف میں گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کرتے، اور حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ جب آپؐ نماز پڑھتے تھے تو کفار آپؐ کے دائیں بائیں کھڑے ہو جاتے تھے اور سیٹیاں اور تالیاں بجا بجا کر آپ کی نماز میں گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کرتے تو حضرت ابن عباسؓ کے قول کی بناء پر تو یہ سیٹی اور تالی بجانا ان کے نزدیک ایک عبادت تھی اور حضرت مجاہدؒ و مقاتلؒ کے قول کے مطابق محض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کرنا مقصود تھا اور قرآن کریم کے الفاظ سے پہلی بات زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے، (تفسیر رازی)۔

اور دوسرے بعض مفسرینؒ نے روایت کی ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کی تادیب کے لیے نازل ہوئی ہے کہ وہ مشرکین عرب کے رویہ پر عمل نہ کریں :۔

یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجدٍ (اعراف)	اے اولاد آدم کی تم مسجد کی حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔

وہ مشرکین عرب بیت اللہ کا برہنہ ہو کر طواف کیا کرتے تھے ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم ان کپڑوں میں طواف نہیں کریں گے جن میں گناہ کیا ہے، یہ بات بھی حضرت ابن عباسؓ کے قول کی تائید کرتی ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ شروع میں نمازوں میں صرف دو مرتبہ فرض کی گئی تھی ایک صبح اور ایک شام کو :۔

وسبح بحمد ربك بالعشی و الابکار ط (المؤمن) — اور شام و صبح اپنے رب کی تسبیح کرتے رہیئے۔

اور رات کی عبادت صرف ترتیل قرآن تک محدود تھی جس کا حکم سورۂ مزمل کے شروع میں دیا گیا ہے اور ہجرت سے کچھ پہلے پانچ نمازیں فرض کی گئیں،

قرآن کریم نے جس قدر اہتمام نماز کی فرضیت بیان کرنے کا کیا ہے اتنا کسی اور فریضہ کا نہیں اسی لئے اس کی فرضیت مختلف انداز سے بیان فرمائی ہے کبھی صریح حکم سے، کبھی نمازیوں کی تعریف کے ذریعہ اور کبھی نماز نہ پڑھنے والوں کی مذمت کر کے، اسی وجہ سے فرضیت نماز کی آیات کو دیکھ کر باسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نماز ہی دین کا ستون ہے، اور اسلام کا کوئی نفع اس شخص کو نہیں پہنچ سکتا جو اسے چھوڑتا ہے یا اس سے غفلت برتتا ہو یا اس میں دکھلاوے سے کام لیتا ہو،

نماز کے اوقات

قرآن کریم نے نمازوں کی تعداد صراحۃً نہیں بتلائی اور نہ رکعتوں کی تعداد کا ذکر کیا، البتہ اس کے اوقات اجمالی طور پر ذکر فرمائے ہیں :۔

(۱) فسبحان الله حین تمسون و حین تصبحون وله الحمد فی السموٰت والارض وعشیا و حین تظھرون (روم) — سو تم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت اور تمام آسمان و زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے اور بعد زوال اور ظہر کے وقت۔

(۲) اقم الصلوٰة لدلوك الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھودا۔ (اسراء) — آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے ہونے تک نمازیں ادا کیجئے اور صبح کی نماز بھی بے شک صبح کی نماز (فرشتے کے) حاضر ہونے کا وقت ہے،

(۳) واقم الصلوٰة طرفی النھار وزلفا من اللیل ؛ — اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نماز کی پابندی رکھئے دن کے دونوں

(ہُود) سروں پر (یعنی اوّل و آخر میں) اور رات کے کچھ حصّوں میں۔

(۴) حافظوا علی الصّلوٰت والصّلوٰۃ الوسطیٰ ؕ محافظت کرو سب نمازوں کی (عموماً)، اور درمیان والی نماز کی (خصوصاً)۔

پھر اس کی کیفیت بیان فرمائی :۔

وقوموا للہ قانتین (بقرہ) اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے

(۵) یاایھا الّذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا (حج) اے ایمان والو تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو۔

پھر سنّت نے اس کی کیفیت عملی طور پر واضح فرما دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچوں نمازیں پڑھاتے تھے اور صحابہؓ آپ کے پیچھے اجتماعی طور پر نماز پڑھتے تھے ساتھ ہی آپؐ نے ان سے فرما دیا :۔

صلّوا کما رأیتمونی اصلّی ؕ اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے،

قرآن کریم نے نماز جمعہ کو خاص اہتمام سے ذکر فرمایا ہے :۔

یاایھا الّذین اٰمنوا اذا نودی للصّلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ وذروا البیع (جمعہ) اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لیے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز و خطبہ) کی طرف فوراً چل پڑا کرو اور خرید و فروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو۔

پھر سنّت نے نماز جمعہ اور خطبہ کی عملی کیفیت واضح فرمائی۔

اور قرآن کریم نے "صلوٰۃ الخوف" کا حکم بھی بیان فرمایا ہے یعنی جب میدان جنگ میں دشمن سامنے موجود ہو (اور تمام مسلمان ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہوں) تو اس وقت نماز کی کیا صورت ہو ؟۔

واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا ان الکافرین کانوا لکم عدواً مبیناً واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ فلتقم طائفۃ منھم معک ولیأخذوا اسلحتھم فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم ولتات طائفۃ اخریٰ لم یصلوا فلیصلوا معک ولیأخذوا حذرھم واسلحتھم (نساء)	اور جب تم زمین میں سفر کرو سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہو گا کہ تم نماز کو کم کر دو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے بلاشبہ کافر لوگ تمہارے صریح دشمن ہیں۔ اور جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو یوں چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور وہ لوگ ہتھیار لے لیں پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی

آجائے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور یہ لوگ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں۔

پھر فرمایا۔

فاذا اطمأننتم فاقیموا الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتا ؛	پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قاعدہ کے موافق پڑھنے لگو یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے

قرآن کریم نے نماز کے لیے طہارت اور پاکی کو شرط قرار دیا ہے :۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا	اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں

بر ؤسکم وا رجلکم الی الکعبین و ان کنتم جنباً فاطھروا، و ان کنتم مرضیٰ او علیٰ سفر او جآء احدٌ منکم من الغآئط او لامستم النسآء فلم تجدوا مآءً فتیمموا صعیداً طیباً فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ (مائدہ)

پر ہاتھ پھیر دو اور اپنے پاؤں کو بھی ٹخنوں سمیت اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کر دو اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو اس زمین پر سے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

یا ایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون ولا جنباً الا عابری سبیل حتیٰ تغتسلوا وان کنتم مرضیٰ او علیٰ سفر او جآء احدٌ منکم من الغآئط او لامستم النسآء فلم تجدوا مآءً فتیمموا صعیداً طیباً فامسحوا بوجوھکم وایدیکم

اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو اور حالت جنابت میں بھی باستثنار تمہارے مسافر ہونے کی حالت کے یہاں تک کہ غسل کر لو اور اگر یہ کہ تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:۔

وثیابک فطھر (مدثر) — اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔

اور حدیث نے ان تمام طہارات کو قولی اور عملی طور پر واضح فرمایا۔

قرآن کریم نے نماز کے لیے تزئین (لباس پہننے) کو ضروری قرار دیا ہے

یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل — اے اولاد آدم کی تم مسجد کی ہر حاضری

مَسْجِدٍ (اعراف) کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔

پھر حدیث نے یہ بتلایا کہ اس زینت کی واجب مقدار کیا ہے۔

قرآن کریم نے ہر نمازی کے لیے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے مسجدِ حرام کا رُخ کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں بیت المقدس کا رخ فرمایا کرتے تھے پھر قرآن نے اس مسجد حرام کا رخ کرنے کا حکم دیا جو حضرت ابراہیم واسماعیل علیہم السّلام نے تعمیر فرمائی تھی اور وہی دنیا کی پہلی مسجد ہے۔

فولّ وجھك شطر المسجد الحرام و حیثما کنتم فولوا وجوھکم شطرہٗ ط — پھر اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کیا کیجئے اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی موجود ہو اپنے چہروں کو اسی (مسجدِ حرام) کی طرف کیا کرو۔

پھر حدیث نے چند ایسی نمازیں بھی بتلائیں جو واجب نہیں، نفل یا سنّت ہیں ان میں سے بعض تو فرض نمازوں کے آگے پیچھے پڑھی جاتی ہیں اور بعض ایسی ہیں جو کسی فرض نماز کے ساتھ متصل نہیں مثلاً نماز عید۔

روزہ

"صوم" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی کسی چیز سے رک جانے یا اسے چھوڑ دینے کے آتے ہیں، اسی وجہ سے روزہ کو صوم کہتے ہیں کیونکہ اس میں انسان تین قسم کی خواہشاتِ نفسانی کو چھوڑ دیتے ہیں،

روزہ اسلام سے پہلے بھی عرب میں معروف تھا، امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ رضؓ سے ایک روایت نقل فرمائی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ قریش زمانہ جاہلیت میں محرّم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے فرض قرار دیا، یہاں تک کہ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورا کے روزے کے بارہ میں اختیار دے دیا کہ جو چاہے رکھے اور جو چاہے نہ رکھے،

محمد بن اسحٰقؒ نے آغاز وحی کا قصہ بیان کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال میں ایک مہینہ غار حراء میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے زمانۂ جاہلیت میں قریش کی عبادت گزاری کا طریقہ یہی تھا، چنانچہ آپؐ ہر سال ایک مہینے کے لیے وہاں اعتکاف فرماتے تھے اور ہر آنے والے مسکین کو کھانا کھلایا کرتے تھے الخ اور یہی مہینہ رمضان کا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں روزہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرض روزوں کے لیے اسی مہینہ کو پسند فرمایا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرماتے تھے، اور اسی مہینے میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو رسالت کا شرف بھی عنایت کیا، سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ایاما معدودات فمن کان منکم مریضا او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اخر وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع خیرا فھو خیر لہ وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینٰت من الھدیٰ و الفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ و من کان مریضا او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اخر یرید اللہ بکم الیسر ولا

اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلی امتوں کے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس موقع پر کہ تم (روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو پھر (اس میں بھی اتنی آسانی) ہو شخص تم میں (ایسا) بیمار ہو جس میں روزہ رکھنا مشکل یا مضر ہو) یا شرعی سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار (کر کے ان میں روزہ) رکھنا اس پر واجب ہے اور دوسری آسانی جو بعد میں منسوخ ہو گئی یہ ہے کہ جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہیں ان کے ذمہ فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا دکھلا دینا یا دے دینا ہے) اور جو شخص

یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ و لتکبروا اللہ علیٰ ما ھدٰکم و لعلکم تشکرون (بقرہ)

خوشی سے (زیادہ) خیر کرے (کہ زیادہ فدیہ دے) تو اس شخص کے لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا (اس حال میں) زیادہ بہتر ہے اگر (تم روزے کی فضیلت کی) خبر رکھتے ہو (وہ تھوڑے دن) ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے جس کا (ایک) وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے (ذریعہ) ہدایت ہے اور (دوسرا وصف) واضح الدلالۃ منجملہ ان کتب کے ہو کہ (ذریعہ) ہدایت (بھی ہیں) اور (حق و باطل میں) فیصلہ (کرنے والی بھی) ہیں سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہیئے، اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا (اتنا ہی) شمار (کرکے ان میں روزہ) رکھنا (اس پر واجب ہے) اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام) میں آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ (احکام و قوانین مقرر کرتے ہیں) تنگی منظور نہیں، اور تاکہ تم لوگ (ایام اور یا قضا کی) شمار کی تکمیل کر لیا کرو (تاکہ ثواب میں کمی نہ رہے) لہٰذا تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی (و ثنا) بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو (ایک ایسا طریقہ) بتلا دیا (جس سے تم برکات و ثمرات صیام رمضان سے محروم نہ رہو گے) اور عذر سے کامل رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت اس لئے دے دی تاکہ تم لوگ (اس نعمت آسانی پر اللہ کا) شکر ادا کیا کرو۔

غالباً سنت نے انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ رمضان کی راتوں میں بھی اپنی عورتوں سے جماع نہ کریں۔

پھر قرآن کریم نے ان سے اس سختی کو بھی ختم فرما دیا اور ارشاد ہوا:۔

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الیٰ نسائکم ھن لباس لکم وانتم لباس لھن، علم اللہ انکم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم فالاٰن باشروھن وابتغوا ما

تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا کیونکہ وہ تمہارے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہو خدا تعالیٰ کو اس کی خبر تھی کہ تم خیانت (کر) کے گناہ میں اپنے کو

کتب اللہ لکم وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی اللیل ولا تباشروھن وانتم عٰکفون فی المساجد (بقرہ)

مبتلا کر رہے تھے (مگر) خیر اللہ تعالی نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے گناہ کو دھو دیا سو اب ان سے ملو ملاؤ اور جو (قانون اجازت) تمہارے لیے تجویز کر دیا ہے (بلا تکلف) اس کا سامان کر و اور کھاؤ اور پیو (بھی) اس وقت تک کہ تم کو سفید خط (یعنی نور) صبح (صادق) متمیز ہو جائے سیاہ خط سے پھر (صبح صادق سے) رات تک روزہ کو پورا کیا کرو اور ان بیبیوں سے اپنا بدن بھی مت ملنے دو جس زمانہ میں کہ تم اعتکاف والے ہو مسجدوں میں۔

رمضان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض ایام کے روزے مسنون قرار دیئے ہیں۔

روزہ کی فرضیت ۲ھ میں ہوتی ہے۔

حج اور عمرہ

ہر صاحب مذہب قوم کچھ خاص مقامات مقرر کر لیتی ہے تاکہ وہاں اجتماعی طور پر اللہ کی عبادت کرے، اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں :۔

ولکل امۃ جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام ؕ (حج)

اور (جتنے اہل شرائع گزرے ہیں ان میں سے) ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے۔

اور فرمایا :۔

لکل امۃ جعلنا منسکا ھم ناسکوہ (حج)

(جتنی) امتیں اہل شرائع گزری ہیں ہم نے

والان میں) ہر امت کے واسطے ذبح کرنے کا طریق مقرر کیا ہے کہ وہ اسی طریقہ پر ذبح کیا کرتے تھے۔

اسی طرح اہل عرب کی بھی ایک عبادت گاہ تھی جس کا نام "البیت الحرام" تھا، اس کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہما السلام نے کی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسماعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم (بقرہ)

اور جب کہ اٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) دیواریں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیلؑ بھی اور یہ کہتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار (یہ خدمت) ہم سے قبول فرمائیے بلاشبہ آپ خوب سننے والے ہیں جاننے والے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجیے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت (پیدا کیجیے) جو آپ کی مطیع ہو اور نیز ہم کو ہمارے حج (وغیرہ) کے احکام بھی بتلا دیجیے اور ہمارے حال پر توجہ رکھیے اور فی الحقیقت، آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے مہربانی کرنے والے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین فیہ ایات بینات مقام ابراھیم ومن دخلہ کان امنا (آل عمران)

یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا وہ مکان ہے جو کہ مکہ میں ہے جس کی حالت یہ ہے کہ وہ برکت والا ہے اور جہاں بھر کی ہدایت ہوتا ہے اس میں کھلی نشانیاں ہیں منجملہ ان کے ایک مقام ابراہیم ہے اور جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا۔

واذ بوانا لابراھیم مکان البیت

اور جب کہ ہم نے ابراہیمؑ کو خانۂ کعبہ کی جگہ

الا تشرک بی شیئا و طھر بیتی للطائفین و العاکفین و الرکع السجود و اذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا و علیٰ کل ضامر یاتین من کل فج عمیق لیشھدوا منافع لھم و یذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علیٰ ما رزقھم من بھیمۃ الانعام فکلوا منھا و اطعموا البائس الفقیر ثم لیقضوا تفثھم ولیوفوا نذورھم ولیطوفوا بالبیت العتیق (حج)

بتلادی اور حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا (یہ ان کے مابعد والوں کو سنانا ہے اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں کے اور (نماز میں) قیام و رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے پاک رکھنا اور (ابراہیم سے یہ بھی کہا گیا کہ) لوگوں میں حج کے فرض ہونے کا اعلان کردو لوگ تمہارے پاس (حج کو) چلے آئیں گے پیادہ بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی تاکہ اپنے (دینیہ و دنیویہ) فوائد کے لیے آموجود ہوں اور اس لیے آویں گے تاکہ ایام مقررہ (یعنی ایام قربانی) میں ان مخصوص چوپایوں پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں (یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہیں) جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیے ہیں سو ان (قربانی کے) جانوروں میں سے (تم کو) بھی (اجازت مع الاستحباب ہے کہ) کھایا کرو (اور مستحب یہ ہے) کہ مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلایا کرو پھر لوگوں کو چاہیے کہ اپنا میل کچیل دور کردیں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور (انہی ایام معلومات میں) اس مامون گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا طواف کریں۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے زمانے سے کر اہل عرب اسی طرح کرتے چلے آئے، البتہ انہوں نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے طریقۂ حج کو بہت کچھ تبدیل کردیا تھا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرا کر ان کی پرستش شروع کردی تھی اور بیت اللہ میں نیز اس کے آس پاس صفا مروہ پر بے شمار بت رکھ چھوڑے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ یہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہیں انہوں نے مشاعرِ حج کو بدل ڈالا تھا اور چوپایوں کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے بجائے بتوں کا نام لیا کرتے تھے۔

پھر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریعت ابراہیمی کی تجدید کرنے کے لیے مبعوث فرمائے گئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا السّلام کے لئے بھی بیت اللہ کو عبادت گاہ قرار دے دیا اور یہاں آکر حج وعمرہ کرنے کا حکم دیا :۔

وللہ علی النّاس حجّ البیت من استطاع الیہ سبیلاً ومن کفر فانّ اللہ غنیّ عن العٰلمین ؁ (آل عمران)	اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے یعنی اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک سبیل کی اور جو شخص منکر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام جہاں والوں سے غنی ہیں

نیز فرمایا :۔

واتمّوا الحجّ والعمرۃ للہ (بقرہ)	حج وعمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو ۔

اس کے علاوہ توحید کا حکم دیا اور ان افعال سے منع فرمایا جو اہل جاہلیت کیا کرتے تھے

فاجتنبوا الرّجس من الاوثان واجتنبوا قول الزّور حنفاء للہ غیر مشرکین بہ ومن یشرک باللہ فکانّما خرّ من السّماء فتخطفہ الطّیر او تھوی بہ الرّیح فی مکان سحیق ؁ (حج)	تو تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے (بالکل) کنارہ کش رہو اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو اس طور سے کہ اللہ ہی کی طرف جھکے رہو (اور) اس کے ساتھ شریک مت ٹھہراؤ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا اس کو ہوا نے کسی دور دراز جگہ میں لے جا پٹکا،

حج کا وقت اور اس کے آداب اس طرح بیان فرمائے :۔

الحجّ اشہرٌ معلومٰتٌ فمن فرض فیھنّ الحجّ فلا رفث ولا فسوق و لا جدال فی الحجّ (بقرہ)	(زمانہ) حج چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں (شوال ذی قعدہ ذی الحجہ کی دس تاریخیں) سو جو شخص ان میں حج مقرر کرے تو پھر (اس کو) نہ کوئی فحش بات (جائز) ہے اور نہ کوئی بے حکمی درست ہے اور نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے

پھر حج کی عبادت کے طریقے اور مقاماتِ مقدسہ بیان فرمائے:۔

(و) انّ الصّفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حجّ البیت أو اعتمر فلا جناح علیہ ان یطّوّف بھما ومن تطوّع خیرًا فانّ اللہ شاکرٌ علیم (بقرہ)

تحقیقاً صفا اور مروہ منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں سو جو شخص حج کرے بیت (اللہ) کا یا (اس کا) عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں ان دونوں کے درمیان آمد و رفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہے) اور جو شخص خوشی سے کوئی امر خیر کرے حق تعالیٰ (اس کی بڑی) قدر دانی کرتے ہیں۔

(ب) فاذا أفضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام واذکروہ کما ھدٰکم وان کنتم من قبلہ لمن الضّآلّین ثمّ افیضوا من حیث افاض النّاس واستغفروا اللہ انّ اللہ غفورٌ رحیمٌ فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ کذکرکم اٰبآءکم او اشدّ ذکرًا (بقرہ)

پھر جب تم لوگ عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس (مزدلفہ میں شب کو قیام کر کے) اللہ تعالیٰ کی یاد کرو (جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے (نہ یہ کہ اپنی رائے کو دخل دو) اور حقیقت میں قبل اس کے تم محض ہی ناواقف تھے پھر تم سب کو ضرور ہے کہ تم سب اسی جگہ ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر وہاں سے واپس آتے ہیں (اور حج میں پرانی رسموں پر عمل کرنے سے) خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کریں گے اور مہربانی فرمائیں گے پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکا کرو تو حق تعالیٰ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آبا (واجداد) کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ یہ ذکر اس سے (بدرجہا) بڑھ کر ہے۔

(ج) واذکروا اللہ فی ایام معدودات فمن تعجّل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تأخّر فلا اثم علیہ لمن اتّقٰی (بقرہ)

اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کئی روز تک پھر جو شخص دو دن میں (مکہ واپس آنے میں) تعجیل کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص دو دن میں تاخیر کرے اس پر بھی کچھ گناہ

(۴) ذٰلک ومن یعظم شعآئر اللّٰہ فانھا من تقوی القلوب لکم فیھا منافع الیٰ اجل مسمّی ثم محلھا الی البیت العتیق۔ (حج)

یہی (بات) اس شخص کے واسطے جو (خدا سے) ڈرے یہ بات بھی ہو چکی اور (قربانی کے جانور کے متعلق اور) سن لو کہ، جو شخص دین خداوندی کی ان (مذکورہ) یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا خدا تعالیٰ سے دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے تم کو ان سے ایک معین وقت تک فوائد حاصل کرنا جائز ہے پھر (یعنی بعد ہدی بننے کے) اسے ذبح ہونے کا موقع بیت عتیق کے قریب ہے۔

(۵) والبدن جعلناھا لکم من شعآئر اللّٰہ لکم فیھا خیر فاذکروا اسم اللّٰہ علیھا صوآف فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا واطعموا القانع والمعتر (حج)

اور قربانی کے اونٹ اور گائے اور اسی طرح بھیڑ اور بکری کو بھی ہم نے اللہ کے دین کی یادگار بنایا ہے ان جانوروں میں تمہارے (اور بھی) فائدے ہیں سو تم ان پر کھڑے کر کے ذبح کرنے کے دن اللہ کا نام لیا کرو پس جب وہ (کسی) کروٹ کے بل گر پڑیں (اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو تم خود بھی کھاؤ اور سوالی (محتاج) کو بھی کھانے کو دو،

(۶) یا ایھا الذین اٰمنوا لا تحلوا شعآئر اللّٰہ ولا الشھر الحرام ولا الھدی ولا القلائد ولا اٰمین البیت الحرام یبتغون فضلا من ربھم ورضوانا (مائدہ)

اے ایمان والو بے حرمتی نہ کرو خدا تعالیٰ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینہ کی اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو کہ بیت الحرام کے قصد سے جا رہے ہوں اپنے رب کے فضل اور رضامندی کے طالب ہوں،

(۷) جعل اللّٰہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما للناس والشھر الحرام والھدی والقلآئد ؕ

اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دے دیا اور عزت والے مہینہ کو بھی

(مائدہ) اور حرم میں قربانی ہونے والے جانور کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے ہوں

احصار[1] اور تمتع[2] کے احکام اس طرح بیان فرمائے،

فان احصرتم فما استیسر من الھدی ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ فمن کان منکم مریضا او بہ اذی من راسہ ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک فاذا امنتم فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی فمن لم یجد فصیام ثلاثۃ ایام فی الحج وسبعۃ اذا رجعتم تلک عشرۃ کاملۃ ذلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام ؎ (بقرہ)

پھر اگر (کسی دشمن یا مرض کے سبب) روک دئے جاؤ تو قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو (ذبح کرے) اور اپنے سروں کو اس وقت تک مت منڈاؤ جب تک کہ قربانی اپنے موقع پر نہ پہنچ جائے (اور وہ موقع حرم ہے کہ کسی کے ہاتھ وہاں جانور بھیج دیا جائے) البتہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (جس سے پہلے ہی سر منڈوانے کی ضرورت پڑ جائے) تو (وہ سر منڈوا کر فدیہ (یعنی اس کا شرعی بدلہ) دے دے (یعنی) روزے سے یا (چھ مسکین کو) خیرات دیدینے یا (ایک بکری) ذبح کر دینے سے پھر جب اُن کی حالت میں ہو (یا تو پہلے ہی سے کوئی خوف پیش نہ آیا ہو یا ہو کر جاتا رہا ہو) تو جو شخص عمرہ سے اس کو حج کے ساتھ ملا کر منتفع ہوا ہو (یعنی ایام حج میں عمرہ بھی کیا ہو) تو جو کچھ قربانی میسر ہو (ذبح کرے (اور جس نے صرف عمرہ یا صرف حج کیا ہو اس پر حج وغیرہ کے متعلق کوئی قربانی نہیں) پھر جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ تین دن کے روزے ہیں ایام حج میں اور سات ہیں جب کہ حج سے تمہارا لوٹنے کا وقت آجائے یہ پورے دس

---

[1] احصار کا مطلب یہ ہے کہ احرام باندھنے کے بعد کسی کو کوئی ایسا عذر پیش آجائے جس سے وہ طواف سعی اور وقوف عرفات پر قادر نہ رہے مترجم [2] تمتع کا مطلب یہ ہے کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھا جائے اور مکہ میں عمرہ ادا کر کے حج کے لیے دوسرا احرام باندھیں ۱۲۔

ہونے یہ اس شخص کے لئے ہے جس کے اہل و عیال مسجدِ حرام (یعنی کعبہ) کے قریب میں نہ رہتے ہوں (یعنی قریب ہی کا وطن دار نہ ہو)۔

اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو "حرم" قرار دیا ہے:-

(ا) اولم یروا انا جعلنا حرماً امناً ویتخطف الناس من حولھم (عنکبوت)

کیا ان لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے امن والا حرم بنایا ہے اور ان کے گرد و پیش میں لوگوں کو نکالا جا رہا ہے۔

(ب) اولم نمکن لھم حرماً امناً یجبیٰ الیہ ثمرات کل شیءٍ رزقاً من لدنا (قصص)

کیا ہم نے ان کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے (یعنی ہماری قدرت اور رزاقی سے) کھانے کو ملتے ہیں۔

اور جس شخص نے احرام باندھ لیا ہو اس کے لئے شکار کرنا ناجائز قرار دیا ہے، اگر کوئی ایسا کرلے تو اس کے لئے ایک سزا تجویز فرمائی ہے:-

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم ومن قتلہ منکم متعمداً فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم بہ ذوا عدل منکم ھدیاً بالغ الکعبۃ او کفارۃ طعام مسٰکین او عدل ذٰلک صیاماً (مائدہ)

اے ایمان والو وحشی شکار کو قتل مت کرو جب کہ تم حالت احرام میں ہو اور جو شخص تم میں اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر پاداش واجب ہو گی جو کہ مساوی ہو گی اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں خواہ وہ پاداش خاص چوپاؤں میں سے ہو بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے اور خواہ کفارہ مساکین کو دے دیا جائے اور خواہ اس کے برابر روزے رکھ لیے جائیں۔

حج ۶ھ میں فرض ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی سال عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تھے مگر کفار مکہ نے آپؐ کو مکہ کے اندر داخل ہونے سے روک

تھا، پھر آپؐ نے اس عمرہ کی قضاء سنہ ۷ھ میں فرمائی، پھر سنہ ۹ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کے ساتھ حج کیا، اور سنہ ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے ساتھ بہ نفسِ نفیس حج کے لیے تشریف لے گئے، یہی "حجۃ الوداع" تھا، اسی میں آپؐ نے لوگوں کو حج کرنے کا طریقہ سکھلایا اور فرمایا کہ "مجھ سے اپنے ارکانِ حج سیکھ لو۔"

حج کے فوائد

حج کے مذکورہ بالا نظام میں مسلمانوں کے بہت سے فوائد تھے، (۱) ایک تو خود اہلِ مکہ کو حجاج اور عمرہ کرنے والوں سے فائدہ پہنچتا ہے اس لئے کہ مکہ مکرمہ ایک بے آب وگیاہ وادی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لئے دعاء فرمائی تھی کہ:-

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ (ابراہیم)

اے ہمارے رب میں اپنی اولاد کو آپ کے معظم گھر کے قریب ایک (کف دست) میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں آباد کرتا ہوں اے ہمارے رب تاکہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دیجئے اور ان کو (محض اپنی قدرت سے) پھل کھانے کو دیجئے تاکہ یہ لوگ (ان نعمتوں کا) شکر کریں۔

(۲) دوسرے تمام اہلِ عرب کا فائدہ تھا کہ وہ اس حج کی بدولت بہت سے فوائد حاصل کر سکتے ہیں تجارتی کاروبار اور ضروریاتِ زندگی کا تبادلہ ان کے لئے آسان ہو جاتا ہے اس لئے بہت سے حجاج موسمِ حج میں اپنا مالِ تجارت لے آتے ہیں اور ضرورت مند حضرات ان سے خرید لیتے ہیں، پھر ان میں سے ہر ایک شخص بے خوف وخطر ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک حرمت والے مہینے میں اور حرمت والے شہر میں ہوتے ہیں۔

(۳) تیسرا فائدہ تمام مسلمانوں کا ہے کہ وہ وہاں جمع ہو کر آپس میں متعارف ہوتے ہیں ان کی عبادت اور ان کا قبلہ ایک ہوتا ہے اسی بنا پر مکہ مکرمہ تمام

مسلمانوں کا اجتماعی مرکز ہے اور مسلمانوں دور دراز کے ممالک سے یہاں پہنچتے ہیں، اس طرح ہر انسان ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق دین دنیا کی معلومات حاصل کر سکتا ہے یہ کہہ دینا بعید از قیاس نہیں کہ حج کا دن تمام مسلمانوں کی عید کا دن اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ وہ سب کو اسلامی وحدت کی یاد دلاتا ہے اور جس طرح عید لفطر نزولِ قرآن کا آغاز یاد دلاتی ہے اس طرح یوم حج نزولِ قرآن کے اختتام کی یاد تازہ کرتا ہے کیونکہ قرآن کریم رمضان میں نازل ہونا شروع ہوا اور یہ مبارک سلسلہ حج اکبر کے دن منقطع ہوا۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ کے لغوی معنی طہارت اور پاکیزگی، بڑھوتری، برکت اور تعریف کے آتے ہیں، ان میں سے ہر ایک معنیٰ قرآن وحدیث میں مستعمل ہوئے ہیں۔ پھر شریعت نے اس لفظ کو مال کی اس مخصوص اور متعین مقدار کے لیے مستعار لیا ہے جو ایک کشادہ دست انسان ہر سال صدقہ کرتا ہے، اس لیے کہ یہ فعل اس کے مال کو پاک کر دیتا ہے اور اس میں بڑھوتری اور برکت پیدا کرتا ہے، قرآن کریم میں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے وہاں اس سے مراد یہی صدقہ کرنا ہے، قرآن کریم نے زکوٰۃ کو بھی اسی اہمیت سے ذکر فرمایا ہے جس اہمیت سے نماز کو، یہی وجہ ہے کہ اکثر وبیشتر نماز اور زکوٰۃ دونوں کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے، البتہ بعض جگہوں پر صرف زکوٰۃ کا ذکر ہوتا ہے، بعض اوقات زکوٰۃ کے لفظ سے اور بعض اوقات صدقہ کے لفظ سے:۔

وویل للمشرکین الذین لایؤتون الزکوٰۃ (فصلت) (حٰم السجدہ)	اور ایسے مشرکوں کے لیے بڑی خرابی ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔
خذ من اموالہم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا؛ (توبہ)	آپ ان کے مالوں میں سے (جس کو یہ لائے ہیں) لے لیجئے جس کے (لینے کے) ذریعہ سے آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک وصاف کر دیں گے۔

(۳) کلوا من ثمرہٖ اذا اثمر و اٰتوا حقہ یوم حصادہٖ (انعام)

ان سب کی پیداوار کھاؤ جب وہ نکل آئے اور اس میں جو حق از شرع سے واجب ہے وہ اس کے کاٹنے (توڑنے) کے دن (مسکینوں کو) دیا کرو۔

(۴) وما اٰتیتم من ربًا لیربوا فی اموال الناس فلا یربو عند اللہ وما اٰتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولٰئک ھم المضعفون۔ (روم)

اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔

قرآن کریم نے یہ باتیں تفصیل سے بیان نہیں فرمائیں کہ کون سے اور کتنے مال میں کتنی زکوٰۃ واجب ہے؟ یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے معلوم ہوتی ہیں۔ آپ نے جن لوگوں کو زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور فرمایا تھا انہیں ایک خط دیا تھا جس میں یہ تفصیلات درج تھیں البتہ قرآن کریم نے زکوٰۃ کے مصارف بیان فرمائے ہیں:۔

انما الصدقٰت للفقراء والمسٰکین والعٰملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغٰرمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃً من اللہ واللہ علیم حکیم (توبہ)

صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات پر متعین ہیں اور جن کی دلجوئی کرنا منظور ہے ان غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرضہ میں اور جہاد میں اور مسافروں میں یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔

زکوٰۃ کا نظام اسلام کا ایک جلیل القدر نظام ہے جس کی بدولت وہ بغض اور کینہ دور ہو جاتا ہے جو مالداروں کی طرف سے فقراء کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے

اس نظام سے ان لوگوں کی سرپرستی ہوتی ہے جو خود اپنی حاجتیں دور کرنے پر قادر نہیں ہوتے اور اس طرح ان کی بیشمار مصیبتوں کا ازالہ ہو جاتا ہے، پھر اس نظام کی بدولت لوگوں میں اجتماعی مصلحتوں پر پیسہ خرچ کرنے کا مفید جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس طرح پورے معاشرے کی اصلاح کا دروازہ کھل جاتا ہے، بالخصوص "زکوٰۃ" کا وہ مصرف بڑا نفع بخش ہے جسے قرآن کریم نے فی سبیل اللہ[1] کے لفظ سے تعبیر کیا ہے

اہل عرب میں پہلے سے جو نظامِ صدقہ تھا وہ یہ تھا کہ وہ اپنی کھیتیوں اور جانوروں کی پیداوار میں سے ایک حصہ اللہ کے لئے نکال لیتے تھے اور ایک حصہ بتوں کے لئے اس کا پورا بیان آگے آئے گا۔

قرآن کریم کے مزید احکام

قرآن کریم نے عبادات سے متعلق جو احکام دیئے ہیں ان میں سے ایک "نظام الایمان" (قسموں کا نظام) بھی ہے، سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

ولا تجعلوا الله عرضة لأيمانكم ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بين الناس والله سميع عليم ط لا يؤاخذكم الله باللغو في ايمانكم ولكن يؤاخذكم بما كسبت قلوبكم والله غفور حليم

اور اللہ کو اپنی قسموں کے ذریعہ ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح فیما بین خلق کے کام کرو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں اللہ تعالیٰ تم پر (آخرت میں) دارو گیر نہ فرمائیں گے تمہاری قسموں میں (ایسی) بے ہودہ قسم پر لیکن دارو گیر فرمائیں گے اس (جھوٹی قسم) پر جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور حلیم ہیں۔

سورہ مائدہ میں ارشاد ہے۔

لا يؤاخذكم الله باللغو في ايمانكم ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الايمان

اور اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں فرماتے تمہاری قسموں میں لغو قسم پر لیکن مواخذہ اس پر

---

[1] "فی سبیل اللہ" کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسے محتاج شخص کو زکوٰۃ دی جائے جو کسی کارِ خیر میں لگا ہوا ہو اور اسے اس کا مالک بنا دیا جائے ۱۲ محمد تقی عفی عنہ،

فکفارتہ اطعام عشرۃ مسٰکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبۃ فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام ذٰلک کفارۃ ایمانکم اذا حلفتم واحفظوا ایمانکم کذٰلک یبین اللہ لکم اٰیاتہ لعلکم تشکرون ۔

فرماتے ہیں کہ تم قسموں کو مستحکم کر دو سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانا دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا او جن کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب کہ تم قسم کھا لو اور اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں تاکہ تم شکر کرو ،

اور سورۂ تحریم میں ہے ،

قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم ط

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کھولنا (یعنی قسم توڑنے کے بعد اس کے کفارہ کا طریقہ) مقرر فرما دیا ہے

پھر سنت سے یہ معلوم ہوا کہ قسم صرف وہ معتبر ہے جو اللہ کے نام سے کھائی جائے

کون سے کھانے حلال ہیں اور کون سے حرام ؟ قرآن کریم نے اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے سورۂ اعراف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا :۔

ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبآئث ؛

اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں ۔

؛ ؛ ؛

اور سورۂ نحل میں فرمایا :۔

فکلوا مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً واشکروا نعمۃ اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ فمن اضطر غیر باغ ولا عادٍ

سو جو چیزیں اللہ نے تم کو حلال اور پاک دی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو تم پر تو صرف مردار کو حرام کیا ہے اور خون کو اور خنزیر کے گوشت وغیرہ کو اور جس چیز

فانّ اللہ غفورٌ رّحیمٌ ؕ کو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر جو شخص کہ بالکل بے قرار ہو جائے بشرطیکہ طالب لذت نہ ہو اور نہ حد (ضرورت) سے تجاوز کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ بخش دینے والا مہربانی کرنے والا ہے۔

سورہ انعام میں ہے :۔

قل لا اجد فیما اوحی الیّ محرما علیٰ طاعمٍ یطعمہٗ الّا ان یکون میتۃً او دمًا مسفوحًا او لحم خنزیر فانّہ رجس او فسقا اھل لغیر اللہ بہٖ فمن اضطرّ غیر باغٍ ولا عادٍ فانّ ربّک غفورٌ رّحیمٌ ؕ

آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے سوا اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو (جانور) شرک کا ذریعہ ہو کر غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر جو شخص بے تاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو (قدر ضرورت سے) تو واقعی آپ کا رب غفور رحیم ہے۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا :۔

یا ایّھا الّذین اٰمنوا کلوا من طیّبات ما رزقنٰکم واشکروا اللہ ان کنتم ایّاہ تعبدون انّما حرّم علیکم المیتۃ والدّم ولحم الخنزیر وما اھلّ بہٖ لغیر اللہ فمن اضطرّ غیر باغٍ وّلا عادٍ فلا اثم علیہ انّ اللہ غفورٌ رّحیمٌ

اے ایمان والو جو (شرع کی رو سے) پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں (جو چاہو) کھاؤ (برتو) اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی (کا تعلق) رکھتے ہو اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف حرام کیا ہے مردار کو اور خون کو (جو بہتا ہو) اور خنزیر کے گوشت کو (اسی طرح اس کے سب اجزاء کو بھی) اور ایسے جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر بھی جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بے تاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ (قدر حاجت سے) تجاوز کرنے والا ہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا واقعی اللہ تعالیٰ ہیں بڑے غفور رحیم۔

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے :۔

حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب ؛

تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کہ غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو اور جو گھلا گھٹنے سے مر جائے اور جو کسی ضرب سے مر جائے اور جو اونچے سے گر کر مر جائے اور جو کسی ٹکر سے مر جائے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے لیکن جس کو ذبح کر ڈالو اور جو جانور پرستش گاہ بتوں پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ تقسیم کرو بذریعہ قرعہ کے تیروں کے۔

سورۂ مائدہ ہی میں ہے :۔

یسئلونک ماذا احل لھم قل احل لکم الطیبٰت وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ واتقوا اللہ ان اللہ سریع الحساب ۔ الیوم احل لکم الطیبٰت وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانور ان کے لئے حلال کئے گئے ہیں آپ فرما دیجیے کہ تمہارے لیے کل حلال جانور حلال رکھے ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو چھوڑو بھی اور ان کو اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم دیا ہے تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں اس کو کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو بیشک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں آج تمہارے لئے حلال چیزیں حلال رکھی گئیں اور جو لوگ کتاب دئے گئے ہیں ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے۔

اسی میں فرمایا :۔

اُحل لکم صید البحر وطعامہ متاعا لکم وللسیارۃ ؛

تمہارے لیے دریا کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے تمہارے

(القرآن) انتفاع کے واسطے اور مسافروں کے واسطے۔

سورہ انعام میں ہے :۔

فکلوا مما ذکر اسم اللّٰہ علیہ ان کنتم بایٰتہٖ مؤمنین وما لکم الّا تاکلو مما ذکر اسم اللّٰہ علیہ و قد فصّل لکم ما حرّم علیکم الّا ما اضطررتم الیہ ؛

سو جس جانور پر اللہ کا نام لیا جائے اس میں سے کھاؤ اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو، اور تم کو کون اس امر کا باعث ہو سکتا ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتلادی ہے جن کو تم پر حرام کیا گیا ہے مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے۔ تو حلال ہے۔

پھر فرمایا :۔

ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللّٰہ علیہ و انّہٗ لفسقٌ ؛

اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ امر بے حکمی ہے۔

مشروبات میں سے قرآن نے شراب کو حرام قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم نے مشرکین کے بہت سے ایسے کھانوں کو ناجائز کہا ہے جو وہ اپنے خود ساختہ معبودوں کے نام پر رکھا کرتے تھے"، چنانچہ سورہ انعام میں ہے :

وجعلوا للّٰہ مما ذرأ من الحرث و الانعام نصیبًا فقالوا ھٰذا للّٰہ ، بزعمھم وھٰذا لشرکائنا فما کان لشرکائھم فلا یصل الی اللّٰہ وما کان للّٰہ فھو یصل الی شرکائھم ساء ما یحکمون ۔

اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مواشی پیدا کئے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتی اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی

ہے انہوں نے کیا بری تجویز نکال رکھی ہے۔

پھر ارشاد ہوا

وقالوا هٰذه انعام وحرث حجرٌ لا يطعمها الا من نشاء بزعمهم وانعامٌ حرمت ظهورها وانعامٌ لا يذكرون اسم الله عليها افتراءً عليه سيجزيهم بما كانوا يفترون وقالوا ما فى بطون هٰذه الانعام خالصة لذكورنا ومحرّم على ازواجنا وان يكن ميتةً فهم فيه شركاء سيجزيهم وصفهم انه حكيم عليمٌ - قد خسر الذين قتلوا اولادهم سفهاً بغير علم وحرموا ما رزقهم الله افتراءً على الله قد ضلوا وما كانوا مهتدين (انعام)

اور وہ اپنے (خیال باطل پر یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ (مخصوص) مواشی ہیں اور مخصوص کھیت ہیں جن کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں ان کو کوئی کھا نہیں سکتا سوا ان کے جن کو ہم چاہیں اور (کہتے ہیں کہ یہ مخصوص) مواشی ہیں جن پر سواری یا بار برداری حرام کر دی گئی ہے اور (مخصوص) مواشی ہیں جن پر یہ لوگ اللہ کا نام نہیں لیتے (یہ سب باتیں) محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر (کہتے ہیں) ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کے افترا کی سزا دے دیتا ہے اور وہ (یوں بھی) کہتے ہیں کہ جو چیز مواشی کے پیٹ میں سے نکلتی ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ (پیٹ کا نکلا ہوا بچہ) مردہ ہے تو اس سے (منتفع ہونے کے جواز میں (مرد و عورت) سب برابر ہیں ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کی غلط بیانی کی سزا دے دیتا ہے بلاشبہ وہ حکمت والا ہے وہ بڑا علم والا ہے، واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو محض براہ حماقت بلا کسی سند کے قتل کر ڈالا اور جو (حلال) چیزیں ان کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کو دی تھیں ان کو حرام کر لیا محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر بیشک یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور وہ کبھی راہ پر چلنے والے نہیں ہوئے۔

پھر فرمایا:۔

ومن الانعام حمولةً وفرشًا کلوا مما رزقکم اللہ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انه لکم عدو مبین ثمانیة ازواج من الضان اثنین ومن المعز اثنین قل آلذکرین حرم ام الانثیین نبئونی بعلم ان کنتم صادقین ومن الابل اثنین ومن البقر اثنین قل آلذکرین حرم ام الانثیین اما اشتملت علیه ارحام الانثیین۔

اور مواشی میں اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے جو کچھ تم کو دیا ہے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور یہ مواشی آٹھ نر و مادہ (پیدا کیے) یعنی بھیڑ اور دنبہ میں دو قسم (نر و مادہ) اور بکری میں دو قسم (نر و مادہ) آپ ان سے کہئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس بچہ کو جس کو دونوں مادہ (اپنے) پیٹ میں لیے ہوئے ہیں تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتلاؤ اگر سچے ہو اور اونٹ میں دو قسم اور گائے (بھینس) میں دو قسم آپ کہئے کہ کیا اللہ تعالےٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادہ (اپنے) پیٹ میں لئے ہوئے ہوں۔

اور سورہ مائدہ میں فرمایا:۔

ماجعل اللہ من بحیرة ولا سائبة ولا وصیلة ولا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب واکثرھم لا یعقلون ⁂

اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالےٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشرکینِ عرب نے اپنی کھیتیوں اور جانوروں کی پیداوار کا ایک صدقاتی نظام بنا رکھا تھا کہ پیداوار کا ایک حصہ فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیتے تھے اور دوسرا حصہ بتوں کے لئے ہوتا تھا جس کے مستحق ان بتوں کے منتظم اور پجاری لوگ سمجھے جاتے تھے، پھر جو حصہ بتوں کے نام کا ہوتا تھا اسے ٹھیک ٹھیک ادا کرتے

وہ پورا اہتمام کرتے تھے چنانچہ اس حصہ میں سے ایک حبہ بھی بتوں کے مجاورین کے علاوہ کسی کو نہیں دیتے تھے، مگر اللہ کے نام پر نکالے ہوئے حصہ کا یہ اہتمام نہ تھا چنانچہ اس میں سے اکثر وبیشتر بتوں کے منتظمین کو بھی حصہ مل جایا کرتا تھا۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جو جانور اور کھیتیاں مشرکین غیراللہ کے نام پر رکھ چھوڑتے تھے ان کی تین قسمیں تھیں۔

(۱) حجر، یہ صرف وہی کھا سکتا تھا جسے یہ لوگ چاہیں۔

(۲) وہ چوپائے جن پر سواری حرام کرلی گئی تھی۔

(۳) وہ چوپائے جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے تھے۔

یہی وہ اقسام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ "بحیرہ"، "سائبہ"، "وصیلہ" اور "حامی" کے نام سے ذکر فرمایا ہے۔

پھر تیسری آیت میں جانوروں کے ان بچوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جنہیں مشرکین صرف مردوں کے لیے خاص رکھتے تھے، مرد ان کا دودھ پی سکتے تھے مگر ان کی بیویوں پر یہ حرام کیا ہوا تھا کہ وہ اس سے کچھ انتفاع حاصل کرسکیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ان نامعقول حرکتوں پر زجر و توبیخ کی ہے جنہیں انہوں نے خود گھڑا تھا مگر اللہ کی طرف ان کی جھوٹی نسبت کرتے تھے۔

ام کنتم شھداء اذ وصّٰکم اللہ بھٰذا (انعام) — کیا تم اس وقت حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس (تحریم و تحلیل) کا حکم دیا۔

قرآن کریم نے جو تفصیل بیان فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین عرب نے اسلام سے پہلے بھی صدقات کا ایک نظام بنا رکھا تھا جسے وہ حاجتمند لوگوں پر تقسیم کرتے تھے لیکن اس میں بہت سی ایسی چیزیں ملا دی تھیں جن سے اس نظام کی افادیت پر کاری ضرب لگتی تھی، یعنی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور بعض چوپایوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دینا۔

قرآن کریم نے اگر مشرکین کے اس پورے نظام کو لغو قرار دیا اور اس کی جگہ زکوٰۃ کا نظام تجویز فرمایا جس کی اساس اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر ہے:۔

واتوا حقہ یوم حصادہ (انعام)

اور تمام چوپایوں کو حلال قرار دے دیا، صرف وہ چند چیزیں حرام قرار دیں جن کا ذکر مندرجہ ذیل آیت میں ہے:۔

قل لا اجد فیما اوحی الیّ محرماً علیٰ طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃً او دماً مسفوحاً او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقاً اہل لغیر اللہ بہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربک غفور رحیم (انعام)

آپ کہہ دیجئے کہ جو احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو (جانور) شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر جو شخص بے تاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو (قدر ضرورت) سے تو واقعی آپ کا رب غفور رحیم ہے۔

پھر سورہ مائدہ میں اس کی انتہا اس طرح بتلا دی کہ:۔

لیس علی الذین امنوا وعملوا الصٰلحٰت جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا وامنوا وعملوا الصٰلحٰت ثم اتقوا وامنوا ثم اتقوا واحسنوا واللہ یحب المحسنین (مائدہ)

ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جب کہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں سے محبت رکھتے ہیں۔

حدیث نے بعض دوسرے حیوانات کے کھانے سے بھی منع فرمایا اور یہ قرآن کی مندرجہ ذیل آیت کے موافق تھا:۔

ویحرم علیھم الخبائث ⁂ اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں۔

چنانچہ شکاری (درندہ) جانوروں میں سے ہر ایک کے لئے دانت (ناب) والے جانور کو حرام قرار دیا، اور پرندوں میں سے ہر اس جانور کو حرام کہا جو پنجوں سے شکار کرتا ہو اس کے علاوہ شہری گدھوں کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

جہاد

مکی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ سال اس شان سے گذرے کہ مشرکینِ مکہ آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کو انواع واقسام کی تکلیفیں پہنچاتے رہے مگر آپؐ خاموشی کے ساتھ اسلام کی دعوت و تبلیغ میں مصروف رہے، کفار مکہ لوگوں کو قرآن سننے اور اس کی دعوت کو قبول کرنے سے روکتے تھے، مکی سورتوں میں اس چیز کا ذکر تفصیل سے آیا ہے۔

مکی مسلمانوں کو دو مرتبہ حبشہ کی جانب ہجرت کرنے پر بھی مجبور کیا گیا کیونکہ وہ مکہ میں رہ کر کفار کے ظلم وستم نہیں سہہ سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی اس میں تھی کہ اسلام کی دعوت کو یثرب کے باشندے قبول کریں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے معاہدہ کیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہی حفاظت کریں گے جیسی کہ اپنی، اپنے اموال اور آبرو کی کرتے ہیں چنانچہ آپؐ نے مکہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی اور مدینہ میں تشریف آوری کے کچھ دنوں بعد جہاد شروع کیا گیا۔

جہاد کی اجازت کیوں دی گئی ہے؟ قرآنِ کریم کے مطالعہ سے اس کے

دو اسباب معلوم ہوتے ہیں :۔

(۱) اگر کوئی ظلم کرے تو اس کا دفاع کیا جائے۔

(۲) اگر کوئی اشاعتِ اسلام میں رکاوٹ بنے تو اس کا دفاع[1] کیا جائے۔ خواہ یہ رکاوٹ اس شخص کی راہ میں حائل کی جائے جو اسلام کے عقائد کو اختیار کر چکا ہو اور کفار اسے انواع و اقسام کی تکلیفیں دے کر دوبارہ شرک و کفر کی طرف بلانا چاہتے ہوں، یا اگر کسی شخص نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا ہو اور کفار اسے اس مبارک ارادے سے باز رکھنا چاہتے ہوں، یا کسی داعی اسلام کی راہ میں روڑے اٹکائے جائیں ان تمام صورتوں میں جہاد مشروع ہے۔

انہی مقامات کو قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیات میں بیان فرمایا ہے :۔

(۱) سورۂ حج میں جہاد کا سب سے پہلا حکم بالفاظ ذیل نازل ہوا ہے :۔

اُذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر	ان لوگوں کو اجازت دی گئی ہے جن سے دکافروں کی طرف سے لڑائی کی جاتی ہے

[1] اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام صرف دفاعی جنگ کی اجازت دیتا ہے اور از خود اقدام جنگ کو جائز نہیں کہتا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسلام نے جہاں از خود اقدام جنگ کی ترغیب دی ہے وہ بھی غور کیا جائے تو درحقیقت دفاعی ہی ہے جارحانہ نہیں، کیونکہ اسلام کی نظر میں جنگ کا مقصد حق کی سربلندی ہے۔ اور وہ اس نظام جہاد کے ذریعہ پورے عالم کو ایک ایسے نظام حیات کی طرف بلانا چاہتا ہے جو انسانوں کو امن و سکون عطا کر سکے، جس میں ایک غریب بڑھیا بھی خلیفہ کا دامن تھام سکتی ہو، جس میں انسان کی افضلیت کا سارا مدار اس کے کردار پر ہو، اسلام دوسرے غیر اسلامی ملکوں پر از خود چڑھائی کو جائز ہی نہیں بلکہ بسا اوقات مستحسن قرار دیتا ہے، اس لئے کہ وہاں طبقات کی تقسیم دولت جاہ، اور مرتبہ کے غیر فطری معیاروں پر ہوتی ہے، جہاں اسلام کا قانون نافذ نہ ہو وہاں ظاہری نظر میں خواہ کتنا ہی امن و سکون نظر آتا ہو مگر وہاں سینکڑوں انسان صرف اس جرم میں جانوروں سے زیادہ بدتر زندگی گذارتے خواہ زبان باقی بر صفحہ آئندہ

الّذین اُخرجوا من دیارھم بغیر حقٍّ الّا ان یقولوا ربّنا اللہ ولولا دفع اللہ النّاس بعضھم ببعضٍ لھدّمت صوامع وبیعٌ وصلوٰتٌ ومسٰجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرًا ولینصرنّ اللہ من ینصرہٗ انّ اللہ لقویٌّ عزیزٌ الّذین ان مکّنّٰھم فی الارض اقاموا الصّلوٰۃ واٰتوا الزّکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور (حج)

اس وجہ سے کہ ان پر (بہت) ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کردینے پر پوری قدرت رکھتا ہے (آگے ان کی مظلومیت کا بیان ہے) جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے کے ہاتھ سے زور نہ گھٹواتا رہتا تو (اپنے اپنے زمانوں میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے اور بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے (وہ جس کو چاہے غلبہ اور قوت دے سکتا ہے) یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور دوسروں کو بھی نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا کے اختیار میں ہے۔

سابقہ حاشیہ صـ ۹۶ ۔ ہیں کہ ان کے پاس زیادہ مال و دولت نہیں یا وہ کسی نیچ ذات کے فرد ہیں ایسے ملکوں کے عوام خواہ زبان سے کسی انقلاب کے خواہاں نہ ہوں مگر ان کا لاشعور دینی مظلومیت کے نوحے پڑھتا رہتا ہے اور وہ زبانِ حال سے کسی ایسے نظام حیات کو مدد کے لئے پکارتے ہیں جیسے کسی ایسی ذات کو مصیبت کے وقت پکار سکیں جو ہر چیز اور ہر کام پر قادر ہے، یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام ہمیں یہ بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے جس ملک کو بھی فتح کیا وہاں کے عوام نے ان کی حکومت کا غیر معمولی طور پر خیر مقدم کیا، فتح مکہ سے لے کر آخری دور تک کی تاریخ کا مطالعہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

ھ بشری ذہنیت نے جنم نہ دیا ہو جس میں وہ کسی ھ

مذکورہ آیت سورۂ شوریٰ (مکی) کی اس آیت کی تفسیر معلوم ہوتی ہے جس میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

ولمن انتصر بعد ظلمہٖ فاولٰئک ما علیھم من سبیل انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق اولٰئک لھم عذاب الیم ٭

اور جو اپنے اوپر ظلم ہو چکنے بعد برابر کا بدلہ لے لے سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی (اور زبجر) کرتے ہیں ایسوں کے لیے دردناک عذاب (مقرر) ہے۔

(سابقہ حاشیہ ص۹۷): مطالعہ کر جائیے، جس ملک کو بھی مسلمانوں نے صحیح اسلامی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے فتح کیا اور وہاں اسلامی نظام رائج کیا اس ملک کے عوام نے ہمیشہ اس کو قبول کرنے میں بے پناہ جوش وخروش کا مظاہرہ کیا، گویا وہ صدیوں سے اسبات کے منتظر تھے کہ کوئی مردِ مجاہد اٹھے اور انہیں ظلم وستم کے ان شکنجوں سے نجات دلائے جن میں انسانیت کسی ہوئی سسک رہی تھی چنانچہ خالد بن ولیدؓ طارق بن زیادؒ محمد بن قاسمؒ، قتیبہ بن مسلمؒ محمد فاتحؒ اور محمود غزنویؒ صرف اپنے اصلی ممالک ہی کے مایۂ ناز فاتحین نہ تھے بلکہ ان تمام ممالک کے عوام کی نظر میں بھی ایک محبوب ہیرو کی حیثیت رکھتے تھے جنہیں فتح کرنے کے لیے انہوں نے تلوار اٹھائی تھی، اس سے واضح ہو گیا کہ اسلام نے از خود اقدامِ جنگ کیا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے، لیکن درحقیقت یہ اس انسانیت کا دفاع تھا جس کا دامن عصمت تار تار کرنے کے لیے بیشمار خود ساختہ نظام وجود میں آچکے تھے جارحانہ جنگ اس وقت مذموم ہوتی ہے جب اس کی بنیاد ہوسِ ملک گیری کے سوا کچھ نہ ہو گا، جس کا نتیجہ صرف یہ نکلے کہ ایک آمر کی حدود سلطنت وسیع ہو جائیں اور اگر وہ پہلے ہزار انسانوں کا خون پیتا تھا تو اب لاکھ کا پینے لگے لیکن جس اقدام جنگ کا مقصد زیادہ سے زیادہ انسانوں کو ظلم کے پنجہ سے چھڑانا اور ان میں ایک فطری نظامِ حیات کے تحت زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کرنا ہو وہ انسانیت پر ایک عظیم احسان ہے اسلام جس جنگ کو جہاد کہتا ہے اس کا مقصد یہی ہے، ۱۲ مترجم۔

(۲) سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان الله لا یحب المعتدین و اقتلوهم حیث ثقفتموهم و اخرجوهم من حیث اخرجوکم والفتنة اشد من القتل ولا تقتلوهم عند المسجد الحرام حتی یقتلوکم فیه فان قتلوکم فاقتلوهم کذلك جزاء الکافرین فان انتهوا فان الله غفور رحیم و قتلوهم حتی لا تکون فتنة و یکون الدین لله فان انتهوا فلا عدوان الا علی الظالمین الشهر الحرام بالشهر الحرام والحرمت قصاص فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم واتقوا الله واعلموا ان الله مع المتقین ۵۲ ع ۲۴

اور بے تکلف لڑو تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جو (نقض عہد کر کے) تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور (از خود حد (دین) سے نہ نکلے واقعی اللہ تعالیٰ حد (قانون شرعی) سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے (اور جس حالت میں وہ خود عہد شکنی کریں اس وقت خواہ) ان کو قتل کرو جہاں ان کو پاؤ اور خواہ ان کو نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تم کو نکلنے پر مجبور کیا ہے اور شرارت قتل سے بھی سخت تر ہے اور ان کے ساتھ مسجد حرام کے قرب (و نواح) میں (کہ حرم کہلاتا ہے) قتال مت کرو جب تک کہ وہ لوگ وہاں تم سے خود نہ لڑیں۔ ہاں اگر وہ (کفار) خود ہی لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو تم (بھی) ان کو مارو ایسے کافروں کی (جو حرم میں لڑنے لگیں) ایسی ہی سزا ہے پھر اگر وہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آجائیں (اور اسلام قبول کریں) تو اللہ تعالیٰ بخش دیں گے اور مہربانی فرمائیں گے اور ان کے ساتھ اس حد تک فساد کرو اور عقیدہ (شرک) نہ رہے اور ان کا دین (خالص) اللہ کا ہی کا ہو جائے اور اگر وہ لوگ (کفر) سے باز آجائیں تو سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی بجز بے انصافی کرنے والوں کے حرمت والا مہینہ ہے بعوض حرمت والے مہینہ کے اور یہ حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں سو جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ ان ڈرنے والوں کے

ساتھ ہوتے ہیں۔

اور سورۂ انفال میں ہے :۔

وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ و یکون الدّین کلہ للّٰہ فان انتھوا فانّ اللّٰہ بما یعملون بصیر وان تولوا فاعلموا انّ اللّٰہ مولٰکم نعم المولیٰ ونعم النّصیر ؛

اور تم ان (کفار عرب) سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ یعنی شرک نہ رہے اور دین خالص اللہ ہی کا ہو جائے پھر اگر کفر سے باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں اور اگر روگردانی کریں تو یقین کر رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہے وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔

(۳) سورۂ نسار میں فرمایا :۔

ومالکم لا تقاتلون فی سبیل اللّٰہ والمستضعفین من الرّجال والنّسآء والولدان الّذین یقولون ربّنا اخرجنا من ھٰذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لّدنک ولیًّا واجعل لنا من لّدنک نصیرًا ؛

اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کی خاطر سے جن میں کچھ مرد ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لیے غیب سے کسی دوست کو کھڑا کیجئے اور ہمارے لئے غیب سے کسی حامی کو بھیجئے۔

(۴) اس سورہ میں مشرکین کی ایک جماعت کے متعلق جو نہ اپنی قوم سے جنگ کرنا چاہتی تھی نہ مسلمانوں سے ہی ، بلکہ وہ فتنہ سے ایک کنارہ ہو کر رہنا چاہتے تھے، فرمایا :۔

فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم و القوا الیکم السّلم فما جعل اللّٰہ

پھر اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں یعنی تم سے نہ لڑیں اور تم سے سلامت روی

لکم علیھم سبیلاً ۵ — رکھیں تو اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی۔

* * *

نہ کہ اس میں تذبذب ہو، اور اگر ایسے ہوں تو ان کے متعلق حکم کی اس طرح صراحت فرمادی کہ:-

ستجدون آخرین یریدون ان یامنوکم و یامنوا قومھم کلما ردوا الی الفتنۃ ارکسوا فیھا فان لم یعتزلوکم و یلقوا الیکم السلم و یکفوا ایدیھم فخذوھم واقتلوھم حیث ثقفتموھم و اولئکم جعلنا لکم علیھم سلطانا مبینا ۔ — یعنی ایسے بھی تم کو ضرور ملیں گے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں اور اپنی قوم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں جب کبھی ان کو شرارت کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو وہ اس میں جا گرتے ہیں سو یہ لوگ اگر تم سے کنارہ کش نہ ہوں اور نہ تم سے سلامت روی رکھیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں تو تم ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ اور ہم نے تم کو ان پر صاف حجت دی ہے۔

صلح کے بارے میں سورہ انفال میں یوں ارشاد ہے۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لھا و توکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم و ان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک اللہ ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمؤمنین والف بین قلوبھم ۔ — اور اگر وہ کفار صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس طرف جھک جائیے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو اللہ آپ کے لئے کافی ہے اور وہی ہے جس نے آپ کو اپنی (غیبی) امداد (ملائکہ) سے اور (ظاہری امداد) مسلمانوں سے قوت دی اور ان کے قلوب میں اتفاق بھر دیا۔

اور سورہ توبہ میں فرمایا:-

وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر — اور اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین

انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون ۔ الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدؤکم اول مرۃ اتخشونھم فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مؤمنین ۔

(اسلام) پر طعن کریں تو تم لوگ اس قصد سے کہ یہ باز آجائیں ان پیشوایان کفر سے (خوب) لڑو کیونکہ اس صورت میں ان کی قسمیں باقی نہیں رہیں، تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے جلاوطن کر دینے کی تجویز کی اور انہوں نے تم سے پہلے چھیڑ نکالی کیا ان سے (لڑنے میں) ڈرتے ہو سو اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

یہ تمام احکام تم کو اس مطلب تک پہنچا دیں گے جس کا ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے اور وہ یہی ہے کہ جہاد صرف دشمنی کے دور کرنے اور فتنہ دین میں امن پیدا کرنے کی غرض سے تھا۔

یہود مدینہ نے قریش کو اور منافقین کو مسلمانوں کے خلاف بری طرح بھر دیا تھا اور یہ سب ان کے غزوہ احزاب میں بے ڈر ڈرا دیا تھا جس سے ان میں سخت زلزل واقع ہو گیا تھا اور یہ سب ان کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحریری اقرار ناموں کے بعد ہوا تھا پس انہوں نے معاہدوں کو توڑا اور ان معاہدوں کے مطابق عمل کرنا چھوڑ دیا لہٰذا مسلمانوں کو ان سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جیسا کہ سورۂ توبہ میں فرمایا:۔

قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون ۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے جن کو خدا تعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔

جہاد کا حکم صرف قریش کے لیے اور ان کے یہود مدینہ کے لیے محدود تھا جو مشرکین کی طرف مائل تھے اور جن کے ساتھ جزیرہ عرب کے قبائل متحد ہو گئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ

نے سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ واعلموا ان اللہ مع المتقین ؛

اور ان مشرکین سے سب سے لڑنا جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کا ساتھی ہے۔

اور قرآن کی مصالحانہ روح کی تائید اور اس کی وضاحت کے لیے سورہ ممتحنہ میں جو ارشاد فرمایا گیا ہے وہ بہت کافی ہے۔

لاینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین و لم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین انما ینھٰکم اللہ عن الذین قٰتلوکم فی الدین و اخرجوکم من دیارکم وظٰھروا علی اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظالمون ؀

اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں، صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں (خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور (اگر نکالا بھی نہ ہو لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی) مدد کی ہو اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا سو وہ گنہگار ہوں گے۔

معاہدات اور وثائق

قرآن مجید نے جس امر کی طرف خاص توجہ دلائی ہے وہ عہد ناموں اور اقرارات کی پابندی ہے اور اس کی خلاف ورزی کی کراہت ہے اور اس کے متعلق بہت تاکیدی احکام دیے جس میں سے بعض تو عام ہیں اور بعض خاص۔

علم احکام کی مثالوں میں اولاً سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود ط — اے ایمان والو تمہارے عہدوں کو پورا کرو

اور اس کے بعد فرمایا سورہ نحل میں یہ ارشاد فرمایا گیا۔

واوفوا بعھد اللہ اذا عٰھدتم ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا وقد جعلتم اللہ علیکم کفیلا ان اللہ یعلم ما تفعلون ولا تکونوا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا تتخذون ایمانکم دخلا بینکم ان تکون امۃ ھی اربیٰ من امۃ

اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم اس کو (تخصیصاً یا تعمیماً) اپنے ذمہ کر لو اور قسموں کو بعد ان کے مستحکم کرنے کے مت توڑو اور تم اللہ تعالیٰ کو گواہ بھی بنا چکے ہو بے شک اللہ تم کو معلوم ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور تم اس عورت کے مشابہ مت بنو جس نے اپنا سوت کاتنے پیچھے بوٹی بوٹی کر کے توڑ ڈالا کہ اس کی طرح (تم بھی) اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو محض اس وجہ سے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جائے اور سورہ اسراء میں اس طرح ارشاد فرمایا گیا کہ

واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولاً ط — اور عہد (مشروع) کو پورا کرو بیشک (ایسے) عہد کی بازپرس ہونے والی ہے۔

لیے خصوصی احکام تو جس طرح سورہ برارت میں مشرکین سے برارت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا:۔

الا الذین عٰھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا ولم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم ان اللہ یحب المتقین ط

ہاں مگر وہ مشرکین مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی سو ان کے معاہدہ کو ان کی مدت (مقررہ) تک پورا کرو واقعی اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔ اسی سورہ میں مذکورہ حکم کے بعد فرمایا کہ۔

الا الذین عٰھدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا لکم فاستقیموا

مگر جن لوگوں سے تم نے مسجدِ حرام کے نزدیک عہد لیا ہے سو جب تک کہ لوگ

لعمانّ اللہ یحب المتقین ؕ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح ہی رہو بے شک اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں

ان احکام سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بیزاری انہیں مشرکین سے کی گئی تھی جنھوں نے یا تو معاہدات کی خلاف ورزی کی تھی یا ان سے خیانت ظاہر ہونے کے دلائل موجود تھے کیونکہ سورہ کی ابتدا میں تو یہ فرمایا گیا تھا کہ۔

براءۃ من اللہ و رسولہ الی الذین عٰھدتم من المشرکین ؕ اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین کے عہد سے دست برداری ہے جن سے تم نے (بلا تعین مدت) عہد کر رکھا تھا۔

پھر ان سے ان کو مستثنیٰ فرمایا گیا جن کا ذکر کیا گیا جو دراصل نفاذ ہے ان احکام کا جو سورہ انفال میں دیے گئے۔

واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علیٰ سواء ان اللہ لا یحب الخائنین ؕ اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت (یعنی عہد شکنی) کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیجئے کہ آپ اور وہ اس اطلاع میں) برابر ہو جائیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

اور خوف تو اسی وقت ہوتا ہے جب کہ وہ باتیں ظاہر ہو جائیں جو دشمنی کے اعمال پر دلالت کریں کیونکہ جس نے اپنے عہد کو نہ توڑا ہو اور نہ اس نے بحیثیت دشمن کے تظاہر کیا ہو اور اپنے وعدہ پر قائم ہو تو بو جب نص اس پر کوئی راستہ ہی نہیں۔

اور انہیں احکام میں سے ایک حکم بھی اس وقت کا ہے جب کہ ان کو ان منافقین کے دور کرنے کی ترغیب دلائی جو ان کے خلاف پوشیدہ کاروائیوں میں مصروف تھے چنانچہ سورۂ نساء میں ارشاد الٰہی ہے۔

الا الذین یصلون الیٰ قوم بینکم و بینھم میثاق ؕ مگر جو لوگ ایسے ہیں جو کہ ایسے لوگوں سے جا ملتے ہیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہے۔

اور یہ حکم معاہدہ کرنے والوں کے ملک کا احترام واجب کرانا ہے اور یہ کہ وہ حفاظت کرتا ہے ان لوگوں کی جو اس سے زمین سے متصل ہیں۔

اور انہیں احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ جس قوم سے معاہدہ ہو ان کے کسی آدمی کو خطا سے قتل کرنے کا وہی حکم ہے جو ایک مسلمان کو خطار سے قتل کا حکم ہے چنانچہ اسی سورہ میں ارشاد ہے۔

وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ وتحریر رقبۃ مؤمنۃ ؕ

اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو تو خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کو حوالہ کر دی جائے اور ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا۔

اور یہ حکم دراصل وہی ہے جو ایک مسلمان کو خطار کے قتل کرنے کا دیا گیا تھا جیسا کہ ارشاد الہٰی ہے۔

ومن قتل مؤمنًا خطاءً فتحریر رقبۃ مؤمنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ الا ان یصدقوا ؕ

اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کو حوالہ کر دی جائے مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں۔

اور دشمن قوم میں سے کسی مسلمان کو قتل کرنے کا معاوضہ اس سے کم رکھا گیا جیسا کہ ارشاد ہے۔

فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبۃ مؤمنۃ۔

اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو جو تمہارے مخالف ہیں اور وہ شخص خود مومن ہے تو ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا۔

اور ایک حکم یہ بھی ہے کہ ان مسلمان کے بارے میں جو دشمن کے ملک میں ہوں اور وہاں سے ہجرت کریں جو سورہ انفال میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وان استنصروکم فی الدین

اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد

فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینھم میثاق ؕ

چاہیں تو تمہارے ذمہ مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں باہم عہد (صلح کا) ہو کہ معاہدہ کا حق سب حقوق سے مقدم رکھا گیا۔

اور صلح کی کوئی مدت نہیں رکھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول میں اس کو بالکل غیر مقید رکھا ہے چنانچہ سورہ انفال میں ارشاد ہے۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم ؕ

اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس طرف جھک جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

جنگی قیدی

قرآن مجید نے جنگی قیدیوں کے احکام صراحت سے بیان کر دیے ہیں چنانچہ سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ارشاد الٰہی ہے۔

حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد و اما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا ؕ

یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خون ریزی کو چکو تو خوب مضبوط باندھ لو پھر اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا جب تک کہ لڑنے والے اپنے ہتھیار نہ رکھ دیں۔

اس طرح ارباب اقتدار کو دو باتوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کا اختیار دے دیا ایک تو احسان جو در اصل معاف کر کے بغیر کسی معاوضہ کے رہا کر دینا اس پر فدیہ یعنی معاوضہ لے کر چھوڑ کر دینا لیکن یہ "اثخان فی الارض" کے ساتھ مشروط ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کفار کی خوب خون ریزی نہ ہو جائے اس وقت تک جنگی قیدیوں کو معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ رہا کر دینا جائز نہیں، چنانچہ جنگ

بدر کے موقع پر جب کہ خونریزی کی یہ شرط پوری نہیں ہوئی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد فرما دیا تھا اس موقعہ پر باری تعالیٰ نے آپؐ پر ایک محبوبانہ عتاب فرمایا چنانچہ ارشاد ہے۔

ما کان لنبی ان یکون له اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا والله یرید الاٰخرة والله عزیز حکیم۔	نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں (بلکہ قتل کر دیے جائیں) جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح (کفار کی) خونریزی نہ کرلیں تم تو دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو

اور اللہ تعالیٰ آخرت (کی مصلحت) کو چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست بڑی حکمت والے ہیں۔

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص اسباب کی بنار پر بعض قیدیوں کے قتل کا حکم صادر فرمایا بدر میں عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا اور جنگ احد میں ابی عزہ جمحی کے قتل کا جس سے جنگ بدر میں اقرار لیا گیا تھا کہ آپؐ کے خلاف کسی کی مدد نہ کرے تو اس نے اپنے اقرار کو پورا نہ کیا اور جیسے کہ آپؐ نے بعد فتح مکہ معظمہ مکہ کے آٹھ آدمیوں کا قتل ان جرائم کی بنار پر جس کے وہ مرتکب ہوئے تھے مباح فرما دیا تھا۔

غلام اور غلامی

جس وقت اسلام آیا تو عربوں کے ہاتوں میں غلام موجود تھے تو اسلام نے ان غلاموں کو باقی رکھا جو ان کے قبضہ میں تھے چنانچہ سورہ مومنون میں جو مکی ہے ارشاد فرمایا۔

والذین هم لفروجهم حٰفظون الا علیٰ ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین ط	اور جو اپنی شرمگاہوں کو (حرام شہوت رانی) سے حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی) لونڈیوں سے

حفاظت نہیں کرتے (کیونکہ ان پر اس میں) کوئی الزام نہیں۔

اور اسی طرح سورہ معارج میں بھی جو مکی ہے ارشاد فرمایا یعنی مسلمانوں کو کوئی جنگ

پیش آنے کے پہلے اور اسی طرح سورہ نسار میں جو مدنی ہے ارشاد فرمایا۔

فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ط

پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی۔

اس کے بعد ان کو غلاموں کے آزاد کرنے اور غلامی دور کرنے کے لیے کئی طریقوں سے ترغیب دلائی (اولاً) سورہ بلد میں شکر ادا کرنے کا سب سے پہلا طریقہ یہ تبلایا کہ وہ غلاموں کو آزاد کرے چنانچہ اس پر اپنے احسان جتانے کے بعد ارشاد فرمایا

فلا اقتحم العقبۃ وما ادرٰک ما العقبۃ فک رقبۃ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ یتیماً ذا مقربۃ او مسکینا ذا متربۃ ثم کان من الذین امنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمۃ اولٰئک اصحٰب المیمنۃ ط

سو وہ شخص (دین کی) گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا اور آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی سے کیا (مراد) ہے وہ کسی کی گردن کا غلامی سے چھڑا دینا ہے یا کھانا کھلانا فاقہ کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی خاک نشین محتاج کو (یعنی ان احکام الٰہیہ کو بجا لانا چاہیئے تھا) پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ان لوگوں میں سے نہ ہوا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو ایمان کی، پابندی کی فہمائش کی اور ایک دوسرے کو ترحم (علی الخلق) کی (یعنی ترک ظلم کی) فہمائش کی یہی لوگ داہنے والے ہیں۔

اس طرح غلامی کی آزادی کو ان خصلتوں کا پیشوا بنایا جن کو انسان اپنے مولا کی شکر گزاری کے طور پر اختیار کرے۔

(ثانیاً) غلامی آزادی کو گناہوں کے اکثر کفارات میں مقدم رکھا مثلاً خطا سے قتل کے کفارہ کے بارہ میں سورہ نسار میں ارشاد فرمایا:۔

ومن قتل مؤمناً خطأً فتحریر رقبۃ مؤمنۃ ط

اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے۔

اور کفارہ ظہار کے بارہ میں سورہ مجادلہ میں ارشاد فرمایا۔

والذین یظاھرون من نسآئھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا ؕ

اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنی چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں میاں بیوی باہم اختلاط کریں۔

اور سورہ مائدہ میں کفارہ یمین (قسم) کے متعلق ارشاد فرمایا۔

فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبۃ ط

سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا۔

(سوم) زکوٰۃ کے مصارف کی جہاں تفصیل بیان فرمائی وہاں آٹھ حصوں میں سے ایک حصہ "آزادی" دلانے کے لیے رکھا گیا یعنی امام وقت جو مسلمانوں سے زکوٰۃ لے گا اس حصہ کی رقم غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کرے گا۔

(چہارم) حکم فرمایا کہ جو غلام اپنی آزادی کے لیے تحریری معاہدہ چاہے تو اس کو قبول کیا جائے اور اس تحریری معاہدہ کی بنا پر جس قدر رقم ان سے مطلوب ہو اس کے کرنے کیلئے ان کی مدد کرنے کا حکم دیا چنانچہ سورہ نور میں ارشاد ہے:۔

والذین یبتغون الکتٰب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرًا و اٰتوھم من مال اللہ الذی اٰتٰکم ط

اور تمہارے جو لوگوں میں سے جو مکاتب[ع] ہونے کے خواہاں ہوں تو (بہتر ہے کہ) ان کو مکاتب بنایا کرو اگر ان میں بہتری کے آثار پاؤ اور اللہ کے دیے ہوئے اس مال میں سے ان کو بھی دو جو اس نے تم کو دے رکھا ہے تاکہ جلدی آزاد ہو جائیں)۔

ع "مکاتب" کا مطلب ہے اپنے غلام کو کچھ مال لے کر آزاد کر دینا ۱۲ م۔ ن۔ ع۔

اس کے علاوہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم سے غلاموں کے آزاد کرانے کے بارہ میں بڑی ترغیبات مروی ہیں اور بار بار کی وصیتیں ان پر رحم کرنے کے بارہ میں جو ان کے پاس اس وقت بحیثیت غلام موجود تھے فرمائی جاتی تھیں اور قرآن میں ایک بھی حکم صریح غلام بنانے کے بارہ میں موجود نہیں ہے یعنی جنگ میں قید ہونے والوں کو غلام بنانے کا حکم نہیں ہے۔

جنگ کا مالِ غنیمت

عرب کی عادت تھی کہ وہ غنیمتیں حاصل کیا کرتے اور مالِ غنیمت لڑنے والوں پر تقسیم کیا کرتے اور سردار قوم کے لیے ایک بڑا حصہ رکھا کرتے جیسا کہ ان کے ایک شاعر نے کہا ہے۔

لك المرباع منها والصفايا وحكمك والنشيطة والفضول ؎

تیرے لیے چوتھائی حصہ اور عمدہ چیزیں ہیں اور تجھے فیصلہ کا مکمل اختیار ہے اور نشیط اور فضول بھی تیرے ہی لیے ہے۔

اس میں مرباع سے مراد غنیمت کی چوتھائی ہے اور صفایا سے مراد وہ عمدہ چیز جس کو سردار قوم اپنے لیے منتخب کرلے اور نشیط سے مراد وہ چیز جو لڑنے والوں کے ہاتھ میں لوٹ سے پہلے پڑ جائے اور فضول سے مراد وہ چیز جو تقسیم کے بعد زیادہ رہے یعنی تقسیم سے بچ جائے۔ جب اسلام آیا تو سب سے پہلی غنیمت جو مسلمانوں کو ملی وہ تھی جو ان کو غزوہ بدر میں ملی تھی تو انہوں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ اس غنیمت کی تقسیم کس طرح کی جائے جس پر سورہ انفال میں اس تقسیم کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح بتلایا۔

يسئلونك عن الانفال قل الانفال لله والرسول ؎

یہ لوگ آپ سے خاص غنیمتوں کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی ہیں۔

پھر اپنے اس ارشاد سے اس کی تقسیم کی صراحت فرمادی کہ۔

واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه وللرسول ولذی القربیٰ والیتامی والمساکین وابن السبیل ۔

اور اس بات کو جان لو کہ جو شے (کفار سے) بطور غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا ہے اور (ایک حصہ) آپ کے قرابت داروں کا ہے اور (ایک حصہ) یتیموں کا ہے اور ایک حصہ) غریبوں کا ہے اور (ایک حصہ) مسافروں کا ہے ۔

چنانچہ رسول علیہ السلام مال غنیمت کا پانچواں حصہ لے کر ان لوگوں پر تقسیم فرما دیا کرتے تھے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذکر چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

لیس لی من مغنمکم الا الخمس والخمس یرد علیکم ۔

مجھے تمہارے مال غنیمت میں سے بجز پانچویں حصہ کے اور کچھ نہیں ملتا ہے اور وہ پانچواں حصہ بھی تم پر ہی لوٹا دیا جاتا ہے

کیونکہ اس پانچویں حصہ میں سے بڑی مقدار آپ مصالح عامہ میں ہی صرف فرما دیا کرتے تھے ۔

اور فئ کے بارہ میں سورہ حشر میں فرمایا اور فئ سے مراد وہ مال ہے جس کے حاصل کرنے میں مسلمانوں کو نہ گھوڑے دوڑانے پڑے ہوں اور نہ اونٹ ۔

للفقراء المهجرين الذين اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلاً من الله و رضوانا ط

جو کچھ اللہ تعالیٰ (اسی طور پر) اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے (کافر) لوگوں سے دلوا دے (جیسے فدک اور ایک حصہ خیبر کا سو وہ (بھی) اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور (آپ کے) قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا تاکہ وہ (مال فئ) تمہارے تونگروں کے قبضہ میں نہ آجائے ۔ پھر ارشاد فرمایا ۔

للفقراء المھجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلاً

اللہ تعالیٰ کے فضل (یعنی جنت) اور رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور

من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ و رسولہ اولئک ھم الصدقون و الذین تبوؤا الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا و یؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون والذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رءوف رحیم

اس کے رسول (کے دین) کی مدد کرتے ہیں (اور) یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں اور (نیز) ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دارالاسلام (یعنی مدینہ) میں ان (مہاجرین) کے (آنے کے) قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے، اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور (مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ (انصار) اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو اور (واقعی جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کا (بھی اس مال فئی میں) حق ہے) جو ان کے بعد آئے جو (ان مذکورہ دین کے حق ہیں) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو (بھی) جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے (دیجیے) اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں ۔

سنت نے ان غزوات میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک تھے احکام قرآن کی وضاحت عملاً کر دی جن میں سے بعض کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے اور بعض کا نہیں ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مختلف ٹولیاں روانہ فرمائیں وہ سب احکام قرآن کے مطابق تھے ۔ جن غزوات کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے وہ حسب ذیل ہیں ۔

(۱) غزوہ بدر جو ۲ ہجری میں واقع ہوا جس کا ذکر سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ

نے اپنے اس ارشاد سے فرمایا کہ۔

کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وان فریقا من المومنین لکٰرھون ط

جیسا آپ کے رب نے آپ کے گھر (واپسی) سے مصلحت کے ساتھ آپ کو (بدر کی) طرف کیا روانہ اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔ اور سورۃ آل عمران میں بھی اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد سے فرمایا۔

ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلۃ ط

اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو بدر میں منصور فرمایا حالانکہ تم بے سروسامان تھے اور کئی آیات میں اس قصہ کی تکمیل ہوئی ہے۔

(۲) غزوہ احد جو ۳ھ ہجری میں واقع ہوا جس کا ذکر سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے شروع ہوتا ہے اور کئی آیات میں اس کی تفصیل ہے۔

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین ۵

اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔

(۳) غزوہ حمراء الاسد جو اسی مذکورہ بالا سال میں واقع ہوا جس کا ذکر سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں موجود ہے۔

الذین استجابوا للہ والرسول من بعد ما اصابھم القرح ط

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو قبول کر لیا بعد اس کے کہ ان کو زخم لگا تھا۔

(۴) غزوہ بدر اخری جو ۴ھ میں واقع ہوا جس کی طرف سورہ آل عمران میں میں قرآن مجید نے اس طرح اشارہ کیا۔

الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا

یہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ ان لوگوں نے تمہارے لیے سامان جمع کیا ہے سو تم کو ان سے اندیشہ

اللہ و نعم الوکیل فانقلبوا بنعمۃ من اللہ و فضل لم یمسسھم سوءٌ واتبعوا رضوان اللہ و اللہ ذو فضل عظیم ۝

کرنا چاہیئے تو اس نے ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیا اور کہہ دیا کہ ہم کو حق تعالیٰ ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لیے اچھا ہے پس یہ لوگ خدا کی نعمت اور فضل سے بھرے ہوئے واپس آئے کہ ان کو کوئی ناگواری ذرا پیش نہیں آئی اور وہ لوگ رضائے حق کے تابع رہے اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے۔

(۵) غزوہ بنی النضیر کہ وہ بھی ۴ھ میں ہی واقع ہوا اور قرآن مجید نے سورہ حشر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول پاک سے ذکر کیا جو کئی آیات تک مسلسل بیان فرمایا ہے۔

ھو الذی اخرج الذین کفروا من اھل الکتٰب من دیارھم لاول الحشر ۝

وہی ہے جس نے دان) کفار اہل کتاب (یعنی بنی نضیر) کو ان کے گھروں سے پہلی ہی بار اکٹھا کر کے نکال دیا۔

(۶) غزوہ احزاب جو ۵ھ میں واقع ہوا اور اس کا ذکر قرآن مجید کی اسی سورت میں سے جس کا نام بھی اسی غزوہ کے نام پر رکھا گیا ہے چنانچہ ارشاد الٰہی اس آیت سے شروع ہو کر کئی آیات تک چلا گیا ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جآءتکم جنودٌ فارسلنا علیھم ریحًا و جنودًا لم تروھا

اے ایمان والو اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی۔

(۷) غزوہ بنی قریظہ اسی سال ہوا جس سال غزوہ احزاب ہوا اور اسی سورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد سے اس غزوہ کا ذکر فرمایا۔

وانزل الذین ظاھروھم من اھل الکتٰب من صیاصیھم وقذف فی قلوبھم الرعب وَاَورثکم ارضھم ودیارھم واموالھم وارضًا لم تطؤھا

اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیا بعض کو تم

وکان اللہ علی فریقاً تقتلون وتاسرون فریقاً ۔ و اورثکم ارضھم ودیارھم و اموالھم و ارضا لم تطئوھا و کان اللہ علی کل شیء قدیراً

قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا اور ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا تم کو مالک بنا دیا اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

(۸) غزوہ حدیبیہ جو ۶ھ میں ہوا جس کا ذکر سورہ فتح میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں ذکر فرمایا۔

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم۔

جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ درواقع ہیں، اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں، خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

(۹) غزوہ خیبر جو ۷ھ میں واقع ہوا جس کی طرف اسی سورہ فتح میں اپنے اس ارشاد سے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ جس کا سلسلہ کئی آیات تک چلا گیا ہے۔

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم و اثابھم فتحاً قریباً و مغانم کثیرۃ یاخذونھا و کان اللہ عزیزاً حکیماً ط

بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ وہ لوگ آپ سے درخت (سمرہ) کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا اور اس وقت اللہ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو ایک لگے ہاتھ فتح دے دی اور (اس فتح میں) بہت سی غنیمتیں بھی دیں، جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست بڑا حکمت والا ہے۔

(۱۰) فتح مکہ ۸ھ میں ہوا اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ارشاد فرمایا ہے[1]

[1] سورہ حدید۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولٰئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقٰتلوا وکلاً وعد اللہ الحسنیٰ ط

جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور لڑ چکے برابر نہیں وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد جس طرح کیا اور لڑے اور (یوں) اللہ تعالیٰ نے بھلائی (یعنی ثواب) کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے۔ اور سورۂ نصر کی اس آیت میں بھی اسی کی طرف اشارہ فرمایا۔

اذا جآء نصر اللہ والفتح۔

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب خدا کی مدد اور (مکہ فتح کی) (مع اپنے آثار کے) آپہنچے (یعنی واقع ہو جائے)۔

(۱۱) غزوہ حنین جو اسی سال واقع ہوا اور جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ارشاد فرمایا ہے[۲]۔

لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المؤمنین وانزل جنوداً لم تروھا وعذب الذین کفروا وذٰلک جزآء الکٰفرین ط

تم کو خدائے تعالیٰ نے (لڑائی کے) بہت موقعوں میں (کفار پر) غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر (آخر) تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (کے قلب) پر اور دوسرے مومنین کے قلوب پر (اپنی طرف سے) تسلی نازل فرمائی اور (مدد کے لیے) ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہ کافروں کی (دنیا میں) سزا ہے۔

(۱۲) غزوہ تبوک اور یہ تنگی کا غزوہ تھا، جو ۹ھ میں واقع ہوا اور اس غزوہ

---

[۲] سورہ توبہ۔

تھا جو ۹ھ میں واقع ہوا اور اس غزوہ کی بہت سی تفصیلات سورہ توبہ میں ارشاد فرمائی ہیں اور قرآن مجید میں غزوات کے ذکر میں سب سے زیادہ طویل ذکر کا غزوہ یہی ہے چنانچہ اس غزوہ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے شروع ہوتا ہے جو آخر سورہ کے قریب تک چلا گیا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوٰۃ الدنیا من الآخرۃ فما متاع الحیوٰۃ الدنیا فی الآخرۃ الا قلیل۔	اے ایمان والو تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو کیا تم نے آخرت کے عوض دنیا کی زندگانی پر قناعت کر لی سو دنیاوی زندگی کا تمتع تو آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں بہت قلیل ہے۔

اور ان تمام غزووں میں قرآن مجید کے قواعد کے مطابق عمل رہا جن کا قرآن مجید میں ذکر فرمایا گیا یعنی دشمنوں کا دور کرنا، اور امن کے ساتھ دعوت اسلام دینا اور صلح کی طرف صلح کرنے والوں کے ساتھ میلان، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اسی وقت تک اس دنیا میں رہی جب تک کہ جزیرہ عرب کل آپ کے تابع نہ ہو گیا۔

عائلی نظام

خانہ داری کے جس نظام کی تفصیلات قرآن مجید نے بیان کی ہیں اور جو احکام دیے ہیں ان کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے۔

شادی بیاہ

قرآن مجید نے نکاح کا حکم دیا اور نکاح کی بندش کا نام "میثاق غلیظ" (یعنی مضبوط عہد) رکھا جیسا کہ سورہ نساء میں ارشاد ہے۔

واخذن منکم میثاقاً غلیظاً ط — اور وہ عورتیں تم سے ایک مضبوط اقرار لے چکی ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے احسانات میں سے شمار کیا ہے کہ اس نے میاں بیوی کے درمیان محبت اور مودت کا مقدس رشتہ قائم کیا چنانچہ سورہ روم میں ارشاد ہوتا ہے

ومن اٰیٰتہٖ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون ط — اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔

اور میاں بیوی میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا جیسا کہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

ھن لباس لکم وانتم لباس لھن ؕ — کیونکہ وہ تمہارے دبجاتے) اوڑھنے بچھونے کے ہیں اور تم ان کے دبجاتے) اوڑھنے بچھونے کے ہو۔

اور اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ان سے تسکین پاتے ہو اور وہ تم سے تسکین پاتی ہیں۔ ایک اور آیت میں باری تعالیٰ نے رات کو بھی انسانوں کے لیے لباس قرار دیا ہے، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس میں تسکین پاتے ہو۔

اور سنت رسولؐ نے بھی نکاح کی شدت کے ساتھ ترغیب دی جس سے امت کی عددی زیادتی کا خیال بھی پیش نظر ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

تناکحوا وتناسلوا فانی مباہ بکم الامم یوم القیامۃ ط — نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ کیونکہ میں تمہارے ذریعے دوسری امتوں کے سامنے فخر کروں گا۔

اور قرآن مجید نے نکاح پر اپنے اس قول سے سورہ نور میں ترغیب دلائی کہ۔

(وانکحوا الایامی منکم والصّٰلحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقرآء یغنھم اللہ من فضلہ واللہ واسعٌ علیمٌ ؛

اور تم میں (یعنی احرار میں) جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور (اسی طرح) تمہارے غلام اور لونڈیوں میں سے جو اس (نکاح) کے لائق ہو اس کا بھی، اگر وہ مفلس ہوں گے تو خدا تعا (اگر چاہے گا) ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ تعالیٰ خوب وسعت والا ہے خوب جاننے والا ہے

چونکہ عربوں کے پاس بیویوں کی تعداد کے لیے کوئی حد نہ تھی کہ اس کی پابندی کرتے اس لیے بعض اوقات ایک آدمی دس دس عورتوں سے نکاح کر لیتا تھا۔ قرآن مجید نے نکاح کی تعداد کے لیے ایک معتدل حد مقرر کر دی اور ساتھ ہی یہ ارشاد بھی فرمادیا کہ اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم بیویوں کے درمیان عدل وانصاف سے کام نہ لے سکو گے تو پھر ایک ہی شادی کرو۔

چنانچہ سورۂ نساء میں ارشاد ہے

فانکحوا ما طاب لکم من النسآء مثنیٰ وثلاث وربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذٰلک ادنیٰ الا تعولوا ط

تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کر لو دو دو عورتوں سے اور تین تین سے اور چار چار عورتوں سے پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے

ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت چند امور کی بناء پر دی گئی ہے۔

(۱) طبیعت انسانی کی ضرورت، تجربہ نے بتایا کہ اکثر اوقات ایک بیوی کافی نہیں ہوتی۔

(۲) نسل کی کثرت، لیکن یہ مشروط ہے ظلم کا خوف نہ ہونے پر جو ایسی خرابی ہے کہ شارع کی نظر میں ان دونوں مصلحتوں پر غالب ہے اور بیویوں کی زیادتی شارع کی نظر میں ان اسلامی شعائر میں سے نہیں ہے جس کے بغیر چارہ نہ ہو بلکہ وہ ان مباح امور میں سے ہے جن کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ خود صاحب معاملہ ہی پر ہے چاہے کرے چاہے چھوڑ دے بشرطیکہ حدود الٰہی سے تجاوز نہ کرے۔ حاشیہ بر صفحہ آئندہ

اور قرآن مجید نے ایک مسلمان کے لیے بعض ان عورتوں سے رشتۂ نکاح قائم کرنے کو حرام قرار دیا ہے جن سے قرابت یا دودھ یا سسرالی کا کوئی رشتہ ہو جیسا کہ سورۂ نساء میں ارشاد ہے۔

ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم من النسآء الا ما قد سلف انہ کان فاحشۃ ومقتا وسآء سبیلا۔ حرمت علیکم امھتکم وبنتکم واخواتکم وعمتکم وخلتکم وبنت الاخ وبنت الاخت وامھتکم الاتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ وامھت نسائکم وربائبکم التی فی حجورکم من نسائکم التی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم وان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف ان اللہ کان غفورا رحیما والمحصنت من النسآء الا ما ملکت ایمانکم کتب اللہ علیکم ؎

اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے وادا (دادا یا نانا) نے نکاح کیا ہو مگر جو بات گزر گئی گزر گئی بے شک یہ (عقلاً بھی) بڑی بے حیائی ہے اور نفرت کی بات ہے اور شرعاً بھی) بہت برا طریقہ ہے تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے ہیں اور تمہاری بیبیوں کی مائیں اور تمہاری بیبیوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری پرورش میں رہتی ہیں ان بیبیوں سے کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو اور اگر تم نے ان بیبیوں سے صحبت نہ کی ہو تو تم کو کوئی گناہ نہیں اور تمہاری ان بیٹوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری نسل سے ہوں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نہ رکھو لیکن جو پہلے ہو چکا بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۹ ؎ مطلب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی چار ہی شادیاں کرے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح اس مباح کام کو واجب نہیں قرار دیا جا سکتا اسی طرح اسے ممنوع کر دینا بھی کی صورت جائز نہیں"۔ محمد حق

رحمت والے ہیں اور وہ عورتیں جو کہ شوہر والیاں ہیں مگر جو کہ تمہاری مملوک ہو جائیں اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے۔

اور فرمان رسالت پناہیؐ میں کسی عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی اور خالہ کو بیک وقت نکاح میں جمع رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے اور رضاعت کی وجہ سے ہر وہ عورت حرام ہے جو نسب کی وجہ سے حرام ہے۔

اور قرآن مجید نے اس کو بھی حرام کر دیا ہے کہ کوئی مسلمان کسی مشرکہ کے ساتھ یا مشرک کسی مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

ولا تنكحوا المشركت حتى يؤمن ولامة مومنة خير من مشركة ولو اعجبتكم ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا ولعبد مؤمن خير من مشرك ولو اعجبكم اولئك يدعون الى النار والله يدعوا الى الجنة والمغفرة باذنه ط

اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان عورت (چاہے) لونڈی (کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ) بہتر ہے کافر عورت سے گو وہ تم کو اچھی ہی معلوم ہو اور عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان مرد غلام بہتر ہے کافر مرد سے گو وہ تم کو اچھا ہی معلوم ہو (کیونکہ) یہ لوگ دوزخ (میں جانے) کی تحریک دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی تحریک دیتے ہیں اپنے حکم سے۔

اور اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا اپنے اس قول عزیز سے حلال فرما دیا جو سورہ مائدہ میں ہے۔

والمحصنت من الذين اوتوا الكتب من قبلكم اذا اتيتموهن اجورهن محصنين غير مسافحين ولا متخذى اخدان۔

اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے ہیں جب کہ تم ان کو ان کا معاوضہ دے دو اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ نہ تو علانیہ بدکاری

کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو۔

اور پاک دامن عورت کا بیاہ زانی کے ساتھ یا پاک دامن مرد کا نکاح زانیہ عورت کے ساتھ ممنوع قرار دیا چنانچہ سورہ نور میں ارشاد ہے۔

الزانی لاینکح الا زانیۃ او مشرکۃ والزانیۃ لاینکحھا الا زان او مشرک وحرم ذلک علی المؤمنین۔

زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے اور (اسی طرح) زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے اور یہ (یعنی ایسا نکاح) مسلمانوں پر حرام (اور موجب گناہ) کیا گیا ہے۔

اور جو شخص[1] آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی مالی استطاعت نہ رکھے اس کے لیے لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا جائز رکھا ہے۔ چنانچہ سورۂ نسا میں ارشاد ہے۔

ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنٰت المؤمنٰت فمن ما ملکت ایمانکم من فتیٰتکم المؤمنٰت واللہ اعلم بایمانکم بعضکم من بعض فانکحوھن باذن اھلھن واٰتوھن اجورھن بالمعروف محصنٰت غیر مسٰفحٰت ولا متخذٰت اخدان ۔

اور جو شخص تم میں پوری وسعت اور گنجائش نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی مملوکہ ہیں نکاح کرے اور تمہارے ایمانوں کی پوری حالت اللہ ہی کو معلوم ہے تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو سو ان سے نکاح کر لیا کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور ان کو ان

---

[1] باندی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے یہ قید امام شافعیؒ کے نزدیک واجب العمل ہے یعنی جو شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو تو وہ اس کے لیے باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں سمجھتے، مگر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک باندی سے نکاح کرنا ہر صورت میں جائز ہے خواہ ایک شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، مذکورہ آیت میں ومن لم یستطع منکم طولاً۔ کی قید کو امام ابو حنیفہؒ اتفاقی قرار دیتے ہیں جس کے لیے دوسرے دلائل موجود ہیں اور امام شافعیؒ اس قید کو احترازی کہتے ہیں ۱۲ محمد تقی عثمانی ۔

کے مہر فائدہ کے موافق دے دیا کرو اس طور پر کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں نہ تو علانیہ بدکاری کرنیوالی ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہوں۔

سنت نے عقد نکاح کے بیے بعض قیود مقرر کی ہیں اور قرآن مجید نے مرد پر عورت کے بیے مہر کی ادائیگی فرض قرار دی ہے جیساکہ سورہ نساء میں ارشاد ہے۔

واحل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسٰفحین فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃ ولاجناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ ان اللہ کان علیما حکیما ط

اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے بیلے حلال کی گئی ہیں یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ سے چاہو اس طرح سے کہ تم اپنی بیوی بناؤ صرف مستی ہی نکالنا نہ ہو پھر جس طریق سے تم ان عورتوں سے متمتع ہوئے ہو سو ان کو ان کے مہر دو جو کچھ مقرر کر چکے اور مقرر ہوئے بعد بھی جس پر تم باہم رضامند ہو جاؤ۔ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں بلاشبہ اللہ تعالٰی بڑے جاننے والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں۔

قرآن نے عورت کے سامنے مرد کے مقام کی بھی وضاحت فرمائی چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ ط

اور عورتوں کے بیلے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل ان ہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں قاعدہ (شرعی) کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اور سورہ نساء میں ارشاد فرمایا۔

الرجال قوامون علی النسآء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم فالصٰلحٰت قٰنتٰت حٰفظٰت للغیب بما حفظ اللہ والتی تخافون نشوزھن فعظوھن

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالٰی نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں سو جو عورتیں نیک ہیں اطاعت کرتی ہیں مرد کی عدم موجودگی میں بحفاظت الٰہی نگہداشت

واهجروهن فی المضاجع واضربوهن فان اطعنکم فلا تبغوا علیهن سبیلاً ان الله کان علیاً کبیراً ط

کرتی ہیں اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو مارو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے رفعت اور عظمت والے ہیں۔ اور ارشاد فرمایا۔

وان امرأة خافت من بعلها نشوزاً او اعراضاً فلا جناح علیهما ان یصلحا بینهما صلحاً والصلح خیر واحضرت الانفس الشح وان تحسنوا وتتقوا فان الله کان بما تعملون خبیراً ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروها کالمعلقة وان تصلحوا وتتقوا فان الله کان غفوراً رحیماً۔

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بد دماغی یا بے پروائی کا ہو سو دونوں کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کرلیں اور یہ صلح بہتر ہے اور نفوس کو حرص کے ساتھ اقتران ہوتا ہے اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ حق تعالیٰ تمہارے اعمال کو پوری خبر رکھتے ہیں اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو گو تمہارا کتنا ہی جی چاہے تو تم بالکل تو ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ جس سے اس کو ایسا کر دو جیسے کوئی ادھر میں لٹکی ہو اور اگر اصلاح کر لو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے بڑے رحمت والے ہیں۔

اور باوجودیکہ قرآن نے مرد و عورت کے درمیان برابری کے اصول رکھے ہیں لیکن گھر میں مرد کی برتری قائم کی اور ساتھ ہی اسے حسن معاشرت کا تاکید کے ساتھ حکم دیا۔ چنانچہ احادیث اس قسم کی ترغیبات اور احکام سے بھری پڑی ہے۔

طلاق

اللہ تعالیٰ نے جس طرح نکاح کے ذریعہ مرد و عورت کے اجتماع کے نظام کو مشروع

فرمایا ہے اسی طرح نباہ نہ ہو سکو گے اس صورت میں جدائی کے نظام کو بھی ایک قاعدہ کے تحت رکھا ہے، جسے طلاق کہتے ہیں، مگر اس کے لیے باری تعالیٰ نے ایک نظام بنایا ہے اور اس پر کچھ ایسی پابندیاں عائد فرما دی ہیں جن کی وجہ سے طلاق کی اجازت کا استعمال محض وقتی اور ہنگامی اثرات کا نتیجہ نہ ہو، تفصیلات درج ذیل ہیں۔

(۱) انسان کے دل میں اپنی بیوی کی طرف سے نفرت پیدا ہونے کو مشکوک قرار دیا جیسا کہ سورہ نساء میں ارشاد فرمایا۔

وعاشروهن بالمعروف فان كرهتموهن فعسى ان تكرهوا شيئاً ويجعل الله فيه خيراً كثيراً ط	اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کیا کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔

اور ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ لا يفرك مؤمن مؤمنة ان كره منها خلقاً رضي منها آخر (کوئی مومن کسی مومنہ سے بغض نہ رکھے کہ اگر اس سے کسی بات میں ناراض ہو گا تو کسی بات سے راضی بھی ہو جائے گا)، بلکہ عورت کو صلح حاصل کرنے کی ترغیب دلائی چنانچہ سورہ نساء میں ارشاد ہے۔

وان امرأة خافت من بعلها نشوزاً او اعراضاً فلا جناح عليهما ان يصلحا بينهما صلحاً والصلح خير۔	اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بد دماغی یا بے پروائی کا ہو سو دونوں کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کر لیں اور یہ صلح بہتر ہے۔

(۲) ناچاقی کا اندیشہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے پنچ بنانے کا حکم دیا چنانچہ سورہ نساء میں فرمایا۔

وان خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكماً من اهله وحكماً من اهلها ان يريدا اصلاحاً يوفق الله بينهما	اور اگر تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکش کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ؏ کے خاندان سے اور ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے بھیجو اگر ان دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہو گی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بی بی میں اتفاق کر دیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں۔

اور یہ خطاب[1] عام مومنین سے ہے جس کو نافذ کرنا ان کے نمائندے یعنی حاکم وقت کی ذمہ داری ہے۔

(۳) جب کہ سابقہ احکام کے نافذ کرنے کے باوجود طلاق کے بغیر چارہ ہی نہ ہو تو پھر یہ پابندی لگادی گئی کہ طلاق ابتداءِ عدت میں ہو یعنی عورت کی اس پاکی کی حالت میں ہو جس میں مرد نے اس سے مقاربت نہ کی ہو جیسا کہ سورۂ طلاق میں ارشاد فرمایا۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّۃَ وَاتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمْ ؏ اے پیغمبر (آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) جب تم لوگ (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو (زمانہ) عدت (یعنی حیض) سے پہلے (یعنی طہر میں) طلاق دو اور تم عدت کو یاد رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی اہلیہ کو بحالت حیض طلاق دے دی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کو ناپسند فرمایا تھا اور ان کو اپنی بیوی کی طرف رجوع کا حکم دیا تھا کہ پھر وہ جب چاہیں قرآنی احکام کے مطابق طلاق دیں۔

(۴) سورہ طلاق میں حکم فرمایا کہ عورت عدت کے زمانہ تک سسرال کے مکان میں رہے کیونکہ وہ اس وقت تک بیوی ہی رہے گی۔ اور یہ کہ کسی اور وجہ سے وہ وہاں سے نکلنے پر مجبور ہو چنانچہ ارشاد ہے۔

لَا تُخْرِجُوْھُنَّ مِنْ بُیُوْتِھِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ ان عورتوں کو ان کے رہنے کے گھروں سے

[1] یہ علامہ خضری کی رائے ہے، دوسرے بڑے علماء کا خیال ہے کہ اس آیت میں صرف اہل خاندان سے خطاب نہیں کیا گیا ہے کیونکہ زوجین کی پرائیویٹ زندگی کا عام عدالتوں تک اچھلنا شریعت کی نگاہ میں بھی کوئی پسندیدہ بات نہیں ۱۲۔

الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ و تلک حدود اللہ ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا ۝

مت نکالو (کیونکہ سکنیٰ مطلقہ کا مثل منکوحہ کے واجب ہے) اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں تو اور بات ہے اور یہ سب خدا کے مقرر کیے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا (مثلاً اس عورت کو گھر سے نکال دیا) اس نے اپنے اوپر ظلم کیا تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ بعد اس (طلاق دینے کے) کوئی نئی بات (تیرے دل میں) پیدا کر دے (مثلاً طلاق پر ندامت ہو تو رجعی میں اس کا تدارک ہو سکتا ہے)

اس آخری جملہ سے وہ مصلحت ظاہر ہو گئی جس کی بناء پر اس کو گھر میں رہنے کا حکم دیا گیا۔

(۵) بہترین شوہر اس کو بتایا گیا جو عدت کے ختم ہو جانے پر یا تو عورت سے مراجعت کرے یا اس سے جدائی اختیار کرے اور یہ جدائی فعلاً عمل میں آ جاتے اور دونوں حالتوں میں اپنے اس فعل پر دو آدمیوں کو گواہ بنا دے۔ چنانچہ سورہ طلاق میں ارشاد ہے۔

فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف واشھدوا ذوی عدل منکم و اقیموا الشھادۃ للہ ط

پھر جب وہ (مطلقہ) عورتیں اپنی عدت گزارنے کے قریب پہنچ جائیں (تو تم کو دو اختیار ہیں یا تو) ان کو قاعدے کے موافق نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے موافق ان کو رہائی دو اور آپس میں سے دو معتبر شخصوں گواہ کر لو (اسے گواہ ہو اگر گواہی کی حاجت پڑے تو) ٹھیک اللہ کے واسطے (بلا رد و رعایت) گواہی دو۔

اور شوہر کو عدت کے ختم ہونے سے پہلے پہلے عورت سے رجوع کرنے کا حق دار قرار دیا چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

وبعولتھن احق بردھن فی ذلک ان ارادوا اصلاحا ط

اور ان عورتوں کے شوہر ان کے (بلا تجدید نکاح) پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اس عدت کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں۔

(۶) عدّت کا حکم فرمایا جو مختلف ہے، حیض والی عورتوں کے لیے تو تین حیض ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے۔

والمطلقٰت یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء ؕ
اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض تک۔

اور بوڑھی عورتیں جن کو حیض آنا بند ہو گیا ہو یا کم عمر عورتیں جو ابھی حائضہ ہی نہ ہوئی ہوں ان کی عدت تین ماہ رکھی جیسا کہ سورہ طلاق میں ارشاد فرمایا گیا۔

والّٰئی یئسن من المحیض من نسآئکم ان ارتبتم فعدتهن ثلاثة اشهر والّٰئی لم یحضن ط
(اوپر عدت کا اجمالاً ذکر تھا) اور (تفصیل یہ کہ) تمہاری (مطلقہ) بیبیوں میں جو عورتیں (بوجہ زیادت سن کے) حیض سے ناامید ہو چکی ہیں اگر تم کو (ان کی عدت کے تعین میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں اور اسی طرح جن عورتوں کو (اب تک بوجہ کم عمری کے) حیض نہیں آیا۔

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل قرار دی جیسا کہ ارشاد ہے۔

واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن ؕ
اور حاملہ عورتوں کی عدت اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے۔

اور جس کو شوہر نے ہاتھ نہ لگایا ہو (جماع نہ کیا ہو) اس کو عدت سے معافی دے دی جیسا کہ سورۂ احزاب میں ارشاد ہے۔

اذا نکحتم المؤمنٰت ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لکم علیهن من عدة تعتدونها ؕ
تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو (اور) پھر تم ان کو قبل ہاتھ لگانے کے (کسی اتفاق سے) طلاق دے دو تو تمہاری ان پر کوئی (عدت نہیں جس کو تم شمار کرنے لگو۔

اور مرد کو حکم دیا کہ جب عورت عدت میں ہو تو اس کے ساتھ نرمی و مہربانی کا سلوک کرے جیسا کہ سورہ طلاق میں ارشاد ہے۔

اسکنوهن من حیث سکنتم من
تم ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے

وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن واتمروا بینکم بمعروف وان تعاسرتم فسترضع لہ اخری لینفق ذوسعۃ من سعتہ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما اتٰہ اللہ لایکلف اللہ نفسا الا ما اٰتٰھا سیجعل اللہ بعد عسر یسرا ؛

موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لیے (اس کے بارے میں) تکلیف مت پہنچاؤ اور اگر وہ (مطلقہ) عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو کھانے پینے کا) خرچ دو پھر اگر وہ (مطلقہ عورتیں (جبکہ پہلے ہی سے بچے والیاں ہوں یا بچہ ہی پیدا ہونے سے ان کی عدت ختم ہوئی ہو) تمہارے لیے (بچہ کو اجرت پر) دودھ پلائیں تو تم ان کو مقررہ اجرت دو اور اجرت کے بارے میں) باہم مناسب طور پر مشورہ کر لیا کرو (اور اگر تم باہم کشمکش کرو گے تو کوئی دوسری عورت دودھ پلائے گی (آگے بچہ کے نفقہ کے بارے میں ارشاد ہے کہ) وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق (بچہ پر) خرچ کرنا چاہیئے اور جس کی آمدنی کم ہو اس کو چاہیئے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے خدا تعالیٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہے خدا تعالیٰ تنگی کے بعد جلدی فراغت بھی دے گا (گو بقدر ضرورت وحاجت روائی سہی)

(۷) شریعت نے مرد کے لیے اس بات کو مستحسن قرار دیا ہے کہ جب وہ عورت کو طلاق دے تو اس کو اس قدر سامان ساتھ دے دے جو اس کی ضروریات واجبہ کو پورا کر سکے اور جس عورت کو صحبت سے پہلے طلاق دی جائے اور اس کا مہر معین نہ ہوا ہو اس کے لیے یہ حق واجب قرار دیا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

لاجناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ ومتعوھن علی الموسع

(مہر کا) کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو ایسی حالت میں طلاق دے دو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لیے کچھ مہر

قدرہ وعلی المقتر قدرہ متاعاً بالمعروف حقاً علی المحسنین ؕ　　مقرر کیا ہے اور صرف ان کو ایک جوڑا دید و صاحبِ وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے اور تنگ دست کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق کے جوڑا دینا قاعدہ کے موافق واجب ہے خوش معاملہ لوگوں پر۔ پھر اس کا ذکر عام الفاظ میں اس طرح فرمایا کہ۔

وللمطلقٰت متاع بالمعروف حقاً علی المتقین ؕ　　اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لیے کچھ فائدہ پہنچانا قاعدہ کے موافق (یہ) مقرر ہوا ہے ان پر جو (شرک وکفر سے) پرہیز کرتے ہیں۔

اور جس کو صحبت کے پہلے طلاق دی گئی ہو اس کے بارے میں سورۂ احزاب میں ارشاد فرمایا کہ۔

فمتعوھن وسرحوھن سراحاً جمیلاً ؕ　　تو ان کو کچھ (مال) متاع دے دو اور خوبی کے ساتھ ان کو رخصت کر دو۔

اور جس کو صحبت کے پہلے طلاق دی گئی لیکن اس کا مہر نکاح کے وقت معین ہو چکا تھا اس کے لیے نصف مہر قرار دیا چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم الا ان یعفون او یعفوا الذی بیدہ عقدۃ النکاح وان تعفوا اقرب للتقوی ولا تنسوا الفضل بینکم ان اللہ بما تعملون بصیر ؕ　　اور اگر ان بیبیوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ اور ان کے لیے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہو اس کا نصف (واجب) ہے مگر یہ کہ وہ عورتیں (اپنا نصف) معاف کر دیں یا یہ کہ وہ شخص رعایت کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق (رکھنا اور توڑنا ہے) اور تمہارا معاف کر دینا (بہ نسبت وصول کرنے کے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو خوب

دیکھتے ہیں۔

(۸) مرد کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ جو کچھ مال اسباب عورت کو قبل طلاق دے چکا ہے طلاق کے بعد اس سے واپس نہ لے جیسا کہ سورہ نساء میں ارشاد ہے۔

وان اردتم استبدال زوج مکان زوج وآتیتم احدٰھن قنطارا فلا تأخذوا منہ شیئا اتأخذونہ بھتانا واثما مبینا وکیف تأخذونہ وقد افضی بعضکم الیٰ بعض واخذن منکم میثاقا غلیظا ط

اور اگر تم بجائے ایک بی بی کے دوسری بی بی کرنا چاہو اور تم اس ایک کو انبار کا انبار مال دے چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ بھی مت لو کیا تم اس کو لیتے ہو بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کے مرتکب ہو کر اور تم اس کو کیسے لیتے ہو حالانکہ تم باہم ایک دوسرے سے بے حجابانہ مل چکے ہو اور وہ عورتیں تم میں سے ایک گاڑھا اقرار لے چکی ہے۔

اور لینے کی اجازت بھی دی تو اس حالت میں جب کہ نہ لینے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے مقرر فرمودہ ضابطوں کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہو چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

ولا یحل لکم ان تأخذوا مما آتیتموھن شیئا الا ان یخافا الا یقیما حدود اللہ فلا جناح فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا ومن یتعد حدود اللہ فاولٰئک ھم الظٰلمون ؕ

اور تمہارے لیے یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی لو (گو) اس میں سے (سہی) جو تم نے ان کو (مہر میں) دیا تھا مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ کر سکیں گے سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس مال کے لینے دینے) میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے یہ خدائی ضابطے ہیں سو تم ان سے باہر مت نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں سے باہر نکل جائے سو ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔

(۹) یہ بھی قرار دیا کہ طلاق کا تجربہ دو مرتبہ کر کے دیکھا جاتے چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے

الطلاق مرتٰن فامساك بمعروف او تسریح باحسان ط — وہ طلاق دو مرتبہ (کی) ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق۔

جب تیسری مرتبہ طلاق دیدے تو اس پر بالکل حرام ہوگئی اور ہر ایک پر واجب ہوگیا کہ اپنے لیے دوسرا ساتھی تلاش کرے چنانچہ ارشاد ہے۔

فان طلقها فلا تحل لہٗ من بعد حتّٰی تنکح زوجاً غیرہٗ ط — پھر اگر کوئی (تیسری) طلاق دے دے عورت کو تو وہ پھر اس کے لیے حلال نہ رہے گی اس کے بعد۔ یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ (عدت کے بعد) نکاح کرلے۔

اور جب کہ دوسرا شوہر بیوی کا تجربہ کرے تو پھر اس کے پہلے شوہر کو جائز ہوگا کہ اس عورت سے دوبارہ نکاح کرلے جیسا کہ ارشاد ہے۔

فان طلقها فلا جناح علیهما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود الله وتلك حدود الله یبینها لقوم یعلمون ط — پھر اگر یہ اس کو طلاق دیدے تو ان دونوں پر (اس میں) کچھ گناہ نہیں کہ بدستور پھر مل جائیں بشرطیکہ دونوں غالب گمان رکھتے ہیں کہ (آئندہ) خداوندی ضابطوں کو قائم رکھیں گے اور یہ خداوندی ضابطے ہیں حق تعالیٰ ان کو بیان فرماتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے جو دانشمند ہیں

امام مسلمؒ نے حضرت[۱] ابن عباسؓ سے روایت کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] لیکن چاروں ائمہ مجتہدینؒ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ تین طلاقوں کا ایک شمار کیا جانا اس صورت میں تھا جب کہ طلاق دینے والے کی نیت ایک ہی طلاق کی ہو اور اس نے اسی طلاق کے لفظ کو بار بار بطور تاکید استعمال کیا ہو، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر کوئی شخص یہ کہہ دیتا تھا کہ میں نے طلاق ایک ہی دینا چاہا تھا مگر تین مرتبہ تاکید کے طور پر لفظ طلاق بولا تھا تو آپؐ اس کی بات مان کر طلاق کو ایک قرار دیتے تھے، بعد میں جب لوگوں کی دیانت سے اعتماد اٹھنے لگا تو حضرت عمرؓ نے تمام صحابہؓ کے مشورہ سے یہ فیصلہ کیا اب اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو ایسے تین طلاقیں سمجھی جائیں گی، چنانچہ اب اسی پر ائمہ اربعہؒ کا اجماع ہے اس پر مسئلہ تفصیل کے ساتھ ہم۔ باقی بر صفحۂ آئندہ

کے زمانہ میں تین طلاق ایک ہی سمجھی جاتی تھیں اور یہ غالباً اس لیے تھا واللہ اعلم کہ شوہر کو اس بات کی اجازت دینا کہ وہ اپنی بیوی کو ایک ہی مرتبہ میں انتہائی طور پر حرام کرے ان مصلحتوں کو ضایع کر دیتا ہے جو قرآنی احکام سے طلاق کو بصورت رجوع دو مرتبہ دینے میں اور تیسری طلاق سے حرام کرنے میں رکھی گئی ہیں۔

(۱۰) قرآن کریم نے جدائی کی ان اقسام کا بھی ذکر کیا ہے جو زمانۂ جاہلیت میں طلاق سمجھی جاتی تھیں اور قرآن کریم نے اس کا ایک نظام رکھا ہے۔

اوّل - ایلاء ہے یعنی مرد اس بات کی قسم کھائے کہ اپنی بیوی کے پاس نہ جائے گا چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

للذین یؤلون من نسائھم تربص اربعۃ اشھر فان فآءو فان اللہ غفور رحیم وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم ۔

وہ لوگ جو قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیبیوں (کے پاس جانے) سے ان کے لیے چار مہینے تک کی مہلت ہے سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کرلیں تب تو اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے رحمت فرمادیں گے اور اگر بالکل ہی چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

اور آیت کے ربط سے ظاہر ہوتا ہے کہ شارع نے شوہر سے بیک ایسی مدت مقرر کر دی ہے جو انتہائی طور پر قسم کی حفاظت کے لیے ممکن ہو اس مدت کے پورا کرنے سے پہلے کہ جب وہ اس مدت کو پورا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو معاف فرمادے گا جیسا کہ اس پر آیت سابقہ دلالت کرتی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بین الناس واللہ سمیع علیم لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم

اور اللہ کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح فیما بین خلق کے کام کرو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں اللہ تعالیٰ تم پر داخذت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۴۔ نے اپنی کتاب ہمارے عائلی مسائل" میں گفتگو کی ہے، ۱۲ محمد تقی۔

بما کسبت قلوبکم واللہ غفور حلیم (میں) دار وگیر نہ فرمائیں گے تمہاری قسموں میں (ایسی بے ہودہ قسم پر لیکن دار وگیر فرمائیں گے اس (جھوٹی قسم) پر جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں رحیم ہیں۔

دوئم ۔ ظہار ہو کہ عرب کے پاس تحریم کی ایک شکل تھی کہ مرد اپنی عورت کو یہ کہہ کر اپنے اوپر حرام کر لیتا کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ چنانچہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ مجادلہ کے شروع کی آیتیں نازل فرمائیں۔

قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجھا وتشتکی الی اللہ واللہ یسمع تحاورکما ان اللہ سمیع بصیر الذین یظھرون منکم من نسآئھم ماھن امھتھم ان امھتھم الا الّٰئی ولدنھم وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا و ان اللہ لعفو غفور والذین یظھرون من نسآئھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا ذلکم توعظون بہ واللہ بما تعملون خبیر فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین من قبل ان یتماسا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا ذلک لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتلک حدود اللہ۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑتی تھی اور (اپنے رنج وغم کی) اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا (اور) اللہ تو سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے تم میں جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں (مثلاً یوں کہہ دیتے ہیں۔ انت علی کظھر امی) وہ ان کی مائیں نہیں ہیں ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے اور وہ لوگ بلاشبہ ایک نامعقول اور (جھوٹی) جھوٹ بات کہتے ہیں (اس لیے گناہ ضرور ہوگا) اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے بخش دینے والے ہیں اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں (میاں بی بی) باہم اختلاط کریں اس سے تم کو

نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ پھر جس کو (غلام لونڈی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ پے بہ پے (یعنی لگاتار) دو مہینے کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکیں تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہے یہ حکم اس لیے (بیان کیا گیا) ہے کہ اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ اور یہ اللہ کی حدیں (باندھی ہوئی) ہیں

اس سے ظاہر ہوا کہ طلاق کے لیے جو نظام بنایا گیا وہ ایک بہترین اور خوبصورت نظام ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو کل کا کل بہتر ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ شوہر پر اپنی بیوی کے ساتھ اپنے پر ان دونوں کے اخلاق میں بعد المشرقین ہونے کی وجہ سے دونوں میں نفرت پیدا ہونے کے بعد زور نہیں دیتا ہے تو دوسری طرف جدائی کے معاملہ کو بغیر کسی کفالت کے سہل نہیں رکھا۔

اور شارع نے بیوی پر یہ بھی واجب کیا ہے کہ جب اس کا شوہر مر جائے تو وہ سوگ گزارے چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا فاذا بلغن اجلهن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسهن بالمعروف والله بما تعملون خبیر ط

اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ سے) روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن پھر جب اپنی میعاد (عدت) ختم کر لیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لیے کچھ کارروائی (نکاح کی) کریں قاعدہ کے موافق اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں۔

اور اس کا بھی اس کو مستحق قرار دیا کہ اگر وہ چاہے تو سسرال میں ایک سال تک رہے جس کو شوہر کے ترکہ سے گزارہ دیا جائے چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیةً لازواجهم متاعًا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی

اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیوں کو وہ وصیت کر جایا کریں اپنی ان بیبیوں کے واسطے ایک سال تک منتفع ہونے کی اس پر کہ وہ گھر

انفسهن من معروف والله عزيز حكيم ؟

سے نکالی نہ جائیں ہاں اگر خود نکل جائیں تو تم کو کوئی گناہ نہیں اس قاعدہ کی بات میں جس کو اپنے بارہ میں کریں اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے۔

اور ان دونوں آیتوں میں معمولی سا تامل کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے صرف یہ کہ پہلی آیت اس بات کی خبر دیتی ہے کہ بیوی پر کیا واجب ہے اور دوسری یہ کہ اس کا کیا حق ہے۔

اور وہ عورت جو شوہر کے مرنے کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو اس کو صراحتاً نکاح کا پیغام دینے سے منع کر دیا گیا۔ البتہ اشارہ کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

ولا جناح عليكم فيما عرضتم به من خطبة النساء او اكننتم فى انفسكم علم الله انكم ستذكرونهن ولكن لا تواعدوهن سرا الا ان تقولوا قولا معروفا ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتب اجله واعلموا ان الله يعلم ما فى انفسكم فاحذروه واعلموا ان الله غفور حليم

اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا جو ان مذکورہ عورتوں کو پیغام (نکاح) دینے کے بارے میں کوئی بات اشارۃً کہو یا اپنے دل میں (ارادۂ نکاح کو) پوشیدہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا (ضرور) ذکر مذکور کروگے لیکن ان سے نکاح کا وعدہ (اور گفتگو) مت کرو مگر یہ کہ کوئی بات قاعدہ کے موافق کہو اور تم تعلق نکاح (فی الحال) کا ارادہ بھی مت کرو یہاں تک کہ عدت مقررہ اپنی ختم کو نہ پہنچ جائے اور یقین رکھو اس کا کہ اللہ تعالیٰ کو اطلاع تمہارے دلوں کی بات کی ہے سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرنے والے ہیں حلیم بھی ہیں۔

قرآن نے مطلقہ ماں سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ اپنے بچہ کو دودھ پلائے چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

والوالدات يرضعن اولادهن حولين

اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ

كاملين لمن اراد ان يتم الرضاعة وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف لا تكلف نفس الا وسعها لا تضار والدة بولدها ولا مولود له بولده وعلى الوارث مثل ذلك فان ارادا فصالا عن تراض منهما وتشاور فلا جناح عليهما وان اردتم ان تسترضعوا اولادكم فلا جناح عليكم اذا سلمتم ما آتيتم بالمعروف واتقوا الله واعلموا ان الله بما تعملون بصير

پلا یا کریں یہ بات اس کے لیے ہے جو کوئی شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے ان ماؤں کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت کے موافق کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچانا چاہیئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور مثل طریق مذکور کے اس کے ذمہ ہے جو وارث ہو پھر اگر دونوں دودھ چھڑانا چاہیں اپنی رضامندی اور مشورہ سے تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں اور اگر تم لوگ اپنے بچوں کو کسی اور انا کا دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ ان کے حوالہ کر دو جو کچھ ان کو دینا کیا ہے قاعدہ کے موافق اور حق تعالی سے ڈرتے ہو اور یقین رکھو کہ حق تعالی تمہارے کیے ہوئے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

مندرجہ بالا احکام کے علاوہ قرآن مجید میں عائلی امور سے متعلق مندرجہ ذیل ہدایات بھی موجود ہیں۔

(۱) یتیموں کے نگراں کے لیے ہدایات فرمائیں چنانچہ اللہ عزوجل نے سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

ويسئلونك عن اليتامى قل اصلاح لهم خير وان تخالطوهم فاخوانكم

اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اور سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا۔

وآتوا اليتامى اموالهم ولا تتبدلوا الخبيث بالطيب ولا تاكلوا

اور جن بچوں کا باپ مر جائے ان کے مال انہیں کو پہنچاتے رہو اور تم اچھی چیز سے

اموالھم الیٰ اموالکم انہ کان حوبا کبیرا ؕ

بری چیز کو مت بدلو اور ان کے مال مت کھاؤ اپنے مالوں کے رہتے، تک ایسی کاروائی کرنا بڑا گناہ ہے۔

اور اسی میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ۔

وابتلوا الیتامیٰ حتیٰ اذا بلغوا النکاح فان آنستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم ولا تاکلوھا اسرافا وبدارا ان یکبروا ومن کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف فاذا دفعتم الیھم اموالھم فاشھدوا علیھم وکفیٰ باللہ حسیبا ؕ

اور تم یتیموں کو آزما لیا کرو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کو پہنچ جائیں پھر اگر ان میں ایک گونہ تمیز دیکھو تو ان کے اموال ان کے حوالے کردو اور ان اموال کو ضرورت سے زائد اٹھا کر اور اس خیال سے کہ یہ بالغ ہو جائیں گے جلدی جلدی اڑا کر مت کھا ڈالو اور جو شخص مستغنی ہو سو وہ تو اپنے کو بالکل بچائے اور جو شخص حاجت مند ہو تو وہ مناسب مقدار سے کھا لے پھر جب ان کے مال ان کے حوالہ کرنے لگو تو ان پر گواہ بھی کر لیا کرو اور اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والے کافی ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا۔

ولیخش الذین لو ترکوا من خلفھم ذریۃ ضعافا خافوا علیھم فلیتقوا اللہ ولیقولوا قولا سدیدا ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا ؕ

اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیئے کہ اگر اپنے بعد چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جائیں تو ان کی ان کو فکر ہو سو ان لوگوں کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ سے ڈریں اور موقع کی بات کہیں بلا شبہ جو لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے (برتتے) ہیں اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب جلتی آگ میں داخل ہوں گے۔ اور انہیں احکام میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔

وان تقوموا للیتامیٰ بالقسط۔

اور اس باب میں کہ یتیموں کی کارگزاری انصاف کے ساتھ کرو۔

(۲) وصیت کے متعلق سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترك خيرا الوصية للوالدين والاقربين بالمعروف حقا على المتقين فمن بدله بعد ما سمعه فانما اثمه على الذين يبدلونه ان الله سميع عليم فمن خاف من موص جنفا او اثما فاصلح بينهم فلا اثم عليه ان الله غفور رحيم ط

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو والدین اور اقارب کے لیے معقول طور پر (کہ مجموعہ ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو) کچھ کچھ بتلا جاوے (اس کا نام وصیت ہے) جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ یہ ضروری ہے پھر جو شخص اس (وصیت) کے سن لینے کے بعد اس کو تبدیل کرے گا تو اس کا گناہ ان ہی لوگوں کو ہوگا جو اس کو تبدیل کریں گے اللہ تعالیٰ تو یقیناً سنتے جانتے ہیں ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی بے عنوانی یا کسی جرم کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں واقعی اللہ تعالیٰ تو خود گناہوں کے (معاف فرمانے والے ہیں اور گنہگاروں پر) رحم کرنے والے ہیں۔

اور سنت سے اس کی بہت تاکید ثابت ہے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ما حق امرئ مسلم له شئ يريد ان يوصی فيه يبيت ليلة الا ووصيته مكتوبة عنده (جس مسلمان کے پاس کچھ مال ہو اور وہ اس میں وصیت کرنا چاہے تو اس کو یہ حق نہیں کہ وصیت لکھے بغیر ایک رات بھی گزارے)۔

(۳) گھروں میں جانے کی اجازت لینے کے متعلق سورۂ نور میں ارشاد فرمایا۔

يا ايها الذين آمنوا لا تدخلوا بيوتا غير بيوتكم حتى تستانسوا و تسلموا على اهلها ذلكم خير لكم لعلكم تذكرون فان لم تجدوا فيها احدا فلا تدخلوها حتى

اے ایمان والو تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ (ان سے) اجازت حاصل نہ کرلو اور (اجازت لینے کے قبل) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔

يؤذن لكم وان قيل لكم ارجعوا
فارجعوا هو ازكىٰ لكم والله بما
تعملون عليم ليس عليكم جناح
ان تدخلوا بيوتا غير مسكونة
فيها متاع لكم والله يعلم ما
تبدون وما تكتمون ط

(یہ بات تم کو اس لیے بتلائی ہے) تاکہ تم
خیال رکھو (اور اس پر عمل کرو) پھر اگر تم کو ان
گھروں میں کوئی (آدمی) نہ معلوم ہو تو (بھی)
ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک
کہ تم کو (مختار اذن کی جانب سے) اجازت
نہ دی جائے اور اگر تم سے (اجازت لینے کے وقت)
یہ کہہ دیا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ تو تم لوٹ آیا کرو (یہی بات تمہارے لیے بہتر ہے
اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے (اگر خلاف کروگے سزا کے مستحق ہوگے) تم
کو ایسے مکانات میں چلے جانے کا گناہ نہ ہوگا جن میں (گھر کے طور پر) کوئی نہ رہتا ہو ان
میں تمہاری کچھ برت ہو اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو اور جو پوشیدہ طور پر کرتے ہو اللہ تعالیٰ
سب جانتا ہے۔ اور اسی میں یہ بھی ارشاد ہے۔

يا ايها الذين امنوا ليستأذنكم
الذين ملكت ايمانكم والذين
لم يبلغوا الحلم منكم ثلث
مرات من قبل صلاة الفجر
وحين تضعون ثيابكم من الظهيرة
ومن بعد صلاة العشاء ثلث عورات
لكم ليس عليكم ولا عليهم جناح بعدهن
طوافون عليكم بعضكم على بعض
كذلك يبين الله لكم الآيات و
الله عليم حكيم واذا بلغ الاطفال
منكم الحلم فليستاذنوا كما استاذن
الذين من قبلهم كذلك يبين

اے ایمان والو (تمہارے پاس آنے
کے لیے) مملوکوں کو اور تم میں جو حد بلوغ کو نہیں
پہنچے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے (ایک
تو) نماز صبح سے پہلے اور (دوسرے) جب (سونے
لیٹنے کے لیے) دوپہر کو اپنے (بعض) کپڑے
اتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے) نماز عشاء
کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردوں کے (وقت)
ہیں (اور) ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی الزام
ہے اور نہ (بلا اجازت چلے آنے میں) ان
پر کچھ الزام ہے (کیونکہ) وہ بکثرت تمہارے پاس
آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اور
کوئی کسی کے پاس اسی طرح (جیسا یہ حکم صاف

اللہ لکم ایاتہ واللہ علیم حکیم ط صاف بیان کر دیا) اللہ تعالیٰ تم سے (اپنے) احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور جاننے والا حکمت والا ہے اور جس وقت تم میں کے وہ لڑکے (جن کا حکم اوپر آیا ہے) حد بلوغ کو پہنچیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینا چاہیئے جیسا کہ ان سے اگلے لوگ اجازت لیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا۔

فاذا دخلتم بیوتاً فسلموا علیٰ انفسکم تحیۃ من عند اللہ مبارکۃ طیبۃ۔ جب تم اپنے گھروں میں جانے لگا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کر لیا کرو جو کہ) دعا کے طور پر (ہے اور) جو خدا کی طرف سے مقرر ہے (اور) برکت والی عمدہ چیز ہے۔

اور سورۂ احزاب میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مکانوں کے متعلق خاص پر فرمایا:۔

یاایھا الذین اٰمنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم الیٰ طعام غیر ناظرین انٰہ ولکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث ان ذٰلکم کان یؤذی النبی فیستحی منکم واللہ لا یستحی من الحق ط اے ایمان والو نبی کے گھروں میں (بے بلائے) مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا جائے (کہ کھانا تیار ہے) تب جایا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف صاف بات کہنے سے (کسی کا) لحاظ نہیں کرتا۔

پردہ کے آداب!

پردہ دو قسم کا ہے ایک تو وہ جو عورت کے لباس اور زینت سے مرد کو دیکھنے اور مرد کے اس کی طرف دیکھنے سے متعلق ہے۔ دوسرے جو اس کے گھر سے نکلنے اور زندگی کے کاموں* کے متعلق۔ اوّل۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں ارشاد فرمایا۔

---

* جن میں مرد و عورت کے اختلاط سے متعلق ہے *

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذٰلک ازکیٰ لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون و قل للمؤمنٰت یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا و لیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او ابآئھن او ابآء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او نسآئھن او ما ملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النسآء ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن و توبوا الی اللہ جمیعًا ایہ المؤمنون لعلکم تفلحون ط

مسلمان مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھیں یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے بے شک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں اور اسی طرح مسلمان عورتوں سے (بھی)، کہہ دیجیے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالباً) کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت (کے مواقع مذکورہ کو کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے (محارم پر یعنی) باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے (حقیقی علاتی اخیافی) بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی (حقیقی علاتی اور اخیافی) بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو طفیلی (کے طور پر رہتے) ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے ابھی ناواقف ہیں (مراد غیر مراہق ہیں) اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے اور مسلمانوں (تم سے جو ان احکام میں کوتاہی ہو گئی ہو تو تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اور سورہ احزاب میں فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ؁

اے پیغمبر اپنی بیبیوں سے اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیبیوں سے بھی کہہ دیجئے کہ (سر سے) نیچے کر لیا کریں اپنے تھوڑی سی اپنی چادریں اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کریں گی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور سورہ نور میں ارشاد فرمایا۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ؁

اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کو (کسی کے نکاح (میں آنے) کی کچھ امید نہ رہی ہو ان کو (والبتہ) اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (زاید) کپڑے اتار رکھیں بشرطیکہ زینت (کے مواقع) کا اظہار نہ کریں اور (ہر چند کہ بڑھیوں کو منہ کھولنے کی اجازت ہے لیکن) اگر اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ (سب کچھ) سنتا ہے (سب کچھ) جانتا ہے۔

اب رہی دوسری قسم تو اس کے متعلق سورہ احزاب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کی ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى ط

اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو۔ اور ان کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا

اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو یہ بات (ہمیشہ کے لیے) تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے اور تمہارے لیے

انہ اجہ من بعدہٖ ابدًا ان ذٰلکم کان عند اللہ عظیمًا ؕ

جائز نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ کے بعد آپ کی بیبیوں سے کبھی نکاح کرو۔ یہ خدا کے نزدیک بڑی بھاری معصیت کی بات ہے۔

وراثت کا نظام

وراثت عرب میں مشہور بات تھی اور اس کا اصل اصول ولایت تھی یعنی جو شخص مرنے والے شخص کا قریبی عزیز ہوتا وہ اس کا وارث ہوتا اور وہ اس کا بیٹا تھا جو اس کی ہر کام میں مدد کیا کرتا اسی لیے وراثت مرد لڑکوں میں منحصر تھی کیونکہ وہی تلوار چلانے والے اور شرافت کی حفاظت کرنے والے تھے اور لڑکوں کے ساتھ کسی اور کو کوئی حصہ نہیں ملتا تھا اور لڑکے کی عدم موجودگی میں متوفی کا جو سب سے زیادہ قریبی ولی ہوتا وہ وارث ہوتا اور وہ باپ تھا پھر بھائی پھر چچا وغیرہ۔

جب اسلام آیا تو اس نے ولایت کے اصول کو تو باقی رکھا لیکن اس کی بنیاد اسلام اور ہجرت قرار دی کیونکہ وہ ایک ایسی اسلامی جماعت کو قائم کرنا چاہتا تھا جس کے اعضا ایک مضبوط رسی میں بندھے رہیں چنانچہ سورۂ انفال میں ارشاد ہے۔

ان الذین اٰمنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ والذین اٰووا ونصروآ اولٰئک بعضھم اولیاءُ بعض والذین اٰمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیءٍ حتّٰی یھاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علٰی قوم بینکم وبینھم میثاق واللہ بما تعملون بصیرٌ ؕ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کے رستہ میں جہاد بھی کیا اور جن لوگوں نے رہنے کو جگہ دی اور مدد کی یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور جو لوگ ایمان تو لائے اور ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمہ مدد کرنا واجب ہے مگر اس

الذین کفروا بعضہم اولیاء بعض الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض و فساد کبیر والذین امنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین آووا ونصروا اولٰئک ھم المؤمنون حقا لھم مغفرۃ ورزق کریم و الذین امنوا من بعد وھاجروا و جاھدوا معکم فاولٰئک منکم ؕ

قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں باہم صلح کا معاہدہ ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتے ہیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں اگر اس حکم (مذکور) پر عمل نہ کروگے تو دنیا میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا اور جو لوگ (اوّل) مسلمان ہوئے اور انہوں نے ہجرت نبویہ کے زمانہ میں) ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے اور جن لوگوں نے (ان مہاجرین کو) اپنے یہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی یہ لوگ ایمان کا پورا حق ادا کرنے والے ہیں اور ان کے لیے (آخرت میں) بڑی مغفرت اور (جنت میں) بڑی معزز روزی ہے اور جو لوگ (ہجرت نبویہ کے) بعد کے زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا سو یہ لوگ (گو فضیلت میں تمہارے برابر نہیں لیکن تاہم) تمہارے ہی شمار میں ہیں۔

اور اس قانون سے مہاجر مومن اور اس کے غیر میں جو ایمان نہیں لایا یا ایمان تو لایا لیکن ہجرت نہیں کی ولایت کا رشتہ منقطع ہو گیا۔

پھر اس ولایت کو سلسلہ وار قربت قرابت کے لحاظ سے لازم قرار دیا چنانچہ اسی کے بعد ارشاد فرمایا۔

واولوا الارحام بعضہم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ، ان اللہ بکل شیء علیم ؕ

اور جو لوگ رشتہ دار ہیں کتاب اللہ میں ایک دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حقدار ہیں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ اور سورۃ احزاب میں ارشاد فرمایا۔

واولوا الارحام بعضہم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ من المؤمنین ؕ

اور کتاب اللہ میں رشتہ دار ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں بہ نسبت دوسرے

المہاجرین الا ان تفعلوا الی اولیآءکم معروفا کان ذالک فی الکتاب مسطورا ط

مومنین اور مہاجرین کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ سلوک کرنا چاہو تو وہ جائز ہے یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہے۔

اور سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا۔

ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون والذین عقدت ایمانکم فاٰتوھم نصیبھم ان اللہ کان علی کل شیء شہیدا ط

اور ہر ایسے مال کے لیے جس کو والدین اور رشتہ دار لوگ چھوڑ دیں ہم نے وارث مقرر کردیے ہیں اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوتے ہیں ان کو ان کا حصہ دے دو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہیں۔

اس آیت میں ولایت عقد جو ولاء موالات کے نام سے مشہور تھی جائز قرار دی گئی جس کا یہ مطلب تھا کہ مرنے والا جو کچھ چھوڑ جاتا وہ اولاد کے بعد اس کے قریبی اعزہ والدین واقرباء کے ساتھ ان کو بھی ملے جن سے قسما قسمی عہد و پیماں ہو جاتا تھا اور یہ ولاء عقد زمانۂ جاہلیت میں اس طرح قرار دی جاتی تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص کے ساتھ عہد و پیماں کر لیا کرتا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اسلام نے اس عقد کو بالکل نہیں کیا۔

پھر اسلام نے جاہلیت کے اس قاعدہ کو توڑ دیا کہ ترکات میں استحقاق صرف مرد کا رہے چنانچہ سورہ نساء میں ارشاد فرمایا۔

للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ او کثیر نصیبا مفروضا ط

مردوں کے لیے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں۔ خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر ہو یہ حصہ فرض ہے۔

یہ سب عام قاعدے تھے جس میں اس کی صراحت نہیں کی گئی کہ کس وارث کو کس قدر

حصہ ملے گا اور ان سب کی بنیاد شریعت میں تدریجی قواعد کی ترتیب ہے جس کا ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے۔

صاحب مال کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ خود اس کی تصریح کر دے کہ وہ اپنے مال میں سے والدین اور اقرباء کو کیا دینا چاہتا ہے چنانچہ آیت وصیت کو نازل فرمایا جس کا ہم نے اوپر ذکر کر دیا پھر اس کے بعد خود خدا عز وجل نے اس کی صراحت فرما دی کہ لڑکوں وغیرہ میں سے ہر وارث کو کتنا حصہ ملنا چاہیئے اور ان سب میں یہ رعایت ملحوظ رکھی کہ عورت پر مرد کی فضیلت باقی رہے جب کہ میت سے ان کی قرابت کا درجہ برابری کا رہے بجز اخیافی بھائی بہنوں کے کہ قرآن مجید سے تو ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کو برابر حصہ ملے گا اگرچہ اس بارہ میں کوئی صریح حکم نہیں چنانچہ سورۂ نساء میں ارشاد ہے۔

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساءً فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک وان کانت واحدۃ فلھا النصف ط

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو کہ مورث چھوڑ مرا ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو نصف ملے گا۔ اور والدین کی میراث کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

ولابویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد فان لم یکن لہ ولد و ورثہ ابواہ فلامہ الثلث فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس ط

اور ماں باپ کے لیے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لیے میت کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ہے اگر میت کے کوئی اولاد ہے اور اگر اس میت کے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہن ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور میاں بی بی کی میراث کے بارے میں فرمایا۔

ولکم نصف ما ترک ازواجکم

اور تم کو آدھا حصہ ملے گا اس ترکہ کا جو تمہاری

لم یکن لہن ولد فان کان لہن ولد فلکم الربع مما ترکن من بعد وصیۃ یوصین بہا او دین ولہن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلہن الثمن مما ترکتم الخ

بیباں چھوڑ جائیں اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو اور اگر ان بیبیوں کے کوئی اولاد ہو تو تم کو ان کے ترکہ سے چوتھائی حصہ ملے گا وہ وصیت پوری کرنے کے بعد جو وہ کر جائیں یا قرض ادا کرنے کے بعد اور ان بیبیوں کو چوتھائی حصہ ملے گا اس ترکہ کا جس کو تم چھوڑ جاؤ اگر تمہارے کوئی اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے کوئی اولاد ہو تو ان کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملے گا۔ اور ماں کی اولاد کے بارے میں فرمایا۔

وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منہما السدس فان کانوا اکثر من ذلک فہم شرکاء فی الثلث ط

اور اگر کوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی خواہ وہ میت مرد ہو یا عورت ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع ہوں اور اس کے ایک بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر یہ لوگ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی میں شریک ہوں گے۔ اور عصباتی بھائی بہنوں کے متعلق فرمایا

یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ان امرؤ ہلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلہا نصف ما ترک وہو یرثہا ان لم یکن لہا ولد فان کانتا اثنتین فلہما الثلثان مما ترک وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین ط

لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے جس کے اولاد نہ ہو اور نہ ماں باپ اور اس کے ایک (عینی یا علاتی) بہن ہو تو اس کو اس کے تمام ترکہ کا نصف حصہ ملے گا اور وہ شخص اس (اپنی بہن) کا وارث ہو گا اگر وہ بہن مر جائے اور اس کے اولاد نہ ہو اور والدین بھی نہ ہوں، اور اگر بہنیں دو ہوں (یا زیادہ)، تو ان کو اس کے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملیں گے اور اگر چند وارث بھائی بہن ہوں مرد اور عورت تو ایک

مرد کو دو عورتوں کے حصّہ کے برابر حصّہ ملے گا۔ اور مسئلہ میراث کو وصیت اور قرض کے بعد قرار دیا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فلا ولی رجل ذکر۔ یعنی پہلے ان کو دو جن کے حقوق کی ادائیگی فرض ہے اور جو باقی رہے وہ قریبی مرد رشتہ دار کو دو اور اسی سے ان لوگوں کی میراث بھی معلوم ہو جاتی ہے جن کا ذکر قرآن مجید نہیں کیا ہے۔ یعنی چچا اور ان کی اولاد وغیرہ کی۔

معاملات

معاملات سے مراد وہ تمام معاہدات ہیں جن سے لوگ اپنے منافع کا آپس میں تبادلہ کرتے ہیں اور قرآن مجید نے اجمالاً اور قاعدہ کلیہ کے طور پر ان کا ذکر کیا ہے لیکن ان کی تفصیلات مجتہدین اُمّت کے لیے چھوڑ دیں، انہی قواعد کلیہ میں سے یہ بھی ہے کہ۔

(۱) تمام معاہدات کو پورا کرنے کا عام حکم دیا چنانچہ سورہ مائدہ کے شروع میں ارشاد فرمایا۔

یا ایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود ط — اے ایمان والو عہدوں کو پورا کرو۔

اور یہ ایک عام سا کلمہ ہے جو ان تمام پابندیوں کو شامل ہے جو ایک انسان دوسرے انسان کے لیے لازم قرار دیتا ہے

(۲) لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے اور اس کو حکام کے پاس پہنچنے کا ذریعہ بنانے سے منع فرمایا چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون ط

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق (طور پر) مت کھاؤ اور ان اموال کو حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کے مالوں کا ایک حصّہ

بطریق گناہ (یعنی ظلم) کے کھا جاؤ اور تم کو (اپنے جھوٹ اور ظلم کا) علم بھی ہو۔

اور تجارت کے نفع کو جائز قرار دیا چنانچہ سورۂ نسار میں ارشاد فرمایا۔

یا ایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ط

اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو تو مضائقہ نہیں۔

لیکن چونکہ اس میں ایک گمان یہ بھی ہوتا تھا کہ غیر کا مال کھانا چاہے وہ قرابتداری ہی کیوں نہ ہو منع ہوگا اس لیے سورۂ نور میں اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ جل ذکرہ نے فرمادی۔

لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج ولا علی انفسکم ان تاکلوا من بیوتکم او بیوت آبائکم او بیوت امھاتکم او بیوت اخوانکم او بیوت اخواتکم او بیوت اعمامکم او بیوت عماتکم او بیوت اخوالکم او بیوت خالاتکم او ما ملکتم مفاتحہ او صدیقکم لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعا او اشتاتا۔

نہ تو اندھے آدمی کے لیے کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لیے کچھ مضائقہ ہے اور نہ بیمار کے لیے کچھ مضائقہ ہے اور نہ خود تمہارے لیے اس بات میں (کچھ مضائقہ ہے) کہ تم اپنے گھروں سے (جن میں بی بی اور اولاد گھر بھی آ گئے) کھانا کھا لو یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (پھر اس میں بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ (کھاؤ)۔

(۳) بطور خاص قرآن مجید نے خرید و فروخت کا ذکر کیا جو مبادلات میں اہم ہے لہٰذا اس کی حلت اور سود کی حرمت بیان فرمائی چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان

اور جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) مگر

من المس ذٰلك بانّھم قالوا انّما البیع مثل الرّبوا واحلّ اللّٰه البیع وحرّم الرّبوا ؕ

جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان لپٹ کر خبطی بنا دے (یعنی حیران و مدہوش) یہ سزا اسی لیے ہوگی کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا

یمحق اللّٰه الرّبوا ویربی الصدقات واللّٰه لا یحب كل كفار اثیم ؕ

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو (اور) کسی گناہ کے کام کرنے والے کو۔ پھر ارشاد فرمایا۔

یاایھا الّذین اٰمنوا اتّقوا اللّٰه وذروا ما بقی من الربوا ان كنتم مؤمنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللّٰه ورسوله وان تبتم فلكم رءوس اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون وان كان ذو عسرة فنظرة الٰی میسرة وان تصدقوا خیر لكم ان كنتم تعلمون ؕ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان سن لو (یعنی تمہارے خلاف وہ جہاد ہوگا) اور اگر تم توبہ کرلو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جائیں گے نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا اور اگر قرضدار تنگدست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے آسود گی تک اور یہ بات کہ معاف ہی کردو اور زیادہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم کو (اس کے ثواب کی) خبر ہو۔ اور سورۃ آل عمران میں ارشاد فرمایا۔)

یا ایھا الّذین اٰمنوا لا تاكلوا الرّبوا اضعافًا مضاعفة ؕ

اے ایمان والو سود مت کھاؤ (یعنی نہ لو اصل سے) کئی حصہ زائد کر کے)

اور قرآن نے اس کی وضاحت نہیں کی کہ بیع کیا چیز ہے اور سود کیا چیز ہے کیونکہ سامعین کے نزدیک یہ بات صاف تھی چنانچہ وہ آپس میں خرید و فروخت کرتے تھے اور ایک مدت

معینہ پر قرض کا بھی لین دین کیا کرتے تھے اور جب مدت ختم ہو جاتی تو قرض خواہ مدیون سے کہتا کہ یا تو ادا کر یا سود قبول کر تو اگر وہ ادا نہ کر سکتا تو اس پر قرض کو بڑھا دیتا اس طرح کہ اونٹنی جس عمر کی ہوتی اس سے زیادہ عمر والی کر دیتا اور اگر غلہ کا ایک پیالہ ہوتا تو اس کو دو پیالے کر دیتا" اور قرآن نے اس کی بھی وضاحت فرما دی کہ سود ضد ہے معانی کے مبدأ کی جس پر شریعت اسلامیہ کی بنیاد رکھی گئی ہے چنانچہ سورۂ روم میں ارشاد ہے۔

وما اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا من یربوا عند اللہ وما اتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولٰئک ھم المضعفون ط

اور جو چیز تم اس غرض سے دو کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جاتے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ تم دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔

اور عرب کی عادات اور بعض احادیث سے یہ بات صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ سود دراصل ادائے قرض کی مدت مقرر کرنے کے مقابلہ میں ہے اس شخص کے لیے جو نقد معاوضہ ادا کرنے سے عاجز ہو۔

قرآن مجید نے جو اہم اصول مرتب فرمائے ہیں ان میں سے اس قرض کی تحریر کا نظام بھی ہے جو مدت مقررہ کے اندر ادا کیا جاتے اور اس بارے میں جو آیت نازل ہوئی وہ ایک طویل آیت ہے جو سورہ بقرہ میں ہے اور یہ آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے ارشاد ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمًّی فاکتبوہ و لیکتب بینکم کاتب بالعدل و لا یاب کاتب ان یکتب کما علمہ اللہ فلیکتب و الیملل الذی علیہ الحق ولیتق اللہ ربہٗ ولا یبخس منہ

اے ایمان والو جب ایک میعاد معین تک کے لیے ادھار کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو اور یہ ضرور ہے کہ تمہارے آپس میں (جو) کوئی لکھنے والا (ہو وہ) انصاف کے ساتھ لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار بھی نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سکھلا

شيئًا ـ فان كان الذى عليه الحق
سفيهًا اوضعيفًا ولا يستطيع ان
يمل هو فليملل وليه بالعدل و
استشهدوا شهيدين من
رجالكم: فان لم يكونا رجلين ـ
فرجل وامرأتان ممن ترضون
من الشهداء ان تضل احدهما
فتذكر احدهما الاخرى و لا
يأب الشهداء اذا ما
دعوا ولا تسا موا ان تكتبوه صغيرًا
اوكبيرًا الى اجله ذلكم اقسط عند
الله واقوم للشهادة وادنى الا
ترتابوا الا ان تكون تجارة حاضرة
تديرونها بينكم فليس عليكم جناح
الا تكتبوها ـ واشهدوا اذا تبايعتم
ولا يضار كاتب ولا شهيد وان
تفعلوا فانه فسوق بكم واتقوا
الله ويعلمكم الله والله بكل شيء
عليم ـ وان كنتم على سفر و لم
تجدوا كاتبًا فرهان مقبوضة ـ فان
امن بعضكم بعضًا فليؤد الذى
اؤتمن امانته وليتق الله
ربه ـ ولا تكتموا

سکھلا دیا اس کو چاہیئے کہ لکھ دیا کرے اور
وہ شخص لکھوا دے جس کے ذمہ وہ حق واجب
ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے
ڈرتا رہے اور اس میں سے ذرہ برابر (بتلانے
میں) کمی نہ کرے پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب
تھا وہ اگر ضعیف العقل ہو یا ضعیف البدن
ہو یا خود لکھانے کی قدرت نہ رکھتا ہو
تو اس کا ولی ٹھیک ٹھیک طور پر لکھوا دے
اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ
(بھی) کر لیا کرو پھر اگر وہ دو گواہ مرد میسر نہ
ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنا لی
جائیں) ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند
کرتے ہو تاکہ ان دونوں عورتوں میں سے
کوئی ایک بھی بھول جائے تو ان میں ایک
دوسری کو یاد دلا دے اور گواہ بھی انکار نہ
کیا کریں جب (گواہ بننے کے لیے) بلائے
جایا کریں اور تم اس (قرض) کے بار بار لکھنے
سے اکتایا مت کرو خواہ (وہ) معاملہ چھوٹا ہو یا
بڑا ہو یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک انصاف کا
زیادہ قائم رکھنے والا ہے اور شہادت کا
زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ
سزاوار ہے اس بات کا کہ تم (معاملہ کے
متعلق) کسی شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ کوئی سودا دست

الشہادۃ ومن یکتمہا فانہ اٰثم قلبہ واللہ بما تعملون علیم ط

بدست ہو جس کو باہم لیتے دیتے ہو تو اس کے نہ لکھنے پر تم پر کوئی حرج نہیں ہے اور (اتنا اس میں بھی ضرور کیا کرو کہ) خرید و فروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو اور کسی کاتب کو تکلیف نہ دی جائے اور نہ کسی گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو اس میں تم کو گناہ ہوگا اور خدا سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ (کا تم پر احسان ہے کہ) تم کو تعلیم فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

اور اگر تم کہیں سفر میں ہو اور (وہاں) کوئی کاتب نہ پاؤ سو رہن رکھنے کی چیزیں (ہیں) جو قبضہ میں دے دی جائیں اور اگر ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو تو جس شخص کا اعتبار کر لیا گیا ہے (یعنی مدیوں) اس کو چاہیئے کہ دوسرے کا حق پورا پورا ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے جو کہ اس کا پروردگار ہے ڈرے اور شہادت کا اخفا مت کرو اور جو شخص اس کا اخفاء کرے گا اس کا قلب گنہگار ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کیے ہوتے کاموں کو خوب جانتے ہیں۔

اور سنت نے بہت سے معاملات کو قضایا ربویؐ میں صاف کر دیا ہے اور یہ سب عام احکام قرآن کے مطابق ہیں یا اس کے مجمل کی تفصیل یا اس کے مطلق کو مقید کرتی ہیں جس کو ہم استنباط احکام کے سلسلہ میں مسلمانوں کے اجتہاد میں بیان کریں گے۔

سزائیں

قرآن مجید کی اکثر سزائیں جن سے مجرمین کو ڈرایا گیا ہے وہ آخرت کی سزائیں ہیں جن میں سے اکثر ان جرائم پر بیان کی گئی ہیں جن کی وضاحت کی گئی ہے۔ رہا دنیوی سزائیں تو اپنی کتاب میں وہ پانچ مقرر فرمائی ہیں۔

(۱) قصاص، یہ معلوم ہے کہ عرب میں قصاص کا ایک نظم موجود تھا جو عادات تقالید سے حاصل ہوا تھا اور وہ یہ کہ کل قبیلہ اس کے کسی ایک فرد کی خطا کا ذمہ دار تھا الا انیکہ

اس نے عام مجمعوں میں اس سے علیحدگی کا اعلان کر دیا ہو اسی لیے بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ جس پر کسی خطا کا ارتکاب کیا گیا ہو اس کا ولی صرف خطاکار سے قصاص کے طلب کرنے کو کافی سمجھتا ہو خصوصاً جب کہ وہ شخص جس پر خطا کا ارتکاب کیا گیا ہو وہ اپنی قوم میں شریف یا سید ہو بلکہ وہ اپنے مطلب کے حاصل کرنے میں زیادہ وسعت اختیار کرتا تھا جو دو قبیلوں میں جنگ تک پہنچا دیتی تھی اور بسا اوقات مخطی کا قبیلہ اس کی حمایت کرتا جس سے شر ور اور لڑائیاں پیدا ہو جاتیں یہاں تک کہ بسا اوقات ان کی مدت بڑھ جاتی چنانچہ قرآن نے قصاص میں مسئولیت کو حدود بیان کیا اس طرح کہ صرف خطاکار پر اس کا انحصار فرما دیا چنانچہ سورۃ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ ؕ	اے ایمان والو تم پر (قانون) قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین (بقتل عمد) کے بارہ میں آزاد آدمی آزاد آدمی کے عوض میں اور

غلام غلام کے عوض میں اور عورت عورت کے عوض میں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ جرم کا خواہ جس سے کیا جائے وہ صرف مجرم ہی ہونا چاہیئے پھر اس دنیوی زندگی میں نظام قصاص کی ضرورت کو مختصر اور لطیف نکتہ میں ظاہر فرما دیا کہ۔

ولکم فی القصاص حیٰوۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون ۔	اور اے سمجھ والو (اس قانون) قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے ہم امید کرتے

ہیں کہ تم لوگ (ایسے قانون امن کی خلاف ورزی کرنے سے) پرہیز رکھو گے۔)

اور یہی مطلب مختصراً اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی سمجھ میں آتا ہے جو سورہ اسراء میں ہے جو مکی ہے۔

ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطاناً فلا یسرف فی القتل انہ کان منصوراً ۵	اور جو شخص ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے سو اس کو قتل کے بارہ میں حد (شرع) سے تجاوز نہ کرنا

چاہیئے وہ شخص طرفداری کے قابل ہے۔

اور یہ نظام عربی ہے جس کو قرآن نے باقی رکھا ہے یعنی مقتول کے ولی کو قصاص کے طلب کرنے میں ولایت کا حق۔

نیز عرب میں دیت کا نظام بھی موجود تھا جس کو قرآن نے باقی رکھا اور اس کی طرف سورۃ بقرہ میں اپنے اس ارشاد سے باقی رکھا۔

فمن عفی لہ من اخیہ شیء فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان ذلک تخفیف من ربکم ورحمۃ فمن اعتدی بعد ذلک فلہ عذاب الیم

ہاں جس کو اس کے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے (مگر پوری معافی نہ ہو) تو (مدعی کے ذمہ) معقول طور پر (خون بہا کا) مطالبہ کرنا اور (قاتل کے ذمہ) خوبی کے ساتھ اس کے پاس پہنچا دینا یہ (قانون دیت وعفو) تمہارے پروردگار کی طرف سے (سزا میں) تخفیف اور (شاہانہ) ترحم ہے پھر جو شخص اس کے بعد تعدی کا مرتکب ہو تو اس شخص کو بڑا درد ناک عذاب ہوگا۔

اور سورۃ نساء میں ارشاد فرمایا۔

ومن قتل مؤمنا خطاءً فتحریر رقبۃ مؤمنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ الا ان یصدقوا۔ فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبۃ مؤمنۃ۔ وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ وتحریر رقبۃ مؤمنۃ فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین توبۃ من اللہ وکان اللہ علیما حکیما ط

اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کے حوالہ کر دی جائے مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو تو خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کے حوالہ کر دی جائے اور ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا پھر جس شخص کو نہ ملے تو متواتر دو ماہ کے روزے ہیں بطریق توبہ کے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم اور حکمت

والے ہیں۔

اور سنت نے دیت کے نظام کی وضاحت فرمادی جس میں بعض کو عاقلہ پر رکھا۔ (یعنی اہل قبیلہ یا اہل خاندان یا اہل محلہ اور یہی ایک واحد شے ہے جو ستو لیت کی وسعت کی بناء پر عرب کے لیے باقی رکھ دی گئی ہے۔

اور قرآن مجید نے تورات کے نظام کی خبر دی جو اعضاء کے قصاص کے بارہ میں تھا چنانچہ سورۂ مایدہ میں ارشاد فرمایا۔

وکتبنا علیہم فیہا ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق بہ فہو کفارۃ لہ ؕ

اور ہم نے ان پر اس میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہو جائے گا

۲۔ (زانی کی سزا)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں زانی کی سزا بغیر کسی تفصیل کے سو کوڑے بیان فرمائی ہے چنانچہ سورۂ نور میں ارشاد ہے۔

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مأیۃ جلدۃ ولا تاخذکم بہما رأفۃ فی دین اللہ ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ولیشہد عذابہما طائفۃ من المؤمنین ؕ

زنا کرانے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد سو ان میں ہر ایک کے سو سو درے مارو اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہیے اگر اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، اور دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیئے۔

اور زانیہ لونڈی کے لیے اس سزا کا نصف مقرر فرمایا۔ چنانچہ سورہ نساء میں ارشاد فرمایا۔

فاذا احصن فان اتین بفاحشۃ فعلیھن نصف ما علی المحصنٰت من العذاب ط

پھر جب وہ لونڈیاں منکوحہ بنائی جائیں پھر اگر وہ بڑی بے حیائی کا کام کریں تو ان پر اس سزا سے نصف سزا ہو گی جو کہ آزاد عورتوں پر ہوتی ہے۔

اور احادیث میں شادی شدہ زانی کی سنگساری کا حکم آیا ہے چنانچہ صحیح مسلم میں ابو اسحاق شیبانی سے روایت ہے کہ انہوں نے عبد اللہ بن ابی اوفی سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو سنگسار فرمایا ہے تو انہوں نے فرمایا ہاں تو پوچھا کہ سورۂ نور کے احکام نازل ہونے کے بعد یا پہلے تو فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔

(۳) پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والے کی سزا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس شخص کی سزا جو شادی شدہ عورت پر نازل کی تہمت لگائے اسی کوڑے مقرر فرمائی ہے۔ چنانچہ سورۂ نور میں ارشاد ہے۔

والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا واولٰئک ھم الفٰسقون الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم ط

اور جو لوگ (زنا کی) تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں پر اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے پر) نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اسی درے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی قبول مت کرو (یہ تو دنیا میں ان کی سزا ہوئی) اور یہ لوگ (آخرت میں بھی مستحق سزا ہیں اس وجہ سے کہ) فاسق ہیں لیکن جو لوگ اس (تہمت لگانے) کے بعد (خدا کے سامنے) توبہ کرلیں اور (اپنی حالت کی) اصلاح کرلیں سو (اس حالت میں) اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرنے والا رحمت کرنے والا ہے۔

اور اگر شوہر اپنی بیوی پر تہمت لگائے تو اس کا ایک خاص نظام بیان فرمایا۔ چنانچہ اسی سورۂ میں ارشاد فرمایا۔

والذین یرمون ازواجھم ولم یکن

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (زنا کی) تہمت

لهم شهداء الا انفسهم فشهادة احدهما اربع شهادات بالله انه لمن الصادقين والخامسة ان لعنة الله عليه ان كان من الكاذبين۔

لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے دعوے کے، اور کوئی گواہ نہ ہوں (جن کا عدد بیں چار ہونا چاہیئے) توان کی شہادت (جوکہ دافع حبس یا حد قذف ہو) یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھاکر یہ کہہ دے کہ بیشک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔

اور جس طرح اللہ کے نام کے ساتھ مرد کی چار گواہیاں چار گواہوں کے قائم مقام ہیں اسی طرح قرآن مجید نے عورت کی برات کا بھی ایک طریقہ مقرر فرمادیا چنانچہ اسی کے بعد یہ ارشاد فرمادیا۔

ويدرؤا عنها العذاب ان تشهد اربع شهادات بالله انه لمن الكاذبين والخامسة ان غضب الله عليها ان كان من الصادقين ط

اور (اس کے بعد) اس عورت سے سزا (حبس یا حد زنا) اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھاکر کہے کہ بیشک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ سچا ہو

اور ان دونوں آیتوں میں ادنیٰ فکر سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ان دونوں آیات کا مقصد صرف شوہر کی طرف سے جرم کا ثبوت اور بیوی کی طرف سے اس کی تردید ہے بس اور اس میں نکاح اور اولاد سے متعلق کوئی امر نہیں ہے۔

(۴) چور کی سزا۔

اللہ تعالےٰ نے چور کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر فرمائی ہے۔ چنانچہ سورہ مایدہ میں ارشاد ہے۔

والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما جزاء بما كسبا نكالا من الله والله عزيز حكيم فمن تاب من بعد ظلمه واصلح فان الله يتوب

اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے سو ان دونوں کے (داہنے) ہاتھ (گٹے پر سے) کاٹ ڈالو ان کے کردار کے عوض میں بطور سزا کے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالےٰ

علیہ ان اللہ غفور رحیم ○ بڑے قوت والے ہیں (جو سزا چاہیں مقرر فرمائیں) بڑے حکمت والے ہیں (کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتے ہیں) پس جو شخص توبہ کرے اپنی اس زیادتی کرنے کے بعد اور اعمال کی دوستی رکھے تو بے شک اللہ تعالیٰ؏ بے شک اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے ہیں (کہ اس کا گناہ معاف فرما دیا) بڑے رحمت والے ہیں (کہ آئندہ بھی مزید عنایت فرمائیں گے)

(۵) رہزنوں کی سزا۔

رہزنوں کی سزا اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ میں بیان فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے

انما جزاء الذین یحاربون اللہ و رسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیہم وارجلہم من خلاف او ینفوا من الارض ذلک لہم خزی فی الدنیا ولہم فی الاخرۃ عذاب عظیم الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیہم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم

اور جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں یا زمین پر سے نکال دیے جائیں یہ ان کے لیے دنیا کی دنیا میں سخت رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے اس سے بھی بڑا عذاب ہوگا۔ لیکن جن لوگوں نے تمہارے قابو پانے سے پہلے توبہ کر لی تو جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے اور بڑے رحمت والے ہیں۔

اور قرآن مجید میں مندرجہ بالا سزاؤں کے علاوہ اور کسی سزا کا ذکر نہیں البتہ احادیث میں ایک اور سزا کا ذکر ہے اور یہ چھٹی سزا ہے۔

(۶) شراب پینے والے کی سزا۔ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے اور حدود میں قرآن مجید نے جن اصولوں کو بنیاد قرار دیا ہے وہ حسب ذیل ہے

(۱) امت کی بھلائی چنانچہ قصاص کے ذکر میں ارشاد فرمایا۔

؏ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے۔

ولکم فی القصاص حیٰوۃ یآ اولی الالباب لعلکم تتقون ۝ اے سمجھ والو (اس قانون) قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ تم (ایسے قانون امن کی خلاف ورزی کرنے سے) پرہیز رکھو گے۔

(۲) مجرم کی تنبیہ کہ پھر وہ مجرم کو دوبارہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے چنانچہ چوروں کی سزا کے ذکر میں ارشاد فرمایا۔

جزآءً بما کسبا نکالاً من اللہ ط (یہ) ان کے کردار کے عوض میں بطور سزا کے اللہ کی طرف سے (ہے)۔

اور رہزنوں کی سزا کے ذکر میں ارشاد فرمایا۔

ذٰلک لھم خزی فی الدنیا ط یہ ان کے لیے دنیا میں سخت رسوائی ہے

(۳) بدنی سزاؤں کا ہونا تاکہ اثر میں شدت ہو۔

پھر بھی احادیث میں ان سزاؤں کے جاری کرنے میں بہت احتیاط کا حکم دیا گیا ہے تاکہ نفس سزا میں تنبیہ سختی کے ساتھ ہو اور ثبوت میں احتیاط کی وجہ سے تخفیف ہو کیونکہ ام المومنین عائشہ رضی صدیقہ سے جو حدیث ترمذی میں مروی ہے وہ یہ ہے۔ ادرؤا الحد ود عن المسلمین ما استطعتم فان کان لہ مخرج فخلوا سبیلہ فان الامام ان یخطیٔ فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبۃ .... ط یعنی مسلمانوں کو جہاں تک ہو سکے تم سزا سے بچاؤ اور اگر کوئی صورت نکلے تو ان کو رہا کر دو کیونکہ امام کا سزا دینے میں غلطی کرنے سے تو کہیں یہ بہتر ہے کہ وہ عفو میں غلطی کر جائے یہ تمام وہ امور ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحیاً نازل فرمایا اور آپ کو حکم دیا کہ اس کو لوگوں تک پہنچا دیں اور یہ کہ آپ ان پر اسی طرح ظاہر کریں جیسا آپ کو حکم دیا گیا۔ اور اپنی سنت عملیہ و قولیہ سے لوگوں کو تمام وہ باتیں بتلا دیں جو آپ پر نازل کی گئی تھیں۔

دوسرا دور

جلیل القدر صحابہؓ کے زمانہ میں قانون شریعت

۱۱ھ سے ۴۰ھ تک

سیاسی پس منظر

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور ابوبکر صدیق رضہ خلیفہ بنائے گئے تو بہت لوگ اسلام سے پھر گئے لیکن ابوبکر صدیقؓ کا عزم راسخ اور مہاجرین وانصار کی قوت ایمانیہ ستون اسلام کو قائم رکھنے کا بہترین ذریعہ تھی کہ آپ نے فوجوں کو مرتب کیا اور پیدا شدہ کجی کو دور کر کے وحدت امت کو لوٹایا اور جب ابوبکر صدیقؓ کو اس میں کامیابی ہوگئی تو آپ نے عراق وشام کی طرف فوجیں بھیجیں کہ رومی وفارسی سلطنتوں میں اشاعت اسلام کریں لیکن قبل اس کے کہ حالت کی پوری وضاحت ہوتی اور معلوم ہوتا کہ انجام کار کس کو کامیابی ہوتی ہے آپ کی وفات ہوگئی اور حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا کہ ان کے ہاتھوں پر فتوحات ہوئیں اور مسلمان مشرقی سمت سے اکثر بلا فارس پر قابض ہو گئے اور نہر جیحون یعنی آمو دریا تک پہنچ گئے اور شمالی جانب سے سوریا اور آرمینیہ کے شہروں پر قابض ہو گئے اور مغرب کی طرف سے مصر ان کے زیر نگیں ہوگیا اور ان کے عہد مبارک میں بڑے بڑے اسلامی ملکوں کی بنیاد پڑی جیسے کہ فسطاط اور کوفہ اور بصرہ جہاں مسلمانوں کی بڑی تعداد نے قیام کیا جس میں صحابہ کی کثیر تعداد تھی اور اسی زمانہ میں اسلام میں امت عربیہ کے علاوہ دیگر اقوام کثیر تعداد میں داخل ہوئیں اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں تو یہ فتوحات مشرق ومغرب میں پھیل گئیں لیکن یہ عمارت

مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ ان کو ایک شدید صدمہ سے دوچار ہونا پڑا اور یہ وہی شورش تھی جو امیر المومنین عثمان بن عفانؓ کی مخالفت میں ان کے دشمنوں کی سازش سے شروع ہوئی اور اس کی انتہا ران تینوں بڑے ملکوں سے بڑی جماعتوں کے مدینہ آنے پر ہوئی جنہوں نے آپ کی حیات مبارک کا خاتمہ کر دیا اور اسی سبب سے مسلمانوں میں تفریق پیدا ہو گئی ایک جماعت تو حضرت عثمانؓ سے بغض رکھنے والی تھی جنہوں نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ایک فریق قاتلین حضرت عثمانؓ سے بغض رکھنے والوں کا تھا جنہوں نے معاویہؓ بن ابی سفیان کا اتباع کیا جس میں پہلی جماعت کا مستقر عراق کا پایہ تخت کوفہ تھا اور دوسری کا دمشق جو شام کا دارالخلافہ تھا پھر دونوں فریق میں بغض پیدا ہو گیا اور ایک نے دوسرے پر لعنت کی جس کا نتیجہ دونوں فریق کے درمیان میدان صفین میں جنگ عظیم کی شکل میں نمودار ہوا اور فریقین میں عالم اسلام کے منتخب افراد نبرد آزما تھے لیکن معرکہ کسی ایک فریق کے لیے فیصلہ کن نہ ہو سکا کیونکہ اہل شام نے کتاب اللہ کا فیصلہ طلب کیا اور اکثر اہل عراق نے اس کو قبول کیا اور اس تحکیم میں ایک فریق کے لیے قوت تو دوسرے کے لیے ضعف تھا پہلے فریق حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ تھے حضرت علیؓ کے ہی لشکر سے وہ شخص نکلا جس نے تحکیم پر عیب لگایا اور تحکیم سے راضی ہونے والوں پر لعنت کی جس کی وجہ سے حضرت علی ابن ابی طالبؓ اپنے مخالف کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس سے ان کے مخالف کی طاقت میں زیادتی ہو گئی اور خود حضرت علیؓ انہی خوارج میں سے ایک کے ہاتھ سے شہید ہو گئے اور ان کی شہادت پر سواد اعظم نے حضرت معاویہ ابن ابی سفیان پر اتفاق کر لیا۔

یہ زمانہ اس حالت میں ختم ہوا کہ مسلمانوں میں تین سیاسی جماعتیں پیدا ہو چکی تھیں

(۱) عام مسلمین جو حضرت علی اور ان کی خلافت پر متفق تھے۔

(۲) شیعہ جو حضرت علی اور اہل بیت کی محبت پر قائم رہے۔

(۳) خوارج جو حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ سب کے دشمن تھے اور ان تینوں فریق کا شریعت اسلامی میں خاص اثر تھا جو آئندہ دور میں ظاہر ہوا۔

دور ثانی میں کتاب وسنّت

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کر دیا قرآن مجید بتدریج نازل ہوا اور جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جمہور تک پہنچا دیا اور وحی کے لکھنے والوں کو اس کے لکھنے کا حکم دیا لیکن جمہور مسلمین میں بعض لوگ بھی تھے جو صرف اس کا حفظ کافی سمجھتے تھے اور جو ان کو ملتا تھا اس کو یاد کر لیا کرتے تھے اور بعض لوگ لکھ لیا کرتے تھے اور رسول علیہ السلام ان کو آیات اور سورتوں کی ترتیب تبلا دیا کرتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا لیکن قرآن مجید کسی ایک مصحف میں جمع نہیں ہوا بلکہ حفاظ کے سینوں میں محفوظ تھا یا کاتبان وحی کے صحیفوں میں یا دوسرے صحیفوں میں جو عام کاتبوں کے پاس تھے، اور عہد نبوی میں حفاظ کی تعداد بہت تھی جن میں سے بعض کل قرآن کے حافظ تھے۔

حضرت ابی ابکرؓ کے زمانہ میں جنگ یمامہ کا واقعہ پیش آیا جس نے آپ کو پورے قرآن کو ایک مصحف میں جمع کرنے کی طرف توجہ دلائی اس جنگ میں حفاظ قرآن کی ایک بڑی جماعت شہید ہو گئی تھی جس سے حضرت ابو بکرؓ کو قرآن کے ضائع ہونے کا ڈر پیدا ہو گیا چنانچہ بخاریؒ نے حضرت زید بن ثابت سے روایت کی ہے کہ ابو بکرؓ نے اہل یمامہ کی جنگ کے بعد مجھے بلایا تو میں نے دیکھا کہ عمرؓ بن خطاب ان کے پاس موجود ہیں تو ابو بکرؓ نے فرمایا کہ میرے پاس عمرؓ آئے اور بیان کیا کہ یمامہ کے دن قراء قرآن کے ساتھ جیسا شدید واقعہ پیش آیا اس لیے مجھے خوف ہے کہ حفاظ قرآن اگر اسی طرح مزید شہید ہو گئے تو اکثر قرآن ضائع ہو جائے گا لہٰذا میری رائے ہے کہ آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دیں جس پر میں نے عمرؓ سے کہا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، ہم کس طرح کریں تو عمرؓ نے کہا خدا کی قسم یہ بہتر ہے پھر عمرؓ مجھ سے اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو اس کام کے لیے کھول دیا اور میں نے وہی مناسب سمجھا جو عمرؓ کی رائے ہے۔ زیدؓ فرماتے ہیں کہ ابو بکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ تم جوان آدمی ہو اور ذی ہوش ہو، ہم تم پر کوئی شبہ نہیں کر سکتے اور تم رسول اللہ ص

کے زمانہ میں وحی کی کتابت کیا کرتے تھے لہٰذا قرآن کی تلاش کرو اور جمع کرو، خدا کی قسم اگر مجھے کسی پہاڑ کو ہٹانے کی زحمت دیتے تو مجھ پر بار نہ ہوتا بہ نسبت اس کے کہ انہوں نے مجھے جمع قرآن کا حکم دیا، میں نے کہا کہ آپ کو وہ کام کیسے کرنا چاہتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تو فرمایا کہ واللہ یہ بہتر ہے پھر ابوبکرؓ مجھ سے اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو اس بات کے لیے کھول دیا جس لیے اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ و عمرؓ کے دل کھول دیے تھے پھر میں نے قرآن کی تلاش شروع کر دی اور کھجور کی شاخوں اور پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ سورۂ توبہ کی آخری دو آیتیں لقد جاء کم رسول سے آخر سورۂ توبہ تک ابی خزیمہ انصاری کے پاس سے لایا کہ ان کے سوا اور کسی کے پاس یہ آیتیں نہ تھیں پھر یہ صحیفے حضرت ابوبکرؓ کے پاس ان کی وفات تک رہے پھر حضرت عمرؓ کے پاس ان کی حیات تک رہے پھر حفصہ بنتِ عمرؓ کے پاس رہے۔

اور سیوطی نے اتقان میں روایت کی ہے کہ حارث محاسبی نے اپنی کتاب فہم السنن میں کہا ہے کہ قرآن کی کتابت بدعت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کے لکھنے کا حکم دیا تھا البتہ وہ متفرق ٹکڑوں ہڈیوں اور کھجور کی شاخوں میں لکھا ہوا تھا حضرت صدیقؓ نے تو مختلف مقامات سے جمع کر کے ایک جگہ کر دیا اور یہ ان اوراق کی جگہ ہو گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پائے گئے تھے جن میں قرآن منتشر تھا پھر جمع کرنے والے نے ایک جگہ جمع کر کے ایک تاگہ سے باندھ دیا ہو کہ اس سے کوئی چیز ضائع نہ ہو۔

اور زید بن ثابت نے حفاظ قرآن اور کاتبان وحی میں سے ہوتے کے باوجود اپنے حفظ اور کتابت پر ہی اعتماد نہ کیا بلکہ حافظوں کے سینوں سے اور کاتبان وحی کے صحیفوں سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانۂ مبارک میں جو لکھا ہوا پایا گیا اس سے مدد لی اور جمع کرنے کے بعد مہاجرین و انصار کی جماعت کے سامنے پڑھا اس طرح ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس ارشاد

کی تکمیل ہو گئی کہ

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون ۝ ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

جیسا کہ اوپر گذر چکا یہ صحیفے پہلے ابو بکرؓ کے پاس پھر عمرؓ کے پاس پھر حفصہؓ یعنی حضرت عمرؓ کی صاحبزادی کے پاس محفوظ رہے اور خلیفہ ثالث عثمان بن عفانؓ کے زمانہ میں اسلام کے بڑے بڑے شہروں میں اس مصحف کی اشاعت کی ضرورت محسوس ہوئی۔

اور اس ضرورت کا احساس اس طرح ہوا کہ حفاظ قرآن ان شہروں میں پھیل گئے تھے اور وہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے اور ان کے پاس میں ان کے لغات کے اختلاف کی بناء پر قرآن مجید کے بعض حروف میں بھی اختلاف نہ تھا جس کی وجہ سے کوئی قاری اپنی قرأت کو دوسرے سے افضل بتانے لگا اور حضرت عثمان کو یہ خبر ملی تو اس سے آپ کو سخت خطرہ لاحق ہوا جس کا علاج آپ نے ضروری سمجھا اور بخاریؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ حذیفہ بن یمان جو آرمینیہ و آذربیجان کی جنگ میں عراقیوں کے ساتھ حصہ لے رہے تھے وہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے تو وہ ان قراء کے اختلاف سے گھبرائے ہوئے تھے چنانچہ حضرت عثمانؓ سے انہوں نے کہا کہ امت کی خبر لو قبل اس کے کہ ان میں باہم ایسا اختلاف ہو جائے جیسے یہود و نصاریٰ میں اختلاف ہوا تھا تو حضرت عثمانؓ نے حفصہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ ہمارے پاس قرآن مجید کو نسخہ بھیج دو تو اس کی ہم نقل کرا کر واپس کر دیں گے تو حفصہؓ نے اس قرآن مجید کو حضرت عثمانؓ کے پاس بھیجا تو آپ نے حضرت زید بن ثابت اور عبد اللہ بن الزبیر وسعید بن العاص اور عبد الرحمن بن حارث بن ہشام کو حکم دیا تو انہوں نے اس کی نقلیں تیار کرلیں پھر حضرت عثمانؓ نے قریش کے تینوں اشخاص کی جماعت سے فرمایا کہ جب تم میں اور زید بن ثابت میں قرآن کی کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اس کو قریش کی زبان میں لکھو اس لیے کہ وہ ان کی زبان میں نازل ہوا ہے جس پر انہوں نے ایسا ہی کیا اور جب نقلیں اس طرح مکمل ہو گئیں تو حضرت عثمانؓ نے صحیفے حضرت حفصہ کے

پاس بھیج دیے اور ان نقل شدہ قرآنوں میں سے ایک ایک قرآن ہر سمت میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ اس کے سوا جو قرآن کسی صحیفے یا مصحف میں ہو وہ جلا دیا جائے یہ ۲۵ھ کا واقعہ ہے اور جو قرآن لکھے گئے تھے اس میں سے ایک ایک نسخہ۔ کوفہ۔ بصرہ۔ دمشق اور مکہ معظمہ کو بھیجا گیا اور ایک مدینہ منورہ میں رکھا گیا اور ایک نسخہ حضرت عثمانؓ نے اپنے لیے رکھ لیا جو مصحف امام کے نام سے مشہور تھا اور یہ تمام قرآن شہروں کی جامع مسجد میں رکھے گئے جس کو قراء پڑھتے تھے اور حفاظ اسی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے اس طرزِ عمل سے اللہ کی کتاب کو اس بات سے امن حاصل ہو گیا کہ اس میں سے ایک حرف کا بھی اختلاف ہو سکے۔

لیکن احادیث قولیہ کو جمع کرنے کی جانب کوئی التفات نہیں تھا بلکہ بسا اوقات وہاں اس کے خلاف عمل پایا گیا کہ اس کی روایت بہت کم کی جائے جس کی تصریحات حسب ذیل ہیں۔

(۱) حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحافظ میں لکھا ہے کہ ابن ابی ملیکہ کی اس روایت میں لکھا ہے کہ صدیق اکبرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی احادیث بیان کرتے ہو جس میں تم میں باہم اختلاف ہو جاتا ہے اور تمہارے بعد کے لوگوں میں سے تم بھی زیادہ اختلاف ہو جائے گا لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نہ بیان کرو اگر تم سے کوئی سوال کرے تو یوں کہہ دو کہ ہمارے تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے جس کو وہ حلال کہے اس کو حلال سمجھو اور اس کے حرام کو حرام سمجھو۔

(۲) حافظ نے کہا ہے کہ شعبہ وغیرہ کی بیان ہے وہ شعبہ سے وہ قرظہ بن قرظہ بن کعب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب عمرؓ نے ہم کو عراق کی طرف روانہ فرمایا تو تھوڑی دور عمرؓ ہمارے ساتھ چلے پھر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں کیوں تمہارے ساتھ آیا تو سب نے کہا ہاں ہمارے عزت و احترام کے لیے تو فرمایا کہ اس کے علاوہ بھی ایک بات ہے اور وہ یہ کہ تم ایسے گاؤں والوں کے پاس پہنچو گے جو شہد کی مکھیوں کی

طرح گنگنا کر قرآن پڑھتے ہوں گے تو ان کو احادیث میں مشغول کر کے قرآن مجید سے روک نہ دینا بلکہ ان کو قرآن مجید کی تلاوت کے لیے چھوڑ دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم بیان کرنا اور اس بات میں بھی تمہارا شریک ہوں چنانچہ جب قرظہ آئے تو لوگوں نے ان سے احادیث پوچھیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم کو عمرؓ نے منع کر دیا ہے۔

(۳) دراوردی نے محمد بن عمرو سے وہ ابی سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابی ہریرہؓ سے پوچھا کہ کیا تم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسی طرح (خوب) حدیثیں بیان کیا کرتے تھے تو فرمایا کہ جیسے میں تم سے بکثرت احادیث بیان کرتا ہوں اگر عمر کے زمانہ میں اس طرح بیان کرتا تو وہ اپنے کوڑے سے مجھے مارتے۔

(۴) معن بن عیسیٰ سے روایت ہے کہ ہم سے مالک نے عبداللہ بن ادریس سے روایت بیان کی انہوں نے شعبہ سے وہ سعید بن ابراہیم سے وہ اپنے باپ سے کہ حضرت عمرؓ نے تین شخصوں یعنی ابن مسعودؓ اور ابوالدرداءؓ اور ابومسعود انصاریؓ کو قید کیا تھا اور وجہ یہ بیان کی تھی کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرنے میں کثرت کر دی۔

(۵) ابن علیہ نے رجاء بن ابی سلمہ سے روایت کی ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ معاویہؓ کہا کرتے تھے کہ تم حدیثیں بیان کرنے وہی روش باقی رکھو جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تھی کیونکہ انہوں نے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کے بیان کرنے کے بارہ میں ڈرا دیا تھا۔

(۶) تنویر الحوالک شرح موطأ امام مالک میں سیوطی نے بیان کیا ہے کہ ہروی نے زہری کے طریق سے کلام کرنے کی مذمت میں کہا ہے کہ مجھ سے عروہ بن زبیر نے بیان کیا کہ عمرؓ بن الخطاب نے احادیث لکھنے کا ارادہ کیا تھا جس میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا تو عوام نے ان کی رائے کو پسند کیا پھر وہ ایک مہینہ تک شک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتے رہے پھر ایک دن جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں عزیمت ڈال دی تو فرمانے لگے کہ میں نے تم سے احادیث لکھنے کے ارادہ کا ذکر کیا تھا جو تم کو معلوم ہے پھر مجھے یاد آگیا کہ تم سے پہلے اہل کتاب نے اللہ کی کتاب کے ساتھ اور کتابوں

کو لکھا پھر اسی پر جھک پڑے اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ دو اس لیے خدا کی قسم میں اللہ کی کتاب کے ساتھ کسی چیز کو غلط ملط نہ کروں گا پھر آپ نے احادیث لکھوانے کا خیال چھوڑ دیا اور ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ قبیصہ بن عقبہ نے ہم کو خبر دی کہ سفیان نے ہم کو خبر دی ہے کہ معمر نے زہری سے روایت کی ہے کہ عمرؓ نے احادیث کے لکھنے کا ارادہ کیا تو ایک ماہ تک اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا پھر ایک دن آپ نے اپنے عزم کا اظہار فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کا خیال کیا جنہوں نے خود کتاب لکھی اور پھر اسی پر جھک پڑے اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا (تعلیق مجد علی موطا امام محمد)۔

(۷) بخاری نے اعمش سے روایت کی ہے کہ ابراہیم تیمی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہمارے پاس بجز کتاب اللہ کے کوئی ایسی کتاب نہیں جو پڑھی جاتی ہو اور یا جو کچھ اس صحیفہ میں ہے پھر اس صحیفہ کو کھولا تو اس میں اونٹ کی عمروں کا حال لکھا تھا اور یہ لکھا تھا کہ مدینہ عید سے فلاں جگہ تک حرم ہے تو اس میں جو شخص کوئی نئی چیز پیدا کرے اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر اس کے لئے نہ کسی کی سفارش قبول کرے گا اور نہ کوئی فدیہ کام دے گا اور اس میں یہ تھا کہ جملہ مسلمانوں کا قول و قرار ایک ہے کہ اس کے لیے ادنیٰ مسلمان بھی کوشش کر سکتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص کسی مسلمان کے قول و قرار کو جو وہ کسی کے ساتھ کرے توڑ دے تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارہ میں کسی کی سفارش قبول کریگا اور کوئی صدقہ قبول کیا جائے گا اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ جو آزاد شدہ غلام آزاد کرنے والوں کی اجازت کے بغیر اپنا حق ولاء کسی قوم کو دیدے تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق نہ کسی کی سفارش قبول کرے گا اور نہ فدیہ۔

(۸) عبداللہ بن مسعودؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ حدیث کی روایت بہت کم کیا کرتے تھے۔ اور الفاظ میں احتیاط کیا کرتے تھے۔ (اور شاید یہ حضرت عمرؓ کے برکات تھے) اور ابی عمرو شیبانی سے روایت ہے کہ میں ابن مسعود کے پاس ایک سال بیٹھا لیکن کبھی آپ نے یہ نہیں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ جب وہ یہ فرمانے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کانپنے لگتے اور فرماتے کہ اس طرح یا اس کے*

* قریب یا اس جیسا یا یہ فرمایا کرتے۔

اور ان روایات پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے جو ان لوگوں سے روایت کی گئی ہیں جو ائمہ فتوی اور مسلمانوں کے قائد ہیں بسا اوقات ذہن میں ایک غیر صحیح اثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ لوگ احادیث پر توجہ نہیں کیا کرتے تھے اور قرآنی قانون کو مکمل نہیں سمجھتے تھے حالانکہ ہم اگر ان کی روایات پر غور کریں کہ وہ احادیث کا کتنا خیال کرتے تھے تو یہ حقیقت ظاہر ہو جائے گی کہ وہ صحابہ سے یہ خواہش کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم روایت کریں جس کے کچھ اشارات حسب ذیل ہیں۔

(۱) حافظ ذہبی نے تذکرۃ حفاظ میں لکھا ہے کہ ابن شہاب نے قبیصہ ابن ذویب سے روایت کی ہے کہ ایک دادی ابو بکرؓ کے پاس آئی جس کی خواہش تھی کہ اس کو میراث میں حصہ ملے حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ قرآن میں تو تیرا کوئی حصہ مذکور نہیں ہے اور نہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ معلوم ہوا ہے پھر آپ نے لوگوں سے دریافت کیا تو مغیرہ اٹھے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا چھٹا حصہ سنا ہے تو فرمایا کہ کیا تمہارا کوئی گواہ ہے تو محمد بن مسلمہ نے اسی طرح گواہی دی تو ابو بکرؓ نے اس کو نافذ کر دیا۔

(۲) اور یہ بھی کہا کہ جریری نے ابی نضرہ سے روایت کی ہے اور وہ سعید سے بیان کرتے ہیں کہ ابو موسیٰ نے حضرت عمرؓ کو دروازہ کے پیچھے سے تین بار سلام کیا اور جب انہوں نے اندر آنے کی اجازت نہ دی تو لوٹ گئے تو حضرت عمرؓ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجا کہ آپ کیوں لوٹ گئے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی تین بار سلام کرے اور اس کو جواب نہ دیا جائے تو لوٹ جائے تو حضرت عمر نے فرمایا کہ یا تو کوئی ثبوت پیش کرو ورنہ میں تمہاری خبر لوں گا تو ابو موسیٰ ہمارے پاس آئے ہم بیٹھے ہوئے تھے ان کا رنگ اڑا ہوا تھا ہم نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے تو ہم کو سارا قصہ بتایا اور فرمایا کیا تم میں سے کسی نے اس کو سنا ہے ہم نے کہا ہاں ہم سب نے اس کو سنا ہے پھر ان کے ساتھ ایک آدمی کو بھیجا جس نے حضرت عمرؓ کے پاس آکر بیان کیا۔

(۳) اور بیان کیا کہ ہشام نے اپنے والد مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے ایسی عورت کے حمل کے متعلق مشورہ کیا جو کسی کے مارنے سے گرجائے تو حضرت مغیرہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت (لونڈی یا غلام) دلوائی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو ایک گواہ لاؤ جس کو دیت دلوانے کا حال معلوم ہو تو محمد بن مسلمہ نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا تھا۔

(۴) اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابیؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی حدیث بیان کی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اس پر گواہ لاؤ تو وہ گواہ لانے نکلے تو کچھ انصار ان کو مل گئے انہوں نے ان سے اس کا تذکرہ کیا انہوں نے کہا ہم نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے تم پر شبہ نہ تھا بلکہ میں چاہتا تھا کہ ثابت ہو جائے۔

(۵) اور عثمان بن مغیرہ ثقفی نے علی بن ربیعہ سے روایت کی ہے کہ اسماء بن حکم فزاری نے حضرت علیؓ سے سُنا کہ آپ فرماتے تھے کہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سُنتا تو اللہ تعالیٰ نے جو چاہا اس سے میں نے نفع اٹھایا اور اگر کوئی اور آپ کی حدیث مجھ سے بیان کرتا تو میں اس کو قسم دلاتا اگر وہ قسم کھالیتا تو میں اس کی تصدیق کرتا اور ابو بکرؓ نے بھی مجھ سے ایک حدیث بیان کی اور وہ اپنے بیان میں صادق تھے (یعنی ان کو قسم دلانے کی میں نے ضرورت نہیں سمجھی) فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جب کوئی مسلمان بندہ کوئی گناہ کرے پھر وہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو فرما دیتا ہے۔ اور یہ روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کے ائمہ اور ان کے پیشوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی اور غلط حدیث منسوب ہونے کے خوف سے بہت کم روایات بیان کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے اور اسی لیے جو روایات ان کے سامنے ہوا کرتی تھیں بیان اس کا ثبوت طلب کیا کرتے تھے۔ خصوصاً حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ تو اس وقت تک ان احادیث کو قبول نہیں کیا کرتے تھے جب تک کہ اس پر دو شخص گواہی نہ دے دیں کہ انہوں

نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے حتیٰ کہ ابو بکرؓ نے مغیرہ بن شعبہ سے ان کے روایات کی تقویت کرنے والے کو طلب کیا اور حضرت عمرؓ نے مغیرہ اور ابو موسیٰ اور ابی کی روایات کو تقویت دینے والا طلب کیا حالانکہ ان کی رفعت شان اور ان کی عظمت ان کے ثقہ ہونے کے لیے کافی تھی اور حضرت علیؓ تو راوی کو قسم دلایا کرتے تھے اور جب ان کے نزدیک حدیث ثابت ہو جاتی اور وہ مطمئن ہو جاتے تو پھر وہ اس روایت کے مطابق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو پہنچتی عمل کرتے اور ہرگز اس کی مخالفت نہ کرتے۔

اور ان کے اس عمل کا نتیجہ اس زمانہ میں احادیث کی روایت کی کمی کا باعث رہا اور اسی روایت پر وہ اعتماد کرتے تھے جس کی روایت دو گواہوں کی گواہی سے اس وقت ثابت ہوتی جب کہ وہ واقعہ پیش آتا جو حدیث کے ذکر کے لیے داعی ہوتا۔

اس زمانہ میں اجتہاد

اجتہاد کا مطلب ہے جدوجہد اور کوشش کرنا احکام شریعت کے نکالنے میں ان امور سے جن کو شارع نے دلیل قرار دیا ہے اور وہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں

(۱) احکام کے ظاہر سے کوئی حکم اخذ کرنا جب کہ محل حکم ان احکام کے مطابق ہو۔

(۲) احکام کے مفہوم سے کوئی حکم اخذ کرنا جب کہ احکام کی علت موجود ہو جو اس کی صراحت کرے یا اس سے مستنبط ہو اور کسی واقعہ میں وہ علت پائی جائے اور حکم اس کو شامل نہ ہو اور اسی کو قیاس کہا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں استنباط مسائل صرف ان فتاویٰ تک محدود تھا جن کو وہ شخص جس سے کسی بارہ میں پوچھا جاتا تو وہ فتویٰ دے دیتا اور مسائل میں اور ان کے جوابات کے بیان کرنے میں وسعت اختیار نہیں کرتے تھے بلکہ اس کو ناپسند سمجھتے تھے اور کسی معاملہ میں رائے کا اظہار اس وقت تک نہ کرتے تھے جب تک وہ معاملہ پیدا نہ ہو جاتا اور جب

کوئی واقعہ پیش آجاتا تو پھر اس کا حکم بتانے کے لیے اجتہاد کیا کرتے تھے اسی لیے جلیل القدر صحابہؓ سے فتاوی بہت کم منقول ہیں اور یہ لوگ اپنے فتوؤں میں حسب ذیل امور پر اعتماد کیا کرتے تھے۔

(۱) قرآن مجید پر کیونکہ وہ دین کی بنیاد اور ملّت کا ستون ہے اور وہ اس کو بالکل صاف اور واضح طور سے سمجھتے تھے کیونکہ وہ ان کی زبان میں نازل ہوا تھا اور نیز وہ اس کے نزول کے اسباب سے واقف تھے اور ان میں اس وقت کوئی غیر عرب داخل نہیں ہوا تھا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر جب کبھی وہ ان کو مل جاتی اور اس کا راوی ان کے نزدیک ثقہ ہوتا تو وہ اس کی اتباع پر متفق ہو جاتے تھے چنانچہ ابوبکرؓ کے سامنے جب کبھی کوئی معاملہ پیش آتا تو وہ اس کی توپہلے وہ کتاب اللہ میں دیکھتے اگر اس میں انہیں اس کا حکم مل جاتا تو اسی کے مطابق حکم کرتے اور اگر وہ کتاب الٰہی میں نہ پاتے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت میں تلاش کرتے اگر وہاں اس کے تصفیہ کے لیے کوئی حل پاتے تو اس کے مطابق تصفیہ کر دیتے اگر اس میں بھی آپ کو کامیابی نہ ہوتی تو پھر لوگوں سے دریافت فرماتے کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم جاری فرمایا تھا تو اکثر اوقات لوگ کھڑے ہو جاتے اور بتاتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں ایسا ایسا فیصلہ کیا ہے۔

اور حضرت عمرؓ کی یہ عادت تھی کہ ان کو کتاب اور سنّت سے حکم نکالنے میں کامیابی نہ ہوتی تو پھر دریافت فرماتے کہ کیا ابوبکرؓ نے اس بارے میں کوئی فیصلہ کیا ہے اگر حضرت ابوبکرؓ کا کوئی حکم آپ کو معلوم ہو جاتا اور اس کے خلاف کوئی حکم نہ ملتا تو پھر آپ اسی کے مطابق فیصلہ فرماتے اور عثمانؓ و علیؓ سب کے سب اسی طرح عمل کرتے تھے اور ساتھ ہی روایت قبول کرنے میں احتیاط برتتے تھے۔ اور صحابہ کے سامنے بعض ایسے قضیے بھی پیش ہوتے تھے جس میں کتاب یا سنت میں کوئی حکم نہ ملتا تو پھر قیاس کرنے پر مجبور ہوتے اور اس کو رائے سے تعبیر کرتے اور اسی طرح ابوبکرؓ عمل کیا کرتے تھے جب کہ وہ قرآن مجید میں نص نہ پاتے یا لوگوں سے

حدیث کا علم نہ ہوتا کیونکہ آپ لوگوں کو جمع کیا کرتے تھے اور ان سے مشورہ کیا کرتے تھے اور جب وہ کسی معاملہ میں کسی رائے پر متفق ہو جاتے تھے تو اسی کے مطابق فیصلہ فرمادیا کرتے تھے اور اسی طرح حضرت عمرؓ بھی کیا کرتے تھے اور جب آپ نے شریحؒ کو کوفہ کی قضاءت عطا فرمائی تو ان سے فرمایا تھا کہ اللہ کی کتاب میں غور کرنا اور اگر اس میں حکم ملے تو پھر کسی سے کچھ دریافت نہ کرنا اور اگر اس میں نہ ملے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں تلاش کرنا اور اگر سنت میں نہ ملے تو پھر اپنی رائے سے عمل کرنا اور ابو موسیٰ اشعری کو آپ نے جو حکم نامہ بھیجا تھا اس میں لکھا تھا کہ قضاء یا تو فریضہ محکمہ ہے یا سنت متبعہ پھر فرمایا کہ اس کے بعد غور و فکر ہے جو تیرے دل میں آجائے جب کہ کتاب و سنت میں کوئی حکم نہ ملے۔ نظائر و امثال کو سمجھو اور اسی پر قیاس کرو۔

اور عبداللہ بن مسعودؓ سے مفوضہ (جس عورت کو طلاق تفویض کر دی جائے) کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میں اس بارے میں اپنی رائے سے حکم دیتا ہوں اگر وہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور خطاء ہے تو میری طرف سے ہے اور شیطان کی طرف سے اور اللہ و رسول اس سے بری ہیں۔

اور عبداللہ بن عباسؓ نے زیدؓ بن ثابت سے دریافت کیا کہ کیا قرآن میں بقیہ کا ثلث ہے تو فرمایا کہ میں اپنی رائے سے ایک حکم لگاتا ہوں اور آپ اپنی رائے سے ایک حکم دیتے ہیں۔

اور حضرت عمرؓ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے ایک شخص سے ملاقات کی اور پوچھا کہ تو نے کیا کیا اس نے کہا کہ زیدؓ اور علیؓ نے یہ فیصلہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں فیصلہ کرتا تو ایسا کرتا اس نے کہا کہ پھر آپ کو کس نے روکا ہے حکم آخر تو آپ کے ہاتھ میں ہے تو فرمایا کہ اگر میں تجھ کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرتا تو ایسا کرتا لیکن میں تجھ کو اپنی رائے کی طرف پھیرتا ہوں اور رائے مشترک ہے چنانچہ آپ نے علیؓ و زیدؓ کے فیصلہ کو نہیں توڑا۔

اور وہ باوجود رائے سے کہنے کے اس پر اعتماد کو ناگوار سمجھتے تھے تاکہ لوگ دین کے

بارے میں بغیر علم کے کہنے پر جری نہ ہوں اور اس میں اس بات کو داخل کر دیں جو اس میں نہ ہو اور اسی لیے ان میں سے اکثر نے رائے کی مذمت کی ہے اور یہ واضح ہے کہ جس رائے کی انہوں نے مذمت کی ہے وہ رائے نہیں ہے جس پر انہوں نے عمل کیا بلکہ اس کو مذموم سمجھا کہ فتوے میں خواہش کی پیروی کی جائے۔ اصول دین کی ایسی سند کے بغیر جس کی طرف رجوع کیا جا سکے اور محمود وہ ہے جس کو عمرؓ نے اپنے قاضی کو اپنے اس حکم میں بتایا کہ پہلے نظائر و امثال کو پہچانو پھر ان امور کو قیاس کرو کیونکہ اس طرح رائے پر عمل کرنا نص کے مفہوم پر عمل کرنا ہوا۔ اور بہر حال ان کے فتوے میں جن میں انہوں نے رائے پر اعتماد کیا بہت ہی کم ہیں۔

حضرات شیخینؓ جب جماعت سے کسی بارے میں مشورہ کرتے اور لوگ اس میں کوئی رائے دیتے تو لوگ اس کی پیروی کرتے اور کسی کو مخالفت کی مجال نہ تھی اور اس طرح اظہار رائے کو اجماع کہا جاتا تھا اور اس زمانہ میں مجتہد صحابہ کی تعداد معدود ہے چند تھیں جن سے مشورہ کرنا اور جن کے نتائج افکار پر مطلع ہونا دشوار نہ تھا اس لیے اجماع بہت آسان تھا۔

اس لحاظ سے اس زمانہ میں احکام کے ماخذ چار تھے۔

پہلا ماخذ کتاب جو در اصل معتمد ہے۔ دوسرا حدیث تیسرا قیاس یا رائے اور وہ ان ،، دونوں کی شاخ ہے اور چوتھا اجماع اور یہ ظاہر ہے کہ حسب ضرورت وہ اجماع میں قرآن مجید یا حدیث یا قیاس سے سند لیتے ہوں گے۔

اور حضرات شیخین کی سیاست کا نتیجہ یہ تھا کہ احکام میں اختلاف کم ہوتا تھا کیونکہ یا تو مشورہ سے صادر ہوتا تھا اور اس میں اختلاف کا نہ ہونا واضح ہے یا پھر قرآن مجید کے مضبوط حکم یا سنت متبعہ معروفہ کے تحت صادر ہوتا تو اختلاف کا کوئی سبب ہی نہ رہتا البتہ جب رائے سے فتویٰ صادر ہوتا تو اس میں اختلاف کا امکان تھا اور یہ بھی ہم کو علم ہو چکا ہے کہ رائے پر ان کا اعتماد کم تھا اور حضرت عمرؓ کی ہیبت ان سب کے سروں پر تھی تو ان کے نزدیک

فتویٰ دینا کوئی آسان کام نہ بلکہ ہر ایک دوسرے پر ٹالنا چاہتا تھا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ جو رائے ان کو معلوم ہوتی تھی وہ اپنی ہی طرف منسوب تھی نہ کہ شریعت کی طرف اس لیے اس پر عمل کو ضروری نہیں قرار دیتے تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جب اپنی رائے سے اجتہاد کیا کرتے تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ۔

"یہ میری رائے ہے اگر درست ہو تو اللہ کی طرف سے اور اگر غلط ہو تو پھر میری طرف سے ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں"

اور حضرت عمرؓ کے کاتب نے ایک مرتبہ یہ فقرہ لکھ دیا کہ

"یہ اللہ کی رائے ہے اور عمرؓ کی رائے ہے"

تو حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ تم نے غلط لکھا (بلکہ یوں لکھو) کہ "یہ عمرؓ کی رائے ہے اگر ٹھیک ہے تو اللہ کی طرف سے اور غلط ہو تو عمر کی طرف سے" پھر فرمایا کہ سنت تو وہ جو اللہ اور اس کے رسول نے مقرر فرما دیا ہے لہٰذا رائے کی خطا کو امت کے لیے سنت نہ قرار دے دو۔

محمدؒ بن حسن نے روایت کی ہے کہ ہم سے ابو حنیفہؒ نے حماد سے روایت بیان کی کہ ابراہیم نخعی نے بیان کیا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا مہر کچھ مقرر نہیں کیا پھر وہ قبل صحبت کے مر گیا تو عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ اس کو اس کے خاندان کی عورتوں کے مطابق مہر ملے گا نہ کم نہ زیادہ فیصلہ کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے اور خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے اور اللہ اور اس کا رسول دونوں اس سے بری ہیں تو آپ کے ہم نشینوں میں سے ایک شخص نے کہا اور غالباً وہ معقل بن اسنان اشجعی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے "اس ذات کی قسم کھائی جاتی ہے آپ نے وہی فیصلہ کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت ورشق اشجعیہ کے لیے کیا تھا" راوی کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعود اس بنا پر کہ ان کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق ہوا اس قدر خوش ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی بقدر خوش نہ ہوئے تھے اور

حضرت علیؓ اس فیصلہ میں ان کی مخالفت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس پر عدت لازمی ہے اور اس کو میراث ملے گی اور اس کو مہر کچھ نہ ملے گا اور فرمایا کہ اللہ کی کتاب کے حکم کے مقابلہ میں قبیلہ اشجع کے ایک بدو کا قول نہیں قبول کیا جا سکتا اس لیے کہ اگر اس عورت کو طلاق ملتی تو اس کو کچھ مہر نہ ملتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لاجناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ ط	تم پر مہر کا، کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو ایسی حالت میں طلاق دے دو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لیے کچھ مقرر کیا ہے۔

توحضرت علی موت کو طلاق کے مثل سمجھتے ہیں اور حدیث کو قبول نہیں کرتے ہیں باوجودیکہ وہ حدیث کے لینے میں متشدد تھے اور عبداللہ بن مسعود موت کو طلاق کے مثل نہیں سمجھتے ہیں اور ان کی رائے کی تائید معقل کی روایت سے ہوتی ہے۔

اور ہم اس موقع پر مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں چند ان مسائل کا ذکر کر دیں جن میں اس زمانے کے بڑے مفتیوں میں اختلاف ہوا تاکہ اس سے ان کے اختلاف کے اسباب ظاہر ہو جائیں۔

(۱) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک مطلقہ عورت نے اپنے عدت کے زمانہ میں نکاح کر لیا (اور نص قرآن سے اس کا منع ثابت ہے) تو عمرؓ نے اپنے کوڑے سے شوہر کو چند درے لگائے اور دونوں میں تفریق کرا دی اور فرمایا جو عورت اپنی عدت کے زمانہ میں نکاح کرے تو اگر اس شوہر نے جس کے ہاتھ اس نے نکاح کیا ہے اس سے صحبت نہ کی ہو تو دونوں میں تفریق کرا دی جائے اور پہلے شوہر کی جو عدت باقی رہ گئی ہے وہ پوری کرے پھر جو چاہے اس کو پیغام دے۔ اور اگر اس نے مقاربت کر لی تو تفریق کرانے کے بعد اور اگر پہلے شوہر کی بقیہ عدت پوری کرے پھر دوسرے شوہر کی عدت کرے پھر اس کے بعد عمر بھر اس عورت کا نکاح نہ کیا جاتے اور حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب وہ پہلے شوہر کی عدت پوری کر لے تو چاہے تو دوسرے سے نکاح کرے تو ان دونوں نے اس بات میں اختلاف کیا کہ عدت والی بیوی کے ساتھ مقاربت کرنے کے بعد زوج ثانی پر حرمت کی بات میں ہمیشگی رہے گی یا نہیں اور قرآن مجید کے احکام میں ان

دونوں میں سے کسی کی تائید نہیں ملتی ہے الا اینکہ حضرت عمرؓ نے تنبیہ زنادیب کا طریقہ اختیار کیا اور حضرت علیؓ نے عام اصول کو اختیار کیا۔

(۲) عثمانؓ بن عفان اور زیدؓ بن ثابت نے فتویٰ دیا کہ آزاد عورت اگر غلام کی بیوی ہوجائے تو دو طلاق سے ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہوجائے گی اور حضرت علیؓ نے ان کی مخالفت کی اور فرمایا کہ تین طلاق سے کم میں حرام نہ ہوگی لیکن لونڈی اگر آزاد شخص کی بیوی ہو تو دو طلاق سے حرام ہوجائے گی تو یہ فتویٰ دینے والے غلام کے نصف حقوق پر اتفاق کرنے کے بعد اس بات میں اختلاف رکھتے ہیں کہ طلاق باعتبار شوہر کے ہے یا بیوی کے تو عثمانؓ و زیدؓ کی رائے یہ ہے کہ شوہر کے اعتبار سے ہوگی کیونکہ وہ طلاق کا واقع کرنے والا ہے اور علیؓ کی یہ رائے ہے کہ بیوی کے لحاظ سے ہوگی کیونکہ طلاق اس پر واقع ہونے والی ہے۔

(۳) عبدالرحمن بن عوفؓ نے بحالت مرض اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس کی عدت کے گزرنے کے بعد عثمانؓ نے اس کو میراث دلائی۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ شریحؒ نے حضرت عمرؓ ابن الخطاب کو لکھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور وہ مریض ہے تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اس مریض کے مرنے کے بعد اگر وہ عدت میں ہو تو اس کو وارث بنانا اور اگر اس کے مرنے سے پہلے عدت ختم ہوجائے تو اس کو میراث نہیں ملے گی تو گویا بعد اس کے کہ ان دونوں حضرات نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ مریض کی طلاق اس طرح زوجیت کو زائل نہیں کرتی کہ وہ وراثت کو ختم کردے حضرت عمرؓ نے اس کی ایک حد مقرر کردی یعنی عدت اور حضرت عثمانؓ نے اس کی حد مقرر نہیں کی اور اس مسئلہ میں کوئی قطعی حکم قرآن و حدیث سے ثابت نہیں جس کی طرف رجوع کیا جاسکے۔

(۴) حضرت عمرؓ بن الخطاب نے فرمایا ہے کہ حاملہ عورت کے شوہر کا انتقال ہوجائے تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ دونوں مدتوں میں سے جو مدت زیادہ طویل ہو اس وقت تک عدت کرے یعنی وضع حمل یا چار ماہ دس دن کی مدت اور اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حاملہ عورت کی عدت طلاق کی صورت میں وضع حمل رکھی ہے اور شوہر کا انتقال ہوجانے کی عدت چار مہینے دس دن رکھی ہے بغیر

کی تفصیل کے تو حضرت علیؓ نے اپنے فتویٰ میں اس کے شوہر کے انتقال پر دونوں آیتیں ملحوظ رکھی ہیں اور حضرت عمرؓ نے طلاق کی آیت وفات پر حکم یعنی خاص رکھا ہے اور اس بارہ میں ایک حدیث کی بھی روایت کرتے ہیں کہ سبیعہ بنت الحارث اسلمیہ کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور پچیس ۲۵ دن کے بعد وضع حمل ہوگیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عدت پورا کرنے کا حکم دیا اس سے ہم کو معلوم ہوا کہ روایات کے بارے میں حضرت علیؓ کی رائے تشدد پر مبنی تھی ۔

(۵) مسلم اور احمد نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاق کو ایک گنا جاتا تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگ اپنے اس کام میں جس میں ان کو مہلت سے کام لینے کا حکم دیا گیا تھا جلدی سے کام لے رہے ہیں تو ہم بھی اسی کو نافذ کردیں چنانچہ اس کو نافذ کردیا یعنی ایک وقت میں تین طلاق دینے کو تین طلاق قرار دے دیا، لیکن صحابہ نے اس پر اتفاق نہیں کیا بلکہ حضرت علیؓ اور ابو موسیٰؓ سے اس کے خلاف کی روایت پائی جاتی ہے گویا عمرؓ نے اس کو تعزیزاً نافذ کیا اور جس نے ان کی مخالفت کی اس نے ظاہری احکام پر عمل کیا ۔

(۶) ابن مسعود وغیرہ نے فتویٰ دیا ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی سے ایلا کرے اور چار مہینے گزر جائیں اور شوہر نے رجعت نہیں کی تو اسے طلاق بائن واقع ہو گی اور اس کا شوہر بھی اور پیغام دینے والوں میں سے ایک سمجھا جائے گا اور ابن مسعود کے سوا اور لوگوں کا فتویٰ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ یا تو رجوع کرے یا تو طلاق دے دے اور چار مہینہ کا گزرنا طلاق نہیں سمجھا جائے گا اور آیت کا مطلب دونوں طریقوں کا احتمال رکھتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ۔

للذین یؤلون من نسائھم تربص اربعۃ اشھر فان فاؤا فان اللہ غفور رحیم وان عزموا الطلاق	جو لوگ قسم کھا بیٹھے ہیں اپنی بیبیوں (کے پاس) جانے سے ان کے لیے چار مہینے تک کی مہلت ہے ۔ سو اگر یہ لوگ (قسم

فان اللہ سمیعٌ علیمٌ ط توڑ کر عورت کی طرف، رجوع کرلیں تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے رحم فرمانے والے ہیں اور اگر بالکل ہی چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

(۷) حضرت ابن مسعودؓ نے فتویٰ دیا ہے اور اس کی موافقت حضرت عمرؓ بن الخطاب نے بھی کی ہے کہ مطلقہ اپنی عدت سے اس وقت تک فارغ نہ ہوگی جب تک کہ وہ اپنے تیسرے حیض کا غسل نہ کرلے اور زیدؓ بن ثابتؓ نے فتویٰ دیا ہے کہ وہ تیسرے حیض میں داخل ہوتے ہی عدت سے فارغ ہوگئی اور اس اختلاف کا سبب "قرء" کے معنیٰ میں اختلاف ہے کہ کیا وہ طہر ہے جیسا کہ زید ابن ثابت وغیرہ میں سمجھانے یا وہ حیض ہے جیسا کہ ابن مسعودؓ نے سمجھا ہے۔

(۸) عمرؓ بن الخطاب نے فتویٰ دیا ہے کہ حیض والی عورت کا حیض اگر طلاق کے بعد بند ہو جائے تو وہ نو مہینے انتظار کرے اگر اس عرصہ میں حمل ظاہر ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ نو مہینے گزرنے کے بعد تین مہینے عدت گزارے اور دوسرے حضرات نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ وہ "آسیہ" (حیض سے ناامید) ہونے تک عدت کرے اور اس کے بعد مہینوں سے عدت کرے ان لوگوں کا نظریہ عدت کے بارے میں ظاہری احکام کو ملحوظ رکھنا ہے کیونکہ یہ عدت والی عورت حیض والی عورتوں میں شمار ہوگی اور اس کی عدت ظاہری احکام سے تین قرء رہے اور وہ آسیہ نہ تھی کہ مہینوں سے عدت کرے اور حضرت عمرؓ کا نظریہ عدت کے معنیٰ کی طرف خیال رکھنا ہے یعنی حمل نہ رہنے کا یقین حاصل کرنا اور غالب مدت گزرنے کے بعد کوئی شک نہیں رہتا لہٰذا اس کے بعد مہینوں سے عدت گزارے۔

(۹) حضرت عمرؓ ابن الخطاب کا فتویٰ ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں ہوگئیں اس کو خرچ اور رہنے کے لیے گھر ملے گا۔ اور جب آپ کو فاطمہ بنت قیس سے روایت ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاق کے بعد نہ خرچ دلایا نہ مکان تو فرمایا کہ ہم اپنے ربّ کی کتاب اور نبی کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے نہ چھوڑیں گے معلوم نہیں کہ اس کو یاد بھی رہا یا بھول گئی اور اللہ تعالےٰ کی کتاب میں اللہ تعالیٰ

کا یہ قول موجود ہے۔

لا تخرجوھن من بیوتھن و لا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ ط

ان عورتوں کو ان کے (رہنے کے) گھروں سے مت نکالو (کیونکہ مطلقہ کے لیے منکوحہ کی طرح مکان واجب ہے) اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں

مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں۔

اور دوسروں نے فتویٰ دیا ہے کہ ایسی عورت کو نہ خرچ ملے گا نہ مکان فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو حجت قرار دیا ہے اور اس لیے کہ آیۃ عدت کے ختم پر اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد ہے۔

لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرًا ط

تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ بعد اس (طلاق دینے کے) کوئی نئی بات (تیرے دل میں)

پیدا کر دے (مثلاً طلاق پر ندامت ہو تو رجعی میں اس کا تدارک ہو سکتا ہے)

تو مطلقہ ثلاثہ کے لیے اللہ تعالیٰ کیا صورت پیدا فرمائے گا جب کہ وہ اپنے طلاق دینے والے پر حرام ہو چکی ہے اور بعض لوگوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اس کو خرچ تو نہ ملے گا لیکن مکان ملے گا، نفقہ کے وجوب کو اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مفہوم سے نفی کی ہے۔

فان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتیٰ یضعن حملھن ط

اور اگر وہ (مطلقہ) عورتیں حمل والیاں ہوں تو وضع حمل تک ان کو کھانے پینے

کا خرچ دو۔

اس بناء پر ان لوگوں نے کہ جو حاملہ نہ ہو اس کو نفقہ نہیں ملے گا۔

(۱۰) حضرت ابوبکرؓ بھائیوں کو دادا کے ساتھ وارث نہیں قرار دیتے تھے لیکن عمرؓ نے ان کو دادا کے ساتھ حصّہ دلوایا، ابوبکرؓ نے دادا کو باپ قرار دیا اور بھائی باپ کے ساتھ ازروئے نص کے وارث نہیں ہوتے اور عمر نے دادا کو باپ قرار نہیں دیا اور زید بن ثابت کی بھی یہی رائے تھی۔

(۱۱) امام مالکؒ نے موطا میں روایت کی ہے کہ ایک جدہ (نانی) حضرت ابوبکرؓ کے

پاس اپنی میراث کا حصہ دریافت کرنے آئی تو فرمایا کہ اللہ میں نہ تیرا کوئی حصہ ہے اور نہ ہم نے تیرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں کوئی حصہ پایا لہٰذا تو لوٹ جاحتیٰ کہ میں لوگوں سے اس بارے میں دریافت کرلوں پھر آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا تو مغیرہ بن شعبہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا آپ نے نانی کو چھٹا حصہ دلوایا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے ساتھ اور کوئی سننے والا ہے تو محمد بن مسلمہ اٹھے اور اسی طرح فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ نے یہ فیصلہ نافذ کر دیا پھر دوسری دادی (حقیقی دادی) عمرؓ بن الخطاب کے پاس آئی اور اپنی میراث کا مسئلہ دریافت کرنے لگی آپ نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں تو تیرا کوئی حصہ نہیں اور جو فیصلہ کیا گیا وہ تیرے لیے نہ تھا (یعنی دادی کے لیے نہ تھا بلکہ نانی کے لیے تھا) اور میں فرائض میں کوئی چیز بڑھانے والا نہیں لیکن وہی چھٹا اگر تم دونوں اس میں شریک ہو جاؤ تو آپس میں تقسیم کرلو ورنہ جو اکیلی ہو وہی لے لے۔

(۱۲) امام مالک نے مؤطا میں روایت کی ہے کہ ضحاک بن خلیفہ نے عریض (مدینہ کی ولدی) سے ایک چھوٹی نہر نکالی اور محمد بن مسلمہ کی زمین میں سے اپنی زمین تک لے جانا چاہا تو محمد بن مسلمہ نے اس کو روک دیا تو ضحاک نے کہا مجھے کیوں منع کرتے ہو اس سے تو تم کو بھی فائدہ پہنچے گا کہ پہلے تمہاری زمین سیراب ہو گی اور تم کو اس سے کوئی نقصان بھی نہ ہو گا تو پھر بھی انکار کیا تو اس بارہ میں انہوں نے عمرؓ بن الخطاب سے گفتگو کی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تو اپنے بھائی کو اس چیز سے کیوں روکتا ہے جو اس کو نفع دیتی ہے اور اول و آخر تیری زمین بھی اس سے سیراب ہو گی۔ اور تجھے کچھ نقصان بھی نہ ہو گا۔ تو محمد بن نے کہا ہرگز نہیں خدا کی قسم میں منظور نہیں کرتا تو عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم یہ نہر ضرور جاری ہو گی اگرچہ تیرے پیٹ پر سے ہی کیوں نہ گزرے پھر عمرؓ نے اس کے جاری کرنے کا حکم دیا۔

(۱۳) امام مالکؒ نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کھوئے ہوئے اونٹ کھلے پھرتے ہیں ان کے بچے ہونے تھے اور ان کو کوئی ہاتھ نہ لگاتا تھا حتیٰ کہ جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو آپ نے حکم دیا کہ ان کے مالک کی تلاش کرو اور نہ ملنے پر فروخت کردو اور جب اس کا مالک آتا تو اس کی قیمت اس کو

دے دی جاتی۔

(۱۴) ان اہم مسائل میں سے جو عراق و شام کی فتح کے بعد پیش آئے یہ مسئلہ تھا کہ ان زمینوں کا کیا کیا جائے جو قوت سے فتح کی گئی ہیں اگر ظاہری احکام سے دیکھتے ہیں تو یہ مثل اور غنیمتوں کے ایک غنیمت ہوتی ہے اور اس کے پانچ حصوں میں سے چار غازیوں کے اور ایک حصہ ان مصالح عامہ کے لیے روکا جانا چاہیے جو کتاب اللہ میں مذکور ہیں لیکن جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ وہ بھی یہی مطالبہ کر رہے ہیں تو فرمایا کہ جو بعد کے مسلمان آئیں گے اور دیکھیں گے کہ زمین مع ذمی رعایا کے تقسیم ہو چکی اور باپ دادا سے میراث میں مل چکی تو ان کا کیا حال ہوگا لہٰذا یہ رائے مناسب نہیں تو عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ پھر کیا رائے ہے زمین اور ذمی رعایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بطور غنیمت عطا فرمائی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ گو ایسا ہی جیسا کہ تم کہتے ہو لیکن میں اس کو مناسب نہیں سمجھتا خدا کی قسم میرے بعد جو شہر فتح ہوں گے اس میں کوئی بڑا فائدہ نہ ہوگا بلکہ ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں کے لیے وبال ہو جائے پس جب زمین عراق مع رعایا کے تقسیم کر دی جائے اور اسی طرح زمین شام مع رعایا کے تو سرحدوں کی حفاظت کیسے ہوگی اور اس شہر کے چھوٹے بچوں اور بیواؤں کی کفالت کیسے ہوگی اور اہل شام و عراق کے سوا اور مقامات کے ان مصارف کے لیے کیا ہوگا تو لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کثرت سے گفتگو کی اور کہا جو چیز اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کے ذریعہ ہم کو عطا فرمائی ہے اس کو آپ ان لوگوں پر اور ان کے بیٹوں اور پوتوں پر وقف کر رہے ہیں جو جنگ میں حاضر نہیں ہوا ہے۔ تو حضرت عمرؓ اس سے زیادہ نہ کہتے تھے کہ یہ تو میری رائے ہے تو پھر لوگوں نے کہا کہ آپ اس بارہ میں مشورہ کیجیے۔ تو آپ نے مہاجرین اولین سے مشورہ کیا تو ان کے درمیان اس میں اختلاف ہوا، عبدالرحمن بن عوف کی رائے تھی کہ ان کے حقوق پورے تقسیم کر دیے جائیں اور حضرت عثمان و علی و طلحہ و ابن عمر کی رائے حضرت عمرؓ کے مطابق تھی پھر آپ نے دس انصار کو طلب کیا پانچ اوس کے پانچ خزرج کے جو ان کے بوڑھے اور بزرگ تھے جب وہ آ گئے تو فرمایا کہ میں نے آپ کو صرف اس لیے تکلیف دی ہے کہ آپ میری اس امانت میں شریک ہوں جو میں نے آپ کے معاملات کی ذمہ داری اپنے سر لے

کر قبول کی ہے ۔ کیونکہ میں بھی آپ ہی میں سے ایک فرد ہوں اور آپ آج حق بات کہیں آپ
میں سے جو چاہے میری مخالفت کرے اور جو چاہے میری موافقت کرے اور میں نہیں چاہتا
کہ آپ میری خواہش کی پیروی کریں آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے جو حق بات کہتی ہے خدا
کی قسم اپنے کلام سے میرا مقصد بجز حق کے اور کچھ نہیں ہے تو لوگوں نے جواب دیا امیر المومنین
کہئے ہم سن رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ آپ حضرات نے ان لوگوں کی بات سن لی
جن کا خیال ہے کہ میں ان کے حقوق پر ظلم کر رہا ہوں اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے
کہ ظلم کا ارتکاب کروں ۔ اگر میں نے ان پر ظلم کیا ہو کہ ان کی چیز جس پر ان کا حق ہو ان سے لے
کر ان کے غیر کو دے دی ہو تو بے شک میں شقی ہوں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ زمین کسریٰ فتح
کرنے کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہتی جو آئندہ فتوحات میں کام دے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے
اس وقت ہم کو ان کا مال ان کی زمین ان کی رعایا بطور غنیمت عطا فرما دی ہے تو میں نے مالِ
غنیمت تو ان لوگوں میں تقسیم کر دیا اور خمس نکال کر میں نے اپنی ذمہ داری سے اس کے امور میں
خرچ کر دیا اور میری رائے یہ ہے کہ زمین کو مع اس کی رعایا کے روک دوں اور اس
زمین میں ان پر خرچ مقرر کر دوں اور رعایا پر جزیہ لگا دوں تاکہ وہ اس کو ادا کرتے رہیں
تو یہ اسلامی فوج اور ذریت اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے وقف رہے کیا تم اس
کو نہیں سمجھتے کہ ان سرحدوں کے لیے ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو اس کی حفاظت
کریں کیا تم نے ان بڑے شہروں شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ، مصر کو نہیں دیکھا ہے کہ وہاں
فوجی چھاؤنیوں کی ضرورت ہے اور وہاں وظائف دیے جائیں گے تو اگر زمین اور رعایا تقسیم
کر دی جائے تو یہ مصارف کہاں سے پورے ہوں گے اس پر سب نے کہا کہ آپ کی رائے
صائب ہے اور آپ کا ارشاد بجا ہے ۔ اگر ان سرحدوں اور شہروں کی حفاظت آدمیوں
کے ذریعہ نہ کی جائے اور جو ان کی تقویت کا باعث ہے یعنی وظائف ان کو نہ دیے جائیں
تو اہل کفر ان شہروں کو لوٹ جائیں گے ۔ جس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب میرے لیے
معاملہ بالکل صاف ہے اور یہ حکم نافذ کر دیا کہ زمین وہاں کے رہنے والوں کے قبضہ میں
رہنے دی جائے اور ان پر خراج مقرر کر دیا اور آپ کی رائے (اللہ ان سے راضی ہو)

بالکل صحیح تھی اور اکثریت کی رائے دیکھ کر مخالف خاموش ہو گئے

(۱۵) حضرت ابو بکرؓ لوگوں میں مال برابر تقسیم فرمادیا کرتے تھے کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یا خلیفہ رسول اللہ آپ یہ مال سب میں برابر برابر تقسیم فرماتے ہیں حالانکہ ان میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کو سبقت، فضیلت اور قدامت حاصل ہے لہٰذا اگر آپ ایسے لوگوں کو ترجیح دیں تو بہتر ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے جو کارناموں اور قدامت اور فضیلت کا ذکر کیا ہے تو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا اور یہ باتیں تو ایسی ہیں جن کا ثواب اللہ کے پاس ملے گا اور یہ جو دیا جارہا ہے یہ تو آذوقہ ہے اس میں ترجیح کے مقابلہ میں مساوات ہی بہتر ہے لیکن جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا اور خوب فتوحات آنے لگیں تو آپ نے فضیلتوں کا لحاظ رکھا اور فرمایا کہ میں اس شخص کو جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی ہے اس کے برابر نہیں کروں گا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر جہاد کیا ہے اور اسی پر فوجی دفتر کی بنیاد رکھی۔

اس سے ہماری غرض اس زمانہ کے مفتیوں کے فتاویٰ کی تعداد بتانی نہیں ہے اور نہ وہ جملہ امور ذکر کرنا چاہیئے ہیں جن میں انہوں نے اختلاف کیا ہے بلکہ ہم نے چند مثالیں بیان کر دیں جس سے ان کے اجتہاد کا طریقہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قریب ہونے کے باوجود ان کے اختلاف کے اسباب معلوم ہو جائیں اور مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اسباب تین ہیں۔

(۱) فتوی کا اختلاف قرآن مجید کا مطلب سمجھنے میں اختلاف کی بنا پر ہوتا تھا اور اس کی کئی وجوہ تھیں۔

(۱) کسی ایسے لفظ کا وارد ہونا جس میں دو معنی کا احتمال ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے حسب ذیل ارشاد میں قروء کے معنی سمجھنے میں ان کا اختلاف۔

والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء ؕ　　اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین

قروء تک۔

حضرت عمرؓ اور ابن مسعود نے اس سے حیض سمجھا اور زیدؓ بن ثابت نے اس سے طہر سمجھا اور ہر ایک کے لیے اس کی تائید موجود ہے اور جیسا کہ آیت ایلاء میں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایلاء کرنے والے کے لیے ایک مدت مقرر کر دی کہ اس کا انتظار اس کے لیے ضروری ہے اور وہ چار مہینے ہے پھر اس کے بعد اپنے اس کلام میں ارشاد فرمایا۔

فان فاؤا فان اللہ غفور رحیم وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم ط	سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کر لیں تب تو اللہ معاف کر دیں گے رحمت فرمائیں گے اور اگر بالکل ہی چھوڑ دینے

کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

اس نص میں احتمال ہے کہ رجوع کرنے یا مدت مقررہ گزرنے کے بعد طلاق دینے کا مطالبہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ مدت محدودہ کے اندر ہی تکمیل ہو اور اگر مدت گزر گئی تو اب رجوع ممکن نہیں اور اس کے گزرنے پر طلاق واقع ہوگی۔

(ب) دو موضوع کے لیے مختلف دو حکموں کے صادر ہونے سے یہ گمان ہونا کہ ایک حکم دوسرے مسئلہ کے کسی حصہ کو بھی شامل ہے تو اس جزء میں دونوں حکم ایک دوسرے کے معارض ہو جاتے ہیں اور اس کی مثال وہ عدت والی عورت ہے جس کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہو کیونکہ نص سے اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے اور گمان ہوتا ہے کہ یہ حکم حاملہ عورت کو بھی شامل ہے اور طلاق سے عدت کرنے والی عورت کے لیے جو آیت ہے اس میں حاملہ کی عدت وضع حمل ہے تو حاملہ عورت کے شوہر کی وفات ہونے پر اس کی عدت دو حکموں کے درمیان پڑ گئی یا تو وہ پہلی آیت کے حکم میں شامل ہے جس کی بناء پر اس کو چار مہینے دس دن تک عدت گزارنا ہے اگرچہ اس سے پہلے وضع حمل ہو جائے اور یا یہ کہ اس کی عدت وضع حمل ہے اگرچہ کہ طلاق کی عدت والی آیت پر عمل کرتے ہوئے وہ اس مدت کا انتظار نہ کرے اور بعض جلیل القدر صحابہؓ نے ان دونوں رائے میں سے ایک ایک رائے دی ہے،

(دوسرے) احادیث کی بناء پر فتویٰ کا اختلاف ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وہ ہے جو ظاہر اور کھلی ہو آپ نے اس کو کیا ہو یا صحابہ کے جم غفیر کے سامنے فرمایا ہو جیسے نماز اور اس کی کیفیت اور اس کے رکعات کی تعداد اور جیسے حج اور اس کی ادائیگی کے طریقے اور ان میں سے بعض ایسی بھی تھیں جو ایک یا دو شخصوں کی موجودگی میں آپ نے بیان فرمائیں یا اس پر عمل کیا تو اس کی روایت انہی حضرات تک محدود ہوتی تھی جو اس وقت حاضر تھے اور اکثر قولی حدیث اسی طرح کی ہے اور اختلاف کی بنیاد یہیں سے ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا بیان کرنا اس زمانہ میں شائع نہ تھا اور احادیث کسی کتاب میں جمع نہ تھیں جس کی طرف رجوع کیا جاتا تو مفتیوں کے سامنے جب کوئی واقعہ پیش ہوتا اور کتاب اللہ میں اس کا حکم نہ ملتا تو اپنے ساتھیوں سے دریافت فرماتے کہ کیا تمہارے پاس اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ موجود ہے بسا اوقات ان کے پاس وہ شخص حاضر ہو جاتا جو ان سے حدیث بیان کرتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے بشرطیکہ اس کی روایت تسلیم کر لی جاتی چنانچہ حضرت عمرؓ راوی سے حدیث کی سماعت میں اس کے شریک کو طلب فرماتے اور حضرت علیؓ ابن ابی طالبؓ راوی کو قسم دلاتے اور اکثر ایسا بھی ہوتا کہ ان کے سامنے حدیث بیان ہوتی اور وہ اس پر عمل نہ فرماتے جب کہ ان کو اس روایت کی صداقت کا یقین نہ ہوتا جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے ہم نہیں جانتے کہ وہ ٹھیک کہتی ہے یا خطا پر ہے اس کو یاد بھی ہے کہ بھول گئی تو روایت کا شائع نہ ہونا اور احادیث کے قبول کرنے میں دقت نظری سے کام لینے بعض اوقات ان کو عموم نص قرآنی کے مطابق فتویٰ دینے پر مجبور کرتا تھا اور بعض اوقات ان کو کوئی ایسی سنت بھی مل جاتی تھی جو اس عموم کو خاص کر دیتی تھی اور اگر ان کو کوئی نص نہ ملتی تو کبھی رائے اور اجتہاد سے بھی فتویٰ دے دیا کرتے تھے۔

(تیسرا) رائے کی بناء پر فتوے میں اختلاف۔

ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ اگر کسی واقعہ کے لیے نص قرآنی یا احادیث سے

کوئی حکم نہ ملتا تو فتویٰ دینے کے لیے رائے کو اختیار کرتے تھے اور ان کے نزدیک رائے کا مطلب یہ تھا کہ جس بات کو وہ مصلحت سمجھتے اور شریعت اسلامی کی روح سے قریب ہوتا اس بات کو دیکھے بغیر کہ وہاں اس واقعہ کے لیے کوئی اصل معین ہے یا نہیں دیکھو حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ پر یہ حکم قطعی نافذ کر دیا کہ ان کے نزدیک پڑوسی کی نہر ان کے زمین میں ہو کر جائے کیونکہ وہ طرفین کے لیے مفید تھی اور محمد کو اس میں کسی قسم کی مضرت نہ تھی اسی طرح تین طلاقوں کو ایک ہی مرتبہ میں نافذ ہونے کا فتویٰ دے دیا کیونکہ لوگ اس کام میں جلدی کرتے تھے جس میں ان کو صبر و تحمل سے کام لینے کی ضرورت تھی اور جو شخص کسی عورت کی عدت میں اس سے نکاح کرے تو اس کے ساتھ دوبارہ (یعنی عدت پوری ہونے کے بعد) اس کو نکاح کرنا حرام قرار دیا ان دونوں کے درمیان تفریق کرانے کے بعد اور یہ حکم اس کی تنبیہ کے لیے نافذ فرمایا، اور مصلحتوں پر غور کرنا ناظرین کے اختلاف کی بنا پر مختلف ہوتا ہے، اسی لیے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہم بعض مفتیوں کو ان کی رائے سے اختلاف کرتا ہوا پاتے ہیں اور وہاں پر کئی مسائل ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اختلاف کیا ہے اور ان کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ کیا ہے جیسا کہ ہم نے بھائیوں کے ساتھ نانی کی میراث کے مسئلہ میں بیان کیا ہے اور وظائف میں ترجیح دینے کے بارہ میں بیان کیا ہے اور اسی طرح وہاں پر اور مسائل ہیں جن میں حضرت علیؓ نے ایسے فتوے دیے ہیں جو ان کے دوسرے بھائیوں (باقی خلفاء راشدینؓ) کے فتوؤں کے خلاف تھے چنانچہ وہ ان یتامیٰ کے مال سے زکوٰۃ کا حکم نہیں دیتے تھے۔

اور ہم نے یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ اس زمانہ میں اختلاف کچھ زیادہ نہیں تھا اس لیے کہ ان کے فیصلے واقعات کے مطابق ہوتے تھے اور یہ فیصلے ان کے زمانہ میں مدون نہیں کیے جاتے تھے، چنانچہ یہ دور ختم ہو گیا اور فقہ صرف احکام قرآن مجید اور احادیث ظاہرہ متبعہ اور جلیل القدر صحابہؓ کی پسند کا نام تھا جو ان کے سامنے دوسرے صحابہ نے روایت کی تھی یا جس کو انہوں نے خود سنا تھا اور بہت کم فتوے ایسے تھے جو اجتہاد اور بحث کے بعد ان کی رائے سے صادر ہوتے تھے۔

اور اس زمانہ میں مشہور فتوے صادر کرنے والے خلفاء اربعہ اور حضرات عبداللہ ابن مسعود اور ابو موسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبل اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت تھے جن میں کثرت سے فتوے دینے والے حضرات عمرؓ ابن الخطاب اور علیؓ بن ابی طالب اور عبداللہؓ بن مسعود اور زیدؓ بن ثابت تھے اور یہ فتوے خاص طور سے فرائض کے متعلق تھے۔

اور حضرت اما ابن عمر رضی اللہ عنہ اور علیؓ کے حالات اتنے زیادہ واضح ہیں کہ یہاں ان کے ذکر کی ضرورت نہیں یہاں ہم ان کے علاوہ اور لوگوں کے حالات بیان کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

وہ عبداللہؓ بن مسعود ہذلی ہیں جو بنی زہرہ کے حلیف تھے قدیم الاسلام ہیں فرماتے ہیں کہ میں چھٹا مسلمان تھا کہ روئے زمین پر ہم چھ کے سوا کوئی مسلمان نہ تھا اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو مکہ معظمہ میں زور سے پڑھا اور جب وہ اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس لے لیا چنانچہ وہ آپ کی خدمت کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرما دیا تھا کہ تمہارے لیے اجازت ہے کہ تم میری آواز سن لو اور پردہ اٹھا ہوا ہو چنانچہ وہ آپ کے مکان میں جایا کرتے تھے اور آپ کو جوتے پہنایا کرتے تھے اور آپ کے ساتھ بلکہ کبھی آپ کے آگے چلا کرتے تھے اور جب آپؐ غسل فرماتے تو آپؐ کے لیے پردہ باندھا کرتے اور جب آپؐ سویا کرتے تو آپؐ کو اٹھایا کرتے اور حبشہ اور مدینہ دونوں طرف ہجرت کی اور دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور بدر اور احد اور خندق اور بیعت رضوان میں موجود تھے اور رسول اللہ٭ ٭صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد میدان یرموک میں شریک رہے۔ اکثر صحابہ اور تابعین نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں ۔حضرت حذیفہؓ سے کہا گیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طور وطریقہ میں زیادہ قریب ہوا ہے بتائیے کہ اس سے ہم احادیث لیں یا ان سے سنیں تو فرمایا کہ سب لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ

٭٭صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام لڑائیوں میں شریک رہے اور رسول اللہ٭٭

قریب طور وطریق در وشن میں ابن مسعود ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ابن ام عبدان سب میں اللہ کے نزدیک بہی زیادہ مقربین میں سے ہیں اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے حاکم بناتا تو ابن ام عبد کو حاکم بناتا۔

حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے ان کو کوفہ کی طرف روانہ کیا اور وہاں کے رہنے والوں کو لکھا کہ میں نے عمار بن یاسر کو امیر بنا کر بھیجا ہے اور عبداللہ بن مسعود کو معلم اور وزیر، اور وہ دونوں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بزرگ ترین ہیں وہ اصحاب بدر میں سے ہیں ان کی اقتدا کرو اور ان کی اطاعت کرو اور ان کے اقوال کو سنو اور میں نے عبداللہ کو تمہارے لیے اپنے اوپر ترجیح دی ہے، چنانچہ وہ کوفہ میں رہے وہاں کے رہنے والے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنا کرتے تھے اور وہ ان کے معلم بھی تھے اور قاضی بھی۔ اور وہ جیسا کہ حضرت علیؓ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے ایسے ہی تھے کہ قرآن مجید پڑھا اس کے حلال کو حلال قرار دیا اس کے حرام کو حرام - دین میں فقیہ تھے حدیث کے عالم تھے، ان کے اور حضرت عثمانؓ کے درمیان ان کی زندگی کے آخری ایام میں اختلاف ہوگیا تھا چنانچہ عثمانؓ نے ان کو مدینہ منورہ بلوالیا اور وہ وہاں آگئے اور وفات تک وہیں مقیم رہے اور ابن سعد نے طبقات میں روایت کی ہے کہ حضرت عثمانؓ ہی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ہر ایک نے ایک دوسرے کے لیے اللہ تعالیٰ سے حضرت عبداللہؓ کی موت سے پیشتر مغفرت طلب کی اور یہ ۳۲ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت زید بن ثابتؓ

وہ زید بن ثابت بن ضحاک بخاری انصاری ہیں، جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں ان کی عمر (۱۱) سال کی تھی اور ان کا سب سے پہلا جہاد غزوہ خندق ہے اور جنگ تبوک میں بنی مالک بن بخارہ کا جھنڈا عمارہ بن حزم کے پاس تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جھنڈا لے کر زید بن ثابت کو دے دیا تو عمارہ

نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا آپ کو میرے متعلق کسی قسم کی خبر ملی ہے تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ قرآن مقدم ہے اور زید نے تم سے زیادہ قرآن سیکھ لیا ہے، اور زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی وغیرہ لکھا کرتے تھے اور آپؐ کے پاس سریانی زبان میں خطوط آیا کرتے تھے تو آپ نے زیدؓ کو حکم دیا تو انہوں نے اس زبان کو سیکھ لیا پھر وہ حضرات ابوبکرؓ کے پاس کتابت کرتے رہے اور حضرت عمرؓ نے ان کو مدینہ پر تین مرتبہ اپنا نائب بنایا۔ اور حضرت عثمانؓ بھی جب حج کو جایا کرتے ان کو نائب بنایا کرتے۔ اور علم فرائض میں سب صحابہ سے زیادہ علم رکھتے تھے اسی لیے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ تم سب میں علم و فرائض کے زیادہ جاننے والے زید ہیں۔ اور صحابہ میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے اور راسخ فی العلم تھے اور جب وہ اپنے اہل وعیال کے پاس ہوتے تو بہت پر مذاق ہوتے اور جب لوگوں میں ہوتے تو بہت زیادہ پر وقار رہتے اور حضرت زیدؓ عثمانی تھے اور حضرت علیؓ کے ساتھ کسی جنگ میں شریک نہیں ہوتے لیکن حضرت علیؓ کی فضیلت اور ان کی تعظیم کا اظہار کیا کرتے تھے آپ سے اکثر صحابہ اور تابعین نے روایت کی ہے اور حضرت ابوبکرؓ نے انہیں کو جمع قرآن کا ذمہ دار بنایا تھا۔ اور حضرت عثمانؓ نے اور لوگوں کے ساتھ ان کو اس کام کے لیے مقرر کیا تھا سنہ ۴۵ھ میں وفات ہوئی۔

تیسرا دور

چھوٹے صحابہؓ اور ان سے استفادہ کرنے والے تابعین کے زمانہ میں فقہ

اور یہ دور معاویہ بن ابی سفیانؓ کی حکومت کے زمانہ میں یعنی سنہ ۴۱ھ سے اس وقت تک کا ہے جبکہ دولت عربیہ میں قرن ثانی کی ابتداء میں ضعف کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے

سیاسی پس منظر

جمہور اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دور حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ سے شروع ہوتا ہے اور اسی لیے سنہ ۴۱ھ کو "عام الجماعۃ" کہا جاتا ہے مگر سیاسی اختلاف کے جراثیم جڑ سے ختم نہیں ہوئے تھے بلکہ بعض ایسے رہ گئے تھے جن کے دلوں میں حضرت معاویہ اور ان کے اہل خاندان کی مخالفت پوشیدہ تھی اور جو ان کے ساتھ مکر و فریب سے پیش آتے تھے اور یہ دو فرقے تھے۔

(پہلا فرقہ) فرقہ خوارج ہے جن کی سیاست استبدادی حکومت اور اس کے بادشاہوں کی دشمنی پر مبنی تھی اور اسلامی خلافت کو کسی مقرر خاندان یا کسی مخصوص شخصیت میں منحصر نہیں سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ جمہور کے ارادہ پر موقوف ہونا چاہیے اور وہ اسی کو منتخب کرتے تھے جس کو اپنی سیاسی مصلحتوں اور حکومت چلانے کے لیے موزوں سمجھتے تھے اور حضرت عثمان و علی و معاویہ رضی اللہ عنہم سے اپنی برارت ظاہر کرتے تھے اوّل اس لیے کہ انہوں نے شیخین کی سیاست کے خلاف کام کیا تھا اور اپنے اہل بیت کی رعایت اور ان ے ورجے　کرنے کا ارادہ کیا اور ان کو پوری قوم کے حقوق پر ترجیح دینا اختیار کیا تھا۔ اور دوسرے اس لئے کہ انہوں نے اپنے اور مخالفوں کے درمیان تحکیم پر رضامندی کا اظہار کیا اور تیسرے اس لئے کہ وہ حکومت پر ترت سے غالب آگئے۔

(دوسرا فرقہ) فرقہ شیعہ ہے جو حکومت کو حضرت علیؓ اور ان کے خاندان کا حق سمجھتا ہے اور جو شخص ان سے اس حق کو چھین لے ان کے نزدیک وہ ظالم اور جور کرنے والا ہے جس کی حکومت جائز نہیں۔

حضرت معاویہؓ کی سیاست دوسرے فرقہ (شیعہ) کی شورش کو پرسکون کرنے والی اور فرقہ اولیٰ (خوارج) کی شدت کو کم کرنے والی تھی اسی لیے ان کی زندگی کے ختم ہوتے ہی وہ شورشیں ۱؎ کا مطالبہ کیا اور حضرت حسینؓ بن علیؓ عراق کے قبضہ سے نکلے اس خیال سے کہ وہ وہاں اپنے باپ کے مددگار پائیں گے جو ان کو ان کا چھنا ہوا حق دلانے میں ان کی مدد کریں گے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ معظمہ کی حفاظت میں آتے ہوئے مخالفت کی۔ ان لوگوں کی شورش سے اہل مدینہ بہت پریشان ہوئے اور انہوں نے سخت تکلیفیں اٹھائیں جیسے حضرت حسینؓ اپنے خروج میں پریشان ہوئے کہ حدود عراق میں پہنچنے سے پہلے وہ مع اپنی کثیر اہل بیت کے خود عراقیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے اور اگر یزید کی موت واقع نہ ہوتی تو ابن زبیرؓ بھی اسی وقت ان کے پاس پہنچ گئے ہوتے۔

یزید کی موت کے بعد فتنہ کی آگ زیادہ بھڑک اٹھی اور یہ اس وقت تک بھڑکتی رہی جب تک کہ صاحب عزم صادق و ہمت عالی عبد الملک بن مروان تخت حکومت پر نہ بیٹھ گیا کہ اس نے حضرت ابن زبیرؓ کا مکہ معظمہ میں خاتمہ کر کے اور ان تمام شہروں کو جو شورش کے مراکز تھے واپس لے کر اس شورش کا خاتمہ کیا اور ملت اسلامیہ متفق ہو گئی اور فرقہ شیعہ کی دعوت خفیہ ہونے لگی اور خوارج کی شدت ماند پڑ گئی لیکن اس اتفاق میں اور اتفاق میں جو حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں ہوا تھا بڑا فرق تھا۔ کیونکہ حضرت معاویہؓ نے اس پوزمی اور حسن اخلاق سے قابو پایا تھا اور عبد الملک نے قوت سے کام لیا کیونکہ اس نے مرکز فتنہ میں حجاج بن یوسف کو مقرر کیا جو ظلم و جبر سے کام لینے والوں کا امام تھا جو جبراً و قہراً لوگوں کو کسی بات کے ماننے کے لیے مجبور کیا کرتے ہیں اور اس چیز کا اثر بہت کم باقی رہتا ہے اسی بنار پر اس کی مخالفت میں عبد الرحمن بن محمد بن محمد اشعث کندی کی قیادت میں بڑا فتنہ اٹھا اور اگر شام کے اندر دین متواتر نہ پہنچتا رہتا جنہوں نے بڑی الشدت

۱؎ شورشیں ظاہر کیں جو وحدت کلمہ اسلام سے جنگ کرنے والی تھیں چنانچہ اہل مدینہ نے یزید کی علیحدگی سورش ۱؎

کے بعد ابن اشعث کے فتنہ کا خاتمہ کیا تو بنی امیہ کی حکومت ختم ہو گئی ہوتی۔ اسی طرح حجاج کو خوارج سے سخت دن دیکھنے پڑے اور اگر مہلب بن ابی صفرہ کی ہمت نہ ہوتی اور خوارج آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کی مصیبت میں نہ پھنس جاتے تو معاملہ بہت سخت ہو گیا ہوتا۔ بہر حال ان سختیوں کا خاتمہ ہو گیا اور ولید بن عبد الملک کا زمانہ آگیا جو بنی امیہ کے زمانوں میں بہتریں اور پر بہار زمانہ تھا جس میں تمام فتنے دب گئے۔ اور مشرق و مغرب میں بڑی فتوحات ہوئیں، لیکن یہ سکون عارضی تھا۔

یہ ویسے وہ سکون جس کے بعد سخت ہوائیں چلیں، ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان تخت پر بیٹھا جس نے حکومت کے بڑے بڑے جنرلوں کو جن کا مشرق و مغرب میں سلطنت کو وسعت دینے میں بڑا ہاتھ تھا جیسے قتیبہ بن مسلم محمد بن قاسم بن محمد اور موسیٰ بن نصیر کو بد دل کر دیا کیونکہ پہلے دونوں کا حجاج بن یوسف سے ربط تھا جس سے ولید ناراض تھا اور ذلیل خواہشات کی بنا پر موسیٰ بن نصیر سے بھی وہ خوش نہ تھا اور یہ مخفی نہیں کہ اس طرزِ عمل سے ان کے قبیلہ کے لوگ اور ان سے تعلق رکھنے والوں کے دل میں کس قدر فساد پیدا ہوا ہو گا، اس کے بعد خلافت مردِ صالح حضرت عمر بن عبد العزیز کو ملی جنہوں نے لوگوں میں عدل و مساوات کو پھیلانا چاہا اور اپنے اسلاف پر طعن کیا اور جو ان کے قبضہ میں تھا اس کو ظلم،، قرار دے کر ان سے واپس لیا اور بیت المال میں داخل کرایا اور خلافت کے بارے میں ان کی رائے خوارج کے مطابق تھی کہ اس کو بنی امیہ سے نکالنا چاہتے تھے اور یہ کہ اس کے لیے ایسے شخص کا انتخاب کریں جو علم اور دین کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہو لیکن ان کا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا کیونکہ موت نے جلدی سے انہیں آدبوچا اور ان کی نرمی اور لوگوں سے چشم پوشی کا نتیجہ ہی تھا کہ ان کے زمانہ میں دوسری صدی کے شروع میں بنی عباس کی حکومت قائم کرنے کی دعوت خفیہ طریقہ پر قائم ہو گئی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے بعد یزید بن عبد الملک پھر ان کے بھائی ہشام کی حکومت قائم ہوئی اور ان کے زمانہ میں فتنہ علویہ شروع ہوا جس کی قیادت زید بن علی بن الحسین نے کی اور خلافت کا مطالبہ کیا لیکن اس کو کوئی اہمیت نہ پیدا ہو سکی اور وہ بے نیل مرام شہید کر دیے گئے پھر ان کے بعد ان کے لڑکے یحییٰ بن زید

کی شہادت واقع ہوئی اور ہشام کے زمانہ میں ہی دعوت عباسیہ پروان چڑھی جس کا نتیجہ دولت امویہ کے خاتمہ کی صورت میں نمودار ہوا یہ تھی اس زمانہ میں عالم اسلامی کی مختصر صورتِ حال۔

اس دور کی خصوصیات: جیسا کہ ہم نے سیاسی پس منظر میں بیان کیا اس زمانہ میں مسلمان ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے اور ہر ایک فریق جن کا ہم نے ذکر کیا یعنی شیعہ وخوارج کا ایک ایک خاص میلان طبع تھا شیعان علیؓ کا میلان حضرت علیؓ ان کے اہل بیت اور ان کی جماعت والوں کی طرف تھا اور وہ ان کے دشمنوں پر اور ان سے جنگ کرنے والوں پر لعنت بھیجتے تھے بلکہ بسا اوقات ایک دوسرے کو کافر بتاتے اور ایک دوسرے سے بیزاری ظاہر کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی نظر میں ان کے اقوال و آراء کی کوئی قیمت نہ تھی اور خوارج کا میلان حضرات ابی بکرؓ و عمرؓ اور ان کے متبعین کی طرف تھا اور حضرات عثمانؓ و علیؓ و معاویہؓ سے اور ان کے محبوں سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے اور اسی لیے ان میں سے کسی کی رائے کو جن سے وہ بیزاری کا اظہار کرتے تھے قابلِ حجت نہیں مانتے تھے۔ اور حضرت معاویہؓ کے طرفدار یا جمہور اسلام ان دونوں فرقوں سے نفرت کرتے تھے اور ان کے نزدیک ان کا کوئی وزن نہ تھا اسی لیے مسائل کا اجتہاد میں اختلاف کو بڑا دخل تھا۔

(۲) علماء اسلام اسلامی شہروں میں پھیل گئے کیونکہ صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ سے دوسرے شہروں میں سکونت کے لیے منتقل ہو گئے جن میں سے بعض معلم تھے بعض قاری حتیٰ کہ یہ شہر ان کا وطن بن گئے اور ان سے بڑے بڑے تابعین کی جماعت پیدا ہوئی جو فتویٰ میں ان کے ساتھ شریک ہوتے اور اس منصب میں ان کی شرکت کے فوائد کا صحابہ کرام نے اعتراف کیا اور ان کے مرتبوں کو جس کو انہوں نے علمی اشتغال اور اجتہاد سے حاصل کیا بہت بڑھایا اور اگر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا وجود نہ ہوتا اور تمام مسلمانوں میں اس کی حرمت مسلم نہ ہوتی اور مکہ مکرمہ مقدس مقام نہ ہوتا جہاں دنیا کے مختلف العقیدہ ومختلف الخیال مسلمان جمع ہوتے تھے تو ان شہروں کے علماء کے درمیان اتصال علمی قائم نہ رہتا۔

(۳) روایت حدیث کی اشاعت میں جو امر مانع تھا وہ زائل ہو چکا تھا اور خلفاء راشدین

کے بعد جو صحابہ باقی رہ گئے تھے ان کے پاس عالم اسلام سے لوگ سفر کر کے فتوے اور علم حاصل کرنے کے لیے آیا کرتے تھے اور وسعت تمدن کی وجہ سے لوگوں کی نئی نئی ضرورتیں پیدا ہونے لگیں تھیں جس کی بنا پر احکام میں بحث کرنے پر مجبور ہو گئے اور صحابہ اور جلیل القدر تابعین کے علاوہ جو فتاوی میں صحابہ کے شریک تھے کوئی ٹھکانا نہ رہا تھا۔ لہذا وہ ان اتقاء شناسوں سے فتوی دیا کرتے تھے جو ان کو حفظ تھیں جن میں سے بعض تو خود انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں اور بعض لوگ صحابہ سے سنی تھیں اور اس زمانہ میں اصحاب فتوی کے ساتھ احادیث کی ایک تعداد بڑی تھی جو ان سے روایت کی جاتی تھی اور یہ تعداد بعض کے پاس ہزاروں سے زیادہ تھی مثلاً مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی احادیث (۳۱۳) صفحات میں ہیں اور حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ سے مروی حدیث (۱۵۶) صفحات میں درج ہیں اور تقریباً اتنی ہی ان چھوٹے صحابہ سے مروی ہے احادیث ہیں جو اس زمانہ میں موجود تھے حالانکہ حضرت ابی بکرؓ سے مروی احادیث (۱۴) صفحات میں لکھی ہوئی ہیں اور حضرت علیؓ سے مروی احادیث حالانکہ وہ دور اول کے مفتیوں کے امام ہیں۔ (۴۱) صفحات میں ہیں اور حضرت علیؓ سے مروی احادیث حالانکہ وہ بھی فتوی میں انہی کے برابر ہیں (۵۸) صفحات میں لکھی ہوئی ہیں اور یہ جملہ احادیث نہ تو کسی ایک شہر میں موجود تھیں اور نہ کسی ایک کتاب میں کیونکہ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے فتوی دینے والے حضرات شہروں میں متفرق تھے۔ تو ہر شہر والے نے ان ہی سے روایت کی جو ان کے پاس اترے تھے اس لیے جس شہر میں جو روایتیں تھیں وہ دوسرے شہر میں نہ تھیں مثلاً حضرت عبد اللہ بن عمر و حضرت عائشہ صدیقہ و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں تھے اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ مکہ معظمہ میں تھے اور فسطاط میں حضرت عبد اللہؓ بن عمرو بن العاصؓ مقیم تھے اور بصرہ میں حضرت انسؓ بن مالک کا قیام تھا اور کوفہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کے شاگرد اور ابن مسعودؓ تھے یہ تمام انہیں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتوے دیتے تھے جو ان کے پاس تھیں اور یہاں بیت اللہ شریف کے تعلقات زیادہ واضح طور پر ظاہر ہوتے ہیں اس ظہور کے مقابلہ میں جو گزشتہ سنت میں بیان کیے گئے تھے اور ان

تینوں خصوصیات ۔ یعنی سیاسی تفریق ، مادی تفریق اور کثرت روایت ۔ بیش ہر شہر کے محدثین کی خصوصیت کے ساتھ فتوی میں اختلافات کثیر پیدا کر دیے ان میں سے ہر ایک خصوصیت اختلاف پیدا کرنے میں عامل قوی ہے شیعہ کے پاس الگ فتاوی ہیں خوارج کے پاس الگ اور جمہور امت کے الگ ، اور یہ کہ دوسرے سے بالکل مختلف ہیں ۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں جھوٹ کا داخل ہونا ۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے حضرات ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کو خوف تھا ۔

امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں اپنی سند سے حضرت طاؤس کی روایت ہے کہ یہ "یعنی بشیر بن کعب" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے حدیث بیان کرنے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فلاں حدیث دوبارہ سناؤ تو انہوں نے وہ حدیث ان کو دوبارہ سنائی ، پھر اور احادیث ان کو سنائیں تو فرمایا کہ فلاں فلاں احادیث دوبارہ پڑھو انہوں نے وہ احادیث ان کو دوبارہ سنائیں ، اس کے بعد بشیر نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے سب احادیث کو بجز ان احادیث کے قبول فرمایا یا سب احادیث کو قبول نہ کر کے صرف ان احادیث کو قبول فرمایا (جن کو آپ نے دوبارہ سنا) ، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایات کیا کرتے تھے جب تک کہ آپ پر جھوٹ نہیں بولا جاتا تھا لیکن جب لوگ سرکش و مطیع اونٹ پر چڑھنے لگے (یعنی جھوٹی سچی حدیثوں میں فرق نہ کرنے لگے) تو ہم نے آپ سے حدیث کی روایت کرنا چھوڑ دیا ۔

اور مجاہد سے روایت کی ہے کہ بشیر عدوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور حدیث بیان کرنے لگے اور کہنے لگے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نہ ان کی احادیث کو سنتے تھے نہ ان کی طرف دیکھتے تھے تو انہوں نے کہا ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ کیا بات ہے کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ میری بیان کردہ احادیث کو نہیں سن رہے میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کر رہا ہوں اور آپ سنتے نہیں ہیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک

مدت گزری جبکہ ہم کسی شخص کے متعلق سنتے تھے کہ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو ہماری آنکھیں اس کی طرف اٹھ جاتی تھیں اور اس کی بات سننے کے لیے ہم اپنے کان لگا دیا کرتے تھے لیکن جب لوگ ہر سرکش و مطیع سواری پر چڑھنے لگے تو ہم لوگوں سے بجز ان احادیث کے جن کو ہم پہچانتے ہیں اور احادیث نہ لینے لگے۔

اور حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت کی گئی ہے کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کو خط لکھا جس میں ان سے درخواست کی کہ میرے لیے ایک کتاب لکھیں اور جو امور مناسب نہ ہوں اس کو نہ لکھیں تو آپ نے فرمایا کہ لڑکا خیر خواہ ہے میں چند امور چن کر اس کو لکھ دوں گا اور جو باتیں مناسب نہ ہوں گی ان کو چھپا لوں گا پھر آپ نے حضرت علیؓ کے فیصلے منگوائے اور اس میں سے کچھ فیصلے لکھنے لگے اور کسی فیصلہ کو پڑھ کر یہ فرماتے کہ خدا کی قسم علیؓ نے یہ فیصلہ ہرگز نہ کیا ہوگا مگر یہ کہ وہ گمراہ ہو گئے ہوں۔

اور طاوس سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک کتاب لائی گئی جس میں حضرت علیؓ کے فیصلے تھے تو آپ نے سب کو مٹا دیا مگر اس کے برابر باقی رکھا (سفیان بن عیینہ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا)

اور حضرت ابو اسحاق سے روایت کی گئی ہے کہ جب حضرت علیؓ کے بعد لوگوں نے ان چیزوں کو پیدا کر دیا تو اصحاب علیؓ میں سے ایک شخص نے کہا اللہ ان کو قتل کرے انہوں نے کیسے علم کو خراب کر دیا۔

اور حضرت ابوبکر بن عیاش سے روایت ہے کہ میں نے مغیرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ حضرت علیؓ کی احادیث بجز اصحاب عبداللہ بن مسعود کے اور کسی سے قبول نہ کی جاتی تھیں۔

اور حضرت ابن سیرینؒ سے روایت ہے کہ پہلے احادیث کی اسناد کے متعلق کوئی سوال نہ کرتا تھا لیکن جب فتنہ پیدا ہو گیا تو لوگوں نے پوچھنا شروع کر دیا کہ اپنے راویوں کی سند بتاؤ تو دیکھا جاتا تھا کہ اگر وہ اہل سنت ہیں تو ان سے احادیث قبول کی جاتی تھیں اور اگر وہ اہل بدعت ہیں تو ان سے حدیث قبول نہیں کی جاتی تھی۔

ابوالزناد اور عبداللہ بن ذکوان سے روایت ہے کہ میں نے مدینہ منورہ میں سو آدمی ایسے پائے جو بھلے معلوم ہوتے تھے لیکن ان کی احادیث قبول نہ کی جاتی تھیں کہا جاتا تھا کہ یہ اس کے اہل نہیں ہیں۔

اور شعبی سے روایت ہے کہ وہ فرماتے تھے مجھ سے حارث اعور نے حدیث بیان کی اور وہ جھوٹا تھا۔

اور حضرت جریر سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں جابر بن یزید جعفی سے ملا لیکن میرے دل میں اس کی وقعت نہ تھی کیونکہ وہ رجعت کا قائل تھا اور زہیر سے روایت ہے کہ میں نے جابر سے سنا کہ وہ کہتا تھا کہ میرے پاس پچاس ہزار حدیثیں ہیں جن میں سے میں نے کوئی بیان نہیں کی پھر ایک دن ایک حدیث بیان کی اور کہا یہ اس پچاس ہزار میں سے ہے۔ اور حضرت سفیان سے روایت ہے کہ میں نے جابر سے تقریباً تیس ہزار حدیثیں سنی ہیں جن میں سے ایک بھی بیان نہیں کرنا چاہتا خواہ مجھے کتنا ہی انعام ملے۔ اور حضرت ہمام سے روایت ہے کہ ہمارے پاس ابوداؤد داعمی (اندھا) آیا اور کہنے لگا کہ ہم کو براء نے یہ حدیث سنائی اور زید بن ارقم نے تو ہم نے اس کا ذکر حضرت قتادہ سے کیا تو فرمایا جھوٹا ہے اس نے ان سے کچھ نہیں سنا طاعون کی عام تباہی کے زمانہ میں تو یہ لوگوں سے بھیک مانگا کرتا تھا۔

اور ابوجعفر مدنی ہاشمی کے متعلق روایت ہے کہ وہ حکماء کے کلام کو احادیث کہا کرتے تھے حالانکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نہیں ہوتی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کرتے تھے اسی طرح بہت سی مثالیں ہیں اور اسی سے وہ اسباب ظاہر ہو گئے جو ان جھوٹے لوگوں کو اس بات کی طرف مائل کرتے تھے جن کی بنا پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی باتیں روایت کریں جو آپ نے نہیں فرمائیں، امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

جھوٹے دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث

ہیں جھوٹ ہے اور وہ بھی کئی قسم ہیں (۱) ایک تو وہ جو ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جن کو اصلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا اور یہ لوگ زندیق اور ان کے مثل لوگ ہیں جن کے نزدیک دین کا کوئی وقار نہیں اور وہ اپنی بڑائی اور دین کی تحقیر کی غرض سے یہ حرکتیں کیا کرتے تھے۔

(۲) اور یا جاہل عبادت گزار جنہوں نے اپنے خیال سے دین اور ثواب کا خیال کر کے فضیلتوں اور رغبتوں کی احادیث وضع کیں۔

(۳) یا فاسق محدثین جنہوں نے ریاکاری اور نادر باتوں کے بیان کرنے کے خیال سے احادیث وضع کیں۔

(۴) بدعتوں کے مبتلین اور مذاہب کے متعصبین نے تعصب اور اپنے مذہب کی دلیلوں کو قائم کرنے کے لیے احادیث وضع کیں۔

(۵) دنیاداروں کی ان خواہشات کی تکمیل کے لیے جو وہ چاہیں یا جو غلط کام وہ کر رہے ہیں اس میں ان کی معافی کا پہلو نکالنے کے لیے بعض لوگوں نے احادیث وضع کیں۔

اور ان طبقات میں سے ہر طبقہ کی ایک جماعت اہل فن اور روایات حدیث کا علم رکھنے والوں کے پاس متعین ہے۔

اور ان میں بعض وہ ہیں جو نفس حدیث کو تو وضع نہیں کرتے تھے لیکن اکثر ضعیف متن والی حدیث کو مشہور اور صحیح سندوں سے بیان کرتے تھے۔

اور ان میں سے بعض لوگ تو صحابہ جو سندوں کو الٹ پلٹ کر دیتے ہیں یا اس میں زیادتی کرتے ہیں اور یہ ارادہ یا تو ندرت پیدا کرنے کی غرض سے ہوتا ہے یا اپنے کو جہالت کے الزام سے بچانے کی غرض ہے۔

اور ان میں سے بعض اس طرح جھوٹ بولتے ہیں کہ وہ ایسے شخص سے سننے کا دعویٰ کرتے ہیں جس سے انہوں نے نہیں سنا اور ایسے شخص سے ملنے کا دعویٰ کرتے ہیں جس سے وہ نہیں ملے اور صحیح احادیث کی ان سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان میں بعض لوگ تو صحابہ کرام وغیرہ اہل عرب کی حکمت کی باتوں اور حکمیں رکے

کلام کو بیان کرتے ہیں اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اس قسم کے بہت سے لوگ اس دور میں پائے گئے اور کیا گمان ہوگا جابر جعفی جیسے شخص کے متعلق جس کا دعویٰ تھا کہ اس کے پاس پچاس ہزار حدیثیں اور بعض روایات میں ستر ہزار حدیثیں تھیں جن کو وہ محمد باقر بن حسین بن علی سے روایت کرتا ہے۔ ابن عباس کو اس کی خبر اس حال میں پہنچی جب کہ اسلام ابھی تازہ تھا تو آپ نے جو کچھ فرمایا اس کا ذکر ہم نے اوپر کر دیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ سیاسی اختلاف اور مذاہب کے تعصب نے اکثر ان لوگوں کے لیے جو اپنے مذہب کے بارہ میں غلو کیا کرتے تھے اس بات کو جائز کر دیا تھا کہ اپنے جذبات کی تائید کے لیے ایسی جھوٹی احادیث بنائیں جس کی روایت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کریں اور وہاں شیعہ اور خوارج اور جمہور مسلمان تھے اور ان میں سے ہر فرقہ میں خبیث لوگ موجود تھے البتہ ان فرقوں میں سے خوارج میں جھوٹے کم تھے کیونکہ ان کے اصول میں یہ تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا تمام کبیرہ گناہوں میں بڑا تھا تو یہ بہت مشکل تھا کہ ان میں سے کوئی اس کی جرأت کر سکے۔

اور اس مشکل نے آنے والے زمانہ میں اہل حدیث کی مہم کو بہت مشکل بنا دیا تھا اور تم کو معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے سنّت کو ملاوٹ سے پاک وصاف کرنے کے لیے کیا کیا کیا اور اس بارہ میں ان کو کس قدر کامیابی ہوئی۔

(۵) غیر عرب تعلیم یافتہ مسلمان کا بڑی تعداد میں ظاہر ہونا، کیونکہ اہل فارس و روم و مصر کی کثیر تعداد اسلام میں داخل ہو چکی تھی اور وہ موالی کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ کیونکہ جو شخص کسی آدمی کے ہاتھ پر اسلام لاتا تھا اس کو اس کا مولیٰ کہا جاتا تھا جن میں سے بعض تو غلام رہ چکے تھے اور بعض غلامی کے اطلاق سے پہلے مسلمان ہو جاتے تھے۔ اور مسلمانوں نے بہت سے لڑکوں کو بھی حاصل کر لیا تھا جن کو تربیت دی اور اپنے زیر اثر رکھ کر قرآن مجید وحدیث کی تعلیم دی چنانچہ انہوں نے حفظ کیا اور سمجھا اور لکھنے پڑھنے اور اس عقل و فہم سے انہوں نے مدد لی جو ان کو حاصل تھی اور جمہور اسلام عرب نے جنسیت شدیدہ کی

عصبیت کے باوجود اس وقت ان کا احترام کیا اور ان کے فتویٰ اور ان سے احادیث کی روایت کو تسلیم کیا اور یہ لوگ تمام اسلامی شہروں میں پائے جاتے تھے اور علم و تعلیم میں صحابہ اور جلیل القدر تابعین کے ساتھ شریک تھے چنانچہ بہت کم حضرت عبداللہ بن عمر رضہ کی روایت ان کے مولی عکرمہ کے بغیر بیان کی جاتی تھی اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت بہت کم بغیر ان کے مولی نافعؒ کے بیان ہوتی تھی اور عموماً حضرت انس رضؓ بن مالک کے ساتھ ان کے مولی محمد بن سیرینؒ کا ذکر کیا جاتا تھا۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج کا ذکر اکثر کیا جاتا تھا۔ جو ان کے راوی تھے۔ اور یہی چار حضرات جملہ صحابہ میں حدیث و فتویٰ کے بیان کرنے میں پیش پیش تھے اور ان کے چاروں موالی کا اس میں بڑا حصہ ہے۔ اور یہ سمجھنا غلطی ہے کہ فقہ و روایت حدیث میں عرب سب سے کم درجہ کے تھے اور یہ کہ وہ صرف ان کے شریک تھے حالانکہ کوئی شہر ایسا نہ تھا کہ جس میں دونوں فریق کی کافی تعداد نہ ہو البتہ بعض شہروں میں موالی کو خصوصی امتیاز حاصل تھا جیسے کہ بصرہ میں کہ ان کے رئیس حسن بن ابی الحسن بصری تھے لیکن بعض میں فقہاء عرب کو بھی امتیاز حاصل تھا۔ جیسے کہ کوفہ۔

(۶) رائے اور حدیث کے درمیان نزاع کا پیدا ہونا اور دونوں کے اصول کے حامیوں کا پیدا ہونا۔ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ عصر اول میں جلیل القدر صحابہ اپنے فتووں میں اول کتاب اللہ پھر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند لیا کرتے تھے اور اگر وہ اس میں عاجز ہو جاتے تو پھر رائے سے فتویٰ دیتے تھے اور یہی دراصل قیاس ہے اس کے وسیع معانی کے لحاظ سے اور وہ رائے کے اختیار کرنے میں بہت زیادہ توسع اختیار نہ کرتے تھے اسی لیے ان سے رائے کی مذمت منقول ہے اور ہم نے گزشتہ اوراق میں بیان کر دیا ہے کہ جس رائے پر عمل کیا جائے وہ کیا ہے اور جس کی مذمت آئی ہے وہ کیا ہے اور جب یہ پچھلے لوگ آئے تو انہوں نے ان اگلے لوگوں کو دیکھا کہ بعض تو حدیث ہی پر فتوے دیتے ہیں اور اس سے بڑھ کر نہیں چاہتے کہ ہر مسئلہ میں سوا ان احادیث سے تجاوز کریں جو ان کے پاس ہیں اور وہاں ایسے تعلقات

نہ تھے کہ بعض مسائل کو بعض سے مربوط کر دیں اور دوسرے فریق کو انہوں نے دیکھا کہ اس کی رائے ہے کہ شریعت عقلی معنیٰ کے لحاظ سے ہے جس کے کچھ اصول ہیں جن کی طرف مراجعت کی جا سکتی ہے تو وہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے میں جہاں تک ممکن ہوتا ان پہلوؤں کی مخالفت نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ شریعت کے معقول ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کی بنا ران مضبوط قواعد پر ہے جو کتاب و سنت سے سمجھے گئے ہیں۔ اسی لیے وہ اپنی رائے سے فتویٰ دینے میں جب کہ ان کو کوئی نص نہ ملتی تو فریق اول کے مثل ڈرتے نہ تھے اس کے علاوہ یہ لوگ ان علتوں اور غایات کے پہچاننے کی تلاش میں رہتے تھے جس کے لیے احکام مقرر کیے گئے ہیں اور بعض اوقات انہوں نے اصول شریعت کے مخالفت کی بنا پر بعض احادیث کو بھی رد کر دیا خصوصاً جب کہ دوسری احادیث بھی اس کے خلاف ہو گئیں اور اس مبدار کا اکثر ظہور اہل عراق میں ہوا۔ چنانچہ ربیعہ بن فروخ نے حضرت سعید بن المسیب سے جو تابعین میں اہل مدینہ کے فقہار کے شیخ تھے عورت کے انگلیوں کی دیت دریافت کی کہ ایک انگلی کی دیت کیا ہے تو کہا دس اونٹ کہا کہا دو انگلی کی تو کہا بیس کہا تین انگلی کی تو کہا تیس پھر پوچھا کہ چار کی تو فرمایا بیس تو کہا کہ جب اس کا زخم زیادہ ہو گیا تو دیت کم ہو گئی تو ان سے حضرت سعیدؒ نے دریافت کیا کہ کیا تم عراقی تو نہیں ہو۔ سنت یہی ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت سعیدؒ فرماتے تھے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہوتی ہے تو ظاہر کے مطابق حکم جاری کیا گیا اگرچہ اس کا نتیجہ عقل کے خلاف نکلے کیونکہ شریعت میں عقل کا کوئی دخل نہیں تو عورت کی تین انگلیوں کی دیت* تیس اونٹ ہوئی لیکن چار انگلیوں کی دیت سے کم ہو گی اسی لیے اس کی تین انگلیوں کی دیت ایک تہائی سے زیادہ ہے لہٰذا اس کی دیت مرد کی دیت کے نصف کے برابر ہو گی یعنی بیس اونٹ اور اس کا نتیجہ کی وجہ ربیعہ کی سمجھ میں نہیں آئی اس لیے انہوں نے حضرت سعیدؒ سے دریافت کیا اور حضرت سعیدؒ کو یہ سوال پسند نہ آیا اور ان کے سوال سے یہ نتیجہ نکالا کہ ربیعہ ان لوگوں میں سے ہے جو نص کے ہوتے ہوئے رائے کو شریعت میں داخل کرتے ہیں جیسا کہ اہل عراق کے متعلق مشہور ہے اسی لیے انہوں نے دریافت کیا کہ کیا تم عراقی ہو اور عراقی اس

* ایک تہائی دیت سے کم ہو گی اس لئے اس کی تین انگلیوں کی دیت *

مسئلہ میں اس طرح کہتے ہیں کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے نصف کے برابر ہے ہاتھ پاؤں میں جیسا کہ جان میں اور اس نتیجہ کو چھوڑ دیتے ہیں جس کو عقل محال سمجھتی ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت سعیدؒ کے قول میں سنت سے مراد حضرت زیدؓ ابن ثابت کی سنت ہے کیونکہ وہی یہ فتوے دیا کرتے تھے۔

اس سے اہل حدیث واہل رائے کا فرق معلوم ہوگیا کہ اول یعنی اہل حدیث احکام کے طور پر ہر اس کی علتوں میں بحث کیے بغیر عمل کرتے تھے اور بہت کم رائے سے فتویٰ دیا کرتے تھے اور دوسرے (اہل رائے) احکام کی علتوں اور بعض مسائل کے بعض مسائل سے ربط سے بحث کیا کرتے تھے۔ اور اگر ان کے پاس کوئی سند نہ ملتی تو رائے سے حکم دینے سے گریز نہیں کرتے تھے اور اکثر حجازی اہل حدیث تھے اور اکثر اہل عراق اہل الرائے تھے اسی لیے حضرت سعیدؒ بن المسیب نے ربیعہ سے جب کہ انہوں نے اعتراض کیا تو فرمایا کہ کیا تم عراقی ہو۔

اور فقہاء عراق میں جو قیاس اور رائے میں مشہور ہوئے وہ ابراہیم بن یزید نخعی کوفی فقیہ عراق تھے اور وہ حماد بن ابی سلیمان کے شیخ تھے جو امام ابوحنیفہؒ کے شیخ ہیں جو اہل عراق کے فقیہوں میں مقدم ہیں اور حضرت ابراہیمؒ نے فقہ اپنے ماموں علقمہ بن قیس نخعی کوفی سے سیکھی جو طبقہ اولیٰ کے تابعین میں فقہاء کے مقدم ہیں اور حضرت ابن مسعود کے منتخب اصحاب میں سے تھے اور حضرت ابراہیمؒ عامر بن شراحیل شعبی کے معاصر تھے جو کوفہ کے محدث اور وہاں کے عالم تھے اور ان دونوں میں بُعد المشرقین تھا کیونکہ حضرت شعبیؒ صاحب حدیث واثر تھے اگر ان کے پاس کوئی فتوے پیش ہوتا اور اس میں وہ کوئی نص نہ پاتے تو فتوے دینے سے رک جاتے اور اپنی رائے پیش کرنے یا کسی دوسرے کی رائے لینے کو بُرا سمجھتے تھے۔

چنانچہ حضرت شعبیؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر احنف (عرب کے ایک مشہور عقل مند دیجم سردار کا نام ہے) قتل کر دیے جائیں اور اس کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ بھی قتل ہو جائے تو کیا دونوں کی دیت یکساں ہو گی یا احنف کی دیت اسکی عقل و علم کی بنا پر زیادہ ہو گی تو لوگوں نے

کہا کہ برابر ہوگی تو فرمایا کہ پھر تیاس کچھ نہیں کیونکہ دونوں آدمیوں میں آرزو سے عقل و قیاس ضرور فرق ہونا چاہیئے گویا حضرت شعبیؒ اور اصحاب حدیث و اثر میں جو ان کے مسلک پر ہیں نص کے پاس ٹھیر جاتے ہیں اور اس سے تجاوز نہیں کرتے اور جس معاملہ میں موجود ہو اور جس میں نہ ہو اس میں اپنی رائے سے کچھ کہنا نہیں چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ عقل کو اس میں حکم کا کوئی اختیار نہیں اور نہ وہاں مصلحتیں منضبط ہیں جن کو شارع نے اپنی تشریع میں معتبر قرار دیا ہو اور جن کی طرف فتویٰ کے وقت رجوع کریں گویا احکام شرعیہ میں کوئی شیرازہ بندی آپس میں نہیں ہے اسی لیے حضرت سعید بن المسیب شیخ فقہاء اہل حدیث کو ربیعہ کے سوال سے بہت رنج ہوا جب کہ ربیعہ نے انگلیوں کی دیت کے بارے میں عقلی سوال کر دیا۔ اور چونکہ ربیعہ شریعت کی علتوں میں زیادہ بحث کیا کرتے تھے اس لیے اہل مدینہ نے ان کو "ربیعۃ الرائے" کا لقب دے دیا تھا۔ حتیٰ کہ جب عبداللہ بن سوار قاضی نے یہ کہا کہ میں نے ربیعۃ الرائے" سے زیادہ کسی کو عالم نہیں پایا تو ان سے پوچھا گیا کہ نہ حسن نہ ابن سیرین تو فرمایا کہ نہ حسن نہ ابن سیرین۔

لیکن ابراہیم نخعی اور جو فقہاء عراق ان کے طریقہ پر تھے بلکہ بعض فقہاء اہل مدینہ بھی اگرچہ اپنے فتووں میں کتاب اور سنت کی سند لیتے تھے لیکن انہوں نے یہ سمجھا کہ اس شریعت کے لیے کچھ مصلحتوں کا ہونا ضروری ہے جن کا حاصل کرنا مقصود ہے جس کے لیے شریعت بنائی گئی ہے اور ان کے لیے ان مصلحتوں کا اعتبار کرنا درست بھی رہا۔ تو انہوں نے ان مصلحتوں کو ان امور میں جن میں کتاب و سنت نہ ملے اجتہاد کی بنیاد قرار دیا اور ان کے پاس ان کی اس دلیل میں سلف صالحؒ کا عمل موجود تھا کیونکہ صحابہ کرام نے بہت سے مسائل میں جو ان کو پیش آتے قیاس کیا تھا جب کہ ان کو کتاب و سنت میں ان مسائل کی دلیل نہیں ملی اور ان کی رائیں انہی مصلحتوں کے اعتبار کا نتیجہ تھا۔

اہل حدیث، اہل الرائے پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ اپنے قیاسات کی بنا پر بعض احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ یہ خطا ہے اور ہم ان میں کسی کو بھی ایسا نہیں پاتے ہیں جس نے قیاس کو اس سنت پر مقدم کیا ہو جو ان کے پاس ثابت ہو چکی ہو ہاں

اگر کسی خاص واقعہ میں ان کو کوئی روایت نہیں ملی یا روایت تو ملی لیکن اس کی سند پر اطمینان نہ ہوا تو پھر اس نے رائے سے فتویٰ دے دیا جس میں بعض اوقات فتویٰ سنت کے خلاف ہو گیا ہو یا تو معلوم نہ تھی یا معلوم تو تھی لیکن اس کی روایت پر اس نے بھروسہ نہیں کیا یا اس کی نظر میں اس سے قوی حدیث اس کے معارض تھی جیسے کہ حضرت سفیان ابن عیینہ نے روایت کی ہے وہ کہ حضرت ابو حنیفہؒ اور اوزاعیؒ مکہ معظمہ میں دار الحناطین میں جمع ہوئے تو اوزاعیؒ نے ابو حنیفہ سے کہا کہ تم کو کیا ہوا ہے کہ رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے تو ابو حنیفہؒ نے کہا اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تو کہا یہ کیسے مجھ سے تو زہریؒ نے سالمؒ سے روایت کی ہے کہ ان کے والد نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھایا کرتے تھے جب کہ نماز شروع کرتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت تو حضرت ابو حنیفہؒ نے کہا ہم سے حمادؒ نے حضرت ابراہیمؒ سے بیان کیا اور وہ حضرت علقمہؒ و اسودؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ہاتھ نہیں اٹھاتے مگر نماز شروع کرتے وقت اور پھر کبھی اس کا اعادہ نہیں کرتے تھے تو اوزاعیؒ نے فرمایا کہ میں آپ سے زہری کی روایت بیان کرتا ہوں جو سالم سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد سے اور آپ اس کے مقابلہ میں یہ فرماتے ہیں کہ حمادؒ نے حضرت ابراہیمؒ سے روایت کی ہے۔ تو ابو حنیفہؒ نے جواب دیا کہ حضرت حمادؒ زہریؒ سے زیادہ فقیہ تھے اور حضرت ابراہیمؒ سالمؒ سے فقہ میں بڑھ کر تھے اور حضرت علقمہؒ حضرت ابن عمرؓ سے کم نہ تھے اگرچہ حضرت ابن عمرؓ صحابی تھے یا ان کو صحبت کی فضیلت حاصل تھی اور حضرت اسودؒ کی بڑی فضیلت ہے اور عبد اللہؓ ابن مسعود تو عبد اللہؓ بن مسعود ہی ہیں جس پر اوزاعی خاموش ہو گئے۔

اور یہ مکالمہ ان کے الفاظ پر بحث کیے بغیر اس بات کی دلیل ہے کہ ہر فریق کے پاس کیا دلائل تھے اور نیز اس بات کی دلیل ہے کہ سب حد سنت پر قائم رہتے تھے جب کہ اس کی روایت پر ان کو اعتماد ہوتا تھا۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ مصراۃ کے ڈنڈ کا ہے اہل رائے کا فتویٰ تھا کہ خریدنے والا اس کو بھی واپس کرے اور اس کا جو دودھ دوہا ہے اس کی قیمت بھی واپس کرے اور اہل حدیث کا فتویٰ تھا کہ اس بکری کو واپس کر دے اور ایک صاع کھجور دے دے اس حدیث کی بناء پر جو حضرت ابو ہریرہؓ نے اس بارے میں روایت کی ہے اور مصراۃ اس بکری کو کہتے ہیں جس کے تھنوں کو باندھ کر ان میں دودھ اس غرض سے جمع رہنے دیا جاتے کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ وہ بہت دودھ دینے والی بکری ہے۔ اس مسئلہ میں اہل الرائے کہتے ہیں کہ شریعت میں تلف شدہ چیزوں کے تاوان کا قانون یہ ہے کہ اگر اس کے مثل اور مل سکتے ہوں تو اس کا مثل اور اگر مثل والی چیزوں سے نہ ہو تو اس کی قیمت واپس کی جائے اور یہ حدیث اس چیز میں جس کا نہ مثل ہو نہ اس کی کوئی قیمت ہو تلف شدہ چیز کا تاوان بتاتی ہے اور یہ حدیث اگر ان کو پہنچی ہو تو شک پیدا کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ حدیث ان کو نہیں پہنچی اس لیے کہ ہم ان کو اکثر ایسا دیکھا ہے کہ ان کو اکثر ایسی احادیث میں جو قوانین عامہ کے مخالف تھیں تو انہوں نے اس پر عمل کیا اور اس کا نام استحسان رکھا۔

بہر حال یہ زمانہ جمہور اسلام میں اہل حدیث و اہل الرائے کے مفتیوں کی تقسیم کا تھا مگر وہاں قواعد منضبط نہ تھے جو مجتہدین کے لیے واضح ہوتے کیونکہ فقہ نے اس وقت تک تدوین و ترتیب کے لائق درجہ نہیں پایا تھا۔

اس زمانہ میں اجتہاد

کتاب و سنت

جہاں تک کتاب کا تعلق ہے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے خلفاء راشدین کے طریقہ عمل سے اس کی حفاظت فرما دی جس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں لہٰذا جس طرح وہ مصاحف حضرت عثمانؓ میں لکھا گیا اسی طرح پڑھا جاتا تھا اور ان مصاحف سے بہت سے مصحفوں میں اس کو نقل کیا گیا اور بکثرت صحابہ کرام و تابعین عظام اس کے

حفظ اور اس کے پڑھانے میں مشہور ہو گئے جن کی کثرت تمام شہروں میں لاتعداد ہو گی حتیٰ کہ ان میں سے جو بعض قاری اس دور کے آخر میں مشہور ہوتے وہ حفاظ قرآن اور اس کے معلمین کی نہر میں ایک قطرہ کے مانند ہیں۔

لیکن جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو اس زمانہ میں اس کے راویوں کی کثرت اور علماء تابعین کی ایک جماعت کا روایت حدیث کے لیے مخصوص ہونے کے باوجود اس کی تدوین کا کوئی کام نہ ہوا لیکن یہ بات خلاف عقل تھی کہ یہ امر زمانہ طویل تک جاری رہے جبکہ جمہور کے نزدیک سنت کا اعتبار مسلم تھا کہ وہ کتاب کی تفصیل بیان کرنے کی حیثیت سے قانون شریعت کو مکمل کرنے والی ہے اور جمہور میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اس رائے کی مخالفت کرتا اور سب سے پہلے اس نقص کا جس نے احساس کیا وہ دوسری صدی ہجری کی ابتدا میں امام عادل حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز تھے جنہوں نے مدینہ منورہ میں اپنے عامل ابوبکر بن محمد بن عمرو ابن حزم کو لکھا کہ تم احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش کرو اور ان کو جمع کرو کیونکہ مجھے علم کے فنا ہونے اور علماء کے ختم ہونے کا ڈر پیدا ہو گیا ہے اس کو امام مالکؒ نے حضرت محمدؒ بن الحسن کی روایت سے موطا میں روایت کیا ہے اور ابونعیمؒ نے تاریخ اصبہان میں حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ہر چہار طرف لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو تلاش کر کے جمع کرو۔

اور اس دور کے لوگوں میں حضرت محمد بن مسلم بن شہاب زہریؒ نے احادیث کے لکھنے اور لکھوانے میں امتیاز حاصل کیا جو حفاظ حدیث کے اکابر میں سے تھے اور حضرت ابن عباسؓ کی گزشتہ حدیث سے ظاہر ہو چکا ہے کہ شیعان علیؓ کے پاس ایک کتاب موجود تھی جس میں ان کے فیصلے تھے جس کی حضرت ابن عباسؓ نے توثیق نہیں فرمائی اور فرمایا کہ خدا کی قسم علیؓ نے یہ فیصلہ نہیں کیا ہو گا مگر یہ کہ وہ گمراہ ہوئے ہوں" اور آپ نے اس میں سے اکثر حصہ مٹا دیا اور بجز قلیل کے کچھ باقی نہ رکھا۔

اس زمانہ کے مشہور مفتی

مدینہ کے مفتی

(۱) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض حضرت عائشہ رض حضرت ابوبکر صدیق رض کی صاحبزادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے دو سال پہلے نکاح کیا اور جیسا کہ روایت ہے کہ ان کی عمر اس وقت سات سال کی تھی اور مدینہ منورہ میں ان کی رخصتی کر دی جب کہ ان کی عمر (۹) سال کی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب بیویوں میں سے تھی،

حضرت عطاء رح ابن ابی رباح نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رض تمام لوگوں سے زیادہ فقیہ تھیں اور عام مسائل میں ان کی رائے سب سے بہتر تھی حضرت عروہ رح نے کہا ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے بڑھ کر عالم فقہ اور شعر میں کسی کو نہ پایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے بکثرت روایت کی ہے مسند امام احمد رح بن حنبل میں آپ کی بیان کردہ احادیث صفحہ ۲۹ سے صفحہ (۲۸۲) تک یعنی (۲۵۳) صفحات میں ہیں اور آپ کی روایات میں زیادہ تر اعتماد ان باتوں پر کیا جاتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ مبارک میں انجام دیا کرتے تھے اس کے باوجود فقہ کے ہر پہلو پر آپ کی احادیث موجود ہیں اور فقہاء صحابہ آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے آپ سے اکثر صحابہ و تابعین نے احادیث کی روایت کی ہے۔ اور آپ سے زیادہ روایت کرنے والے آپ کے اہل بیت سے حضرت عروہ رح بن زبیر تھے۔ جو آپ کے بھانجے تھے اور حضرت قاسم رح ابن محمد تھے جو آپ کے بھتیجے تھے ۵۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رض حضرت عبداللہ رض بن عمر رض بن خطاب عدوی قرشی نے اپنے باپ کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا جبکہ آپ چھوٹے تھے اور سن بلوغت کو بھی نہ پہنچے تھے

اور غزوہ بدر میں چھوٹے تھے اس لیے جنگ میں شریک نہ ہو سکے سب سے پہلی جنگ جس میں آپ نے شرکت کی تھی وہ غزوہ خندق تھا اور غزوہ موتہ میں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ساتھ شرکت کی تھی اور جنگ یرموک اور فتح مصر و افریقہ میں شامل تھے اور حضور اکرم کی سُنّت کی بے حد اتباع کرنے والے تھے حتیٰ کہ آپؐ جہاں اترے تھے وہاں اترتے اور جہاں آپ نے نماز پڑھی تھی وہاں نماز پڑھتے تھے اور حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے اترے تھے تو حضرت ابن عمرؓ اس کو پانی دیا کرتے تھے تاکہ وہ خشک نہ ہو جائے اور حضرت ابن عمرؓ مسلمانوں کے امام اور مشہور مفتیوں سے تھے اور بے حد محتاط تھے اور فتویٰ میں اپنے نفس کی خواہشات کے مقابلہ میں اپنے دین کی زیادہ حفاظت کرنے والے تھے باوجود یکہ اہل شام ان کی طرف مائل تھے اور ان سے اہل شام کو محبت تھی انہوں نے خلافت کے لیے جنگ چھوڑ دی اور فتنوں کے زمانہ میں کسی معاملہ میں جنگ نہیں کی اور حضرت علیؓ کی مشکلات کے زمانہ میں بھی حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ میں شرکت نہیں کی اگرچہ اس کے بعد وہ حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہونے پر ندامت کا اظہار کیا کرتے تھے اور حضرت جابرؓ بن عبداللہ کہا کرتے تھے کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کی طرف دنیا مائل نہ ہوئی ہو اور وہ دنیا کی طرف مائل نہ ہوا ہو بجز حضرت عمرؓ اور صحابہؓ سے بھی روایت کی اور ان سے اکثر تابعینؒ نے روایت کی ہے جن میں سب سے زیادہ ان سے روایت کرنے والے ان کے صاحبزادے سالم اور ان کے مولیٰ نافع تھے حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ حدیث میں بھی جید تھے اور فقہ میں بھی جید تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد (۶۰) سال زندہ رہے موسم حج وغیرہ میں لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تھے ۷۳ھ میں وفات پائی۔

(۳) **حضرت ابو ہریرہؓ** حضرت ابو ہریرہؓ کا نام عبدالرحمٰن تھا بو صخر کے صاحبزادے اور قوم دوس سے تھے غزوہ خیبر کے بعد ۷ھ میں ہجرت کر کے آئے تھے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ کے ساتھ رہے آپ سے بکثرت حدیث کی روایت کی۔ * جن میں زیادہ روایت کرنے والے ان کے داماد سعیدؓ

* ہے اور جلیل القدر صحابہؓ سے بھی روایت کی ہے اور ان سے اکثر تابعین نے روایت کی ہے۔ *

بن المسیب اور ان کے موالی اعرج اور ان کے علاوہ بکثرت حضرات تھے، علم کا مخزن تھے اور بزرگترین ائمہ فتویٰ میں سے تھے اور جلیل القدر عبادت گزار اور متواضع تھے اور صحابہ کرام میں سب سے زیادہ حافظ الحدیث تھے اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا اے ابو ہریرہ تم ہم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ہم سب سے زیادہ جانتے ہو ۵۸ھ میں انتقال فرمایا۔

یہ تینوں بزرگوار تمام صحابہ میں مدینہ منورہ میں اس زمانہ میں حدیث و فتویٰ کے لحاظ سے زیادہ تھے اور انہی پر اہل مدینہ کے علم کا دارومدار رہے اور انہی سے مدینہ کے بڑے بڑے تابعین نے علم حاصل کیا ہے۔

جن میں سے چند مشہور حضرات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۴) حضرت سعید بن مسیب مخزومی۔ حضرت عمرؓ کی کے دو سال بعد آپ کی پیدائش ہوئی اور جلیل القدر صحابہؓ سے حدیث کو سُنا نہایت وسیع العلم، محترم، دیانتدار حق بات کہنے والے اور اپنے نفس کے فقیہ تھے، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سعید بن مسیب مفتیوں میں سے ہیں اور حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ میں نے سعیدؒ سے زیادہ عالم کسی کو نہ پایا اور علی بن مدینی نے فرمایا کہ میں نے تابعین میں حضرت سعیدؒ سے زیادہ وسیع العلم کسی کو نہ پایا وہ تابعین میں میرے نزدیک جلیل القدر لوگوں میں سے ہیں اور وہ سلطان کے انعامات کو قبول نہیں فرماتے تھے اور ان کی اکثر مستند روایتیں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہیں اور حضرت حسن بصریؒ کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو وہ حضرت سعید بن مسیبؒ سے خط کے ذریعہ سوال کرتے۔ ایک قول کے مطابق ۹۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۵) عروہ بن زبیر بن عوام اسدی آپ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور اکثر صحابہؓ سے حدیث کی روایت کی اور اپنی خالہ عائشہ صدیقہؓ سے فقہ کا علم حاصل کیا، سیرت کے عالم، حافظ الحدیث اور قابلِ اعتماد تھے ان سے ان کے صاحبزادہ

ہشامؒ نے اور ان کے دوسرے لڑکوں نے روایت کی اور ان سے حضرت زہریؒ والوالزنادؒ اور دیگر علماء مدینہ نے بھی روایت کی ہے امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو ایسا دریا پایا جو کبھی خشک نہیں ہوتا ۹۴ھ میں وفات پائی۔

(۶) حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام مخزومی آپ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے ہوتے اور اپنے باپ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے روایت کی اور ان سے حضرت زہریؒ اور دوسرے چھوٹے تابعین نے روایت کی ہے نہایت ثقہ، صاحب حجت، فقیہ، امام، بہت زیادہ روایت بیان کرنے والے، سخی اور صالح تھے عابد اور خدا رسیدہ تھے ان کو راہب قریش کہا جاتا تھا۔ ۹۴ھ میں وفات پائی۔

(۷) حضرت علیؒ بن حسین بن ابی طالب ہاشمی، آپ شیعہ امامیہ کے چوتھے امام ہیں زین العابدینؒ کے نام سے مشہور تھے اپنے والد اور اپنے چچا حضرت حسنؓ اور عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، زہریؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے علی بن حسینؒ سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں پایا لیکن وہ احادیث کم بیان کیا کرتے تھے ان کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ میں نے کسی ہاشمی کو ان سے افضل نہ پایا اور حضرت ابن مسیبؒ کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ پرہیزگار کسی کو نہ پایا ۹۴ھ میں وفات پائی۔

(۸) حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، آپ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہم سے حدیثیں لیں اور فقہ و حدیث میں امام ہونے کے علاوہ اچھے شاعر بھی تھے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے اتالیق تھے امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت عبیداللہ علم کا ایک دریا تھے ۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۹) حضرت سالمؒ بن عبداللہ بن عمرؓ، اپنے والد اور حضرت عائشہ صدیقہؓ و حضرت ابوہریرہؓ و حضرت سعید بن المسیبؒ وغیرہم سے احادیث سنیں ان کے والد کو ان سے بہت محبت تھی اور فرمایا کرتے تھے۔

یلوموننی فی سالم والومھم   وجلدۃ بین العین و الانف سالم

مجھے سالم کے بارے میں لوگ ملامت کرتے ہیں اور میں ان کو ملامت کرتا ہوں

کیونکہ سالم میری آنکھ اور ناک کے درمیان کا چمڑہ ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ زہد و فضل میں گزشتہ صالحین کے مشابہ ان سے زیادہ کوئی نہ تھا اپنے والد کے طریقہ پر چلتے تھے اور بہت سادہ رہتے تھے ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) حضرت ام المومنین میمونہؓ کے مولی سلیمانؒ بن یسار، آپ نے ام المومنین میمونہؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، اور حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہم حضرات سے روایت کی حضرت حسنؒ ابن محمد الحنفیہ فرماتے ہیں کہ وہ میرے نزدیک سعید بن مسیب سے زیادہ سمجھ دار تھے اور کہا جاتا ہے کہ سعید بن مسیب کے پاس کوئی شخص فتویٰ طلب کرنے آتا تو وہ کہتے کہ سلیمان بن یسار کے پاس جاؤ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ لوگوں کے عالم تھے ۱۰۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) حضرت قاسمؒ بن محمد بن ابی بکرؓ آپ نے اپنی پھوپھی حضرت عائشہ صدیقہ و حضرت ابن عباس و ابن عمر وغیرہ رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں، آپ کی پھوپھی نے آپ کی تربیت کی، حضرت یحییٰ ابن سعید کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ منورہ میں ایسا کوئی شخص نہ پایا جس کو قاسمؒ پر فضیلت دی، اور ابو الزنادؒ نے فرمایا کہ میں نے قاسمؒ سے بڑھ کر کوئی فقیہ اور احادیث کا عالم نہ پایا اور حضرت ابن عیینہؒ نے فرمایا کہ قاسم اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور حضرت ابن سعیدؒ نے فرمایا کہ وہ امام فقیہ ثقہ رفیع المرتبت زاہد، اور زیادہ احادیث بیان کرنے والے تھے، حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے کچھ بھی اختیار ہوتا تو میں بنی تیم کے اعمش یعنی قاسم کو خلیفہ بناتا ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) حضرت عبد اللہ بن عمر کے مولیٰ نافع، اپنے مولیٰ حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابی ہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے ان کو مصر روانہ فرمایا تاکہ وہاں کے باشندوں کو سنت کی تعلیم دیں، حضرت سالم کی زندگی میں وہ فتویٰ نہیں دیا کرتے تھے حضرت عبد اللہ

بن عمر کی تیس سال تک خدمت کی دیلمی الاصل تھے ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) حضرت محمد بن مسلم المعروف بہ ابن شہاب زہری ؒ ۵۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور حضرات عبداللہ بن عمر و انس بن مالک و سعید بن المسیب رضی اللہ عنہم سے روایت کی حضرت لیث ؒ ابن سعد فرماتے ہیں کہ میں نے کسی عالم کو حضرت زہری ؒ سے زیادہ جامع علوم نہیں پایا۔ اگر ترغیب کی حدیثیں بیان کرتے تو تم کہتے کہ ان کے علاوہ کوئی شخص یہ اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا اور اگر قرآن و سنت کے بارے میں کہنے لگتے تو بھی تم اسی طرح کہتے۔ اور حضرت عمر ؓ بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ کوئی شخص زہری ؒ سے زیادہ گزشتہ حدیثوں کا عالم باقی نہیں رہا۔ اور امام مالک ؒ نے فرمایا کہ ابن شہاب باقی رہ گئے ہیں جن نظیر دنیا میں کوئی نہیں اور حضرت لیث ؒ فرماتے ہیں کہ وہ تمام لوگوں میں سخی تھے اور ہشام بن عبدالملک کے لڑکے کے اتالیق تھے اور اس کے مصاحب تھے، ایک مرتبہ ہشام نے ان سے درخواست کی کہ ان کے کسی لڑکے کو کچھ لکھوا دیں تو ان کو چار سو حدیثیں لکھوا دیں پھر تقریباً ایک ماہ کے بعد اس لڑکے نے ان سے ملاقات کی اور کہا کہ وہ کتاب ضائع ہو گئی تو کاغذ منگوا کر اس کو دوبارہ لکھوا دیں وہ پہلی کتاب مل گئی اور اس سے مقابلہ کرایا تو ایک حرف اس میں کم نہ تھا۔ اور امام مالک ؒ فرماتے ہیں کہ ابن شہاب مدینہ منورہ آئے اور حضرت ربیعہ ؒ کا ہاتھ پکڑ کر دونوں دفتر میں گئے پھر جب عصر کے وقت دونوں نکلے تو ابن شہاب ؒ یہ کہتے ہوئے نکلے کہ میں گمان نہیں کرتا کہ مدینہ میں ربیعہ کا مثل کوئی ہو گا اور ربیعہ یہ کہتے ہوتے نکلے کہ میں خیال نہیں کرتا کہ کوئی شخص علم کی اس حد کو پہنچا ہو گا جس حد تک ابن شہاب پہنچے ہوئے ہیں اور ابن شہاب نے کہا کہ حضرت قاسم ؒ بن محمد نے مجھ سے فرمایا کہ میں تم کو علم کا حریص پاتا ہوں کیا میں تم کو علم کا خزانہ نہ بتا دوں۔ تو میں نے کہا ضرور تو فرمایا کہ عبدالرحمٰن کی صاحبزادی سے ملو کیونکہ وہ حضرت عائشہ کی آغوش تربیت میں تھیں لہٰذا میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان کو بحر زخار پایا ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) حضرت ابو جعفر بن محمد بن علی بن حسین جو باقر کے نام سے مشہور تھے اور وہ

۲ ان سے بہتر کوئی بیان نہیں کر سکتا اور اگر عرب اور انساب کے متعلق بیان کرتے تم کہتے کہ ۲

شیعہ امامیہ کے پانچویں امام تھے آپ نے اپنے والد سے اور حضرت جابرؓ و حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے روایت کی اپنے زمانہ میں بنی ہاشم کے سردار تھے سنہ ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان، آپ فقیہ مدینہ تھے اور آپ نے حضرت حسن بن مالکؓ اور اکثر تابعین سے حدیث کو سنا، حضرت لیثؒ ابن سعد کہتے ہیں کہ میں نے ان کے پیچھے تین سو طالب فقہ، طالب شعر اور مختلف قسم کے فنون کے طالب دیکھے تھے مگر کچھ زمانہ نہیں گزرا کہ وہ اکیلے رہ گئے اور سب حضرت ربیعۃ الرائے کے پاس پہنچ گئے، اور حضرت ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے ربیعہؒ اور ابوالزنادؒ کو دیکھا ہے اور ابوالزناد دونوں میں زیادہ فقیہ تھے اور حضرت سفیانؒ ابوالزناد کو امیر المومنین فی الحدیث کہا کرتے تھے۔ سنہ ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) حضرت یحییٰ بن سعید انصاری، آپ نے حضرت انسؓ بن مالک اور اکثر تابعینؒ سے روایت کی ہے، حضرت یحییٰ قطانؒ کہتے ہیں کہ وہ زہریؒ سے افضل ہیں کیونکہ انہوں نے زہریؒ سے اختلاف کیا ہے لیکن زہریؒ نے ان سے اختلاف نہیں کیا ہے، اور حضرت احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید اور امام مالک کے کسی کو ایسا نہ پایا جس کے متعلق کوئی بھلی بری بات نہ کہتا ہو۔ سنہ ۱۴۳ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن فروخ، آپ حضرت انسؓ بن مالک اور اکثر تابعین سے روایت کرتے ہیں، امام حافظ فقیہ مجتہد اور رائے کے ماہر تھے اور اسی لیے ان کو ربیعۃ الرائے کہا جاتا تھا اور حضرت یحییٰؒ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے ربیعہ سے زیادہ ذہین کسی کو نہ پایا اور حضرت سوار بن عبداللہ قاضیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ربیعہ سے زیادہ کسی کو عالم نہیں پایا تو میں نے پوچھا کہ نہ حسن کو اور نہ ابن سیرین کو تو فرمایا کہ نہ حسن کو نہ ابن سیرین کو اور فرماتے تھے کہ وہ نہایت سخی تھے اور یہ وہی ہیں جن سے امام مالک بن انسؒ نے علم فقہ حاصل کیا۔ سنہ ۱۳۶ھ میں وفات پائی۔

مکہ کے مفتی

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب، آپ ہجرت سے دو سال پہلے پیدا ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو دین کی سمجھ دے اور تاویل کا علم عطا فرمائے، اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ بہترین مفسر قرآن ہیں اگر ان کو ہماری عمر ملتی تو کوئی ان کا ہمسر نہ ہوتا، اور حضرت معمرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کا علم عموماً ان تین حضرات سے تھا حضرات عمر، علی و ابن ابی کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان سے روایت ہے کہ جب میں یہ سنتا تھا کہ کسی شخص کے پاس حدیث ہے تو میں اس کے پاس آتا اور بیٹھا رہتا حتیٰ کہ وہ خود نکلتا حالانکہ اگر میں چاہتا کہ وہ نکلے تو ایسا کر سکتا تھا"۔ تفسیر و فقہ میں اہل مکہ کے علم کا دار و مدار حضرت ابن عباسؓ پر ہے۔ ۶۸ھ میں وفات پائی۔

(۲) بنی مخزوم کے مولی مجاہد بن جبیر، آپ نے حضرات سعد و عائشہ صدیقہ و ابوہریرہ و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے احادیث کی سماعت اور حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک مدت رہے اور ان سے قرآن پڑھا علم کا ایک خزانہ تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید حضرت ابن عباسؓ سے تین بار پڑھا ہر آیت کے پاس ان کو ٹھہراتا تھا اور دریافت کرتا تھا کہ کس بارے میں نازل ہوئی اور کیسے نازل ہوئی حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ باقی لوگوں میں تفسیر کے سب سے زیادہ عالم مجاہدؒ ہیں، مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اکثر مرتبہ حضرت ابن عمرؓ نے میری رکاب روک کر دریافت فرمایا ہے۔ ۱۰۳ھ میں وفات پائی

(۳) حضرت ابن عباسؓ کے مولی عکرمہ، آپ نے حضرات ابن عباس اور عائشہ صدیقہ و ابوہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور حضرت ابن عباسؓ سے فقہ حاصل کیا، حضرت سعیدؓ بن جبیرؒ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ سے بڑھ کر عالم کون ہے تو فرمایا کہ ہاں عکرمہؒ ہیں اور حضرت شعبیؒ سے مروی ہے کہ کتاب اللہ کو زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ ان پر اعتراض ہے کہ ان کی

رائے خوارج کی رائے کے مطابق تھی اسی وجہ سے امام مالکؒ اور امام مسلم بن حجاج نے ان سے کوئی حدیث نہیں لی۔ ۱۰۷ھ میں وفات پائی۔

(۴) حضرت عطاء بن ابی رباح مولی قریش، آپ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور حضرت عائشہ صدیقہ و ابو ہریرہ و ابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی۔ سیاہ رنگ کے گھونگروالے بال والے فصیح اور زیادہ علم رکھنے والے تھے آپ فوج میں پیدا ہوئے تھے حضرت ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عطار سے افضل میں نے کسی کو نہیں پایا حضرت اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ عطار اپنی موت کے دن لوگوں میں تمام اہل زمین سے زیادہ مقبول تھے حضرت اسماعیلؒ ابن امیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عطار زیادہ سکوت فرمایا کرتے تھے اور جب بات کرتے تھے تو ہم کو یہ خیال ہوتا تھا کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے ان کی تائید ہو رہی ہے حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ اے اہل مکہ تم میرے پاس آتے ہو حالانکہ تمہارے اندر عطا موجود ہیں ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔

(۵) حضرت حکیمؒ بن حزام کے مولی ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس، آپ نے حضرات ابن عباس و ابن عمر و سعید بن جبیر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حدیث بیان کی حضرت یعلیؒ بن عطار فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوالزبیر نے حدیث بیان کی جو تمام لوگوں میں بلحاظ عقل کامل ترین اور حافظ ترین تھے حضرت عطارؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت جابرؓ کے پاس جاتے تھے وہ ہم سے حدیث بیان کرتے تھے جب ہم وہاں سے نکلتے تو آپس میں مکالمہ کیا کرتے تو حضرت ابوالزبیرؒ ہم لوگوں میں سب سے زیادہ حدیث کے حافظ نکلتے ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔

مفتیان کوفہ

(۱) فقیہ عراق حضرت علقمہؒ بن قیس نخعی، آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے اور حضرات عمر و عثمان و ابن مسعود و علی رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی اور حضرت ابن مسعودؓ سے علم فقہ حاصل کیا اور ان کے راشد تلامذہ میں سے تھے، حضرت

ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ مجھے جو معلوم ہے یا جو میں پڑھتا ہوں تو علقمہ بھی وہ پڑھتے ہیں اور ان کو بھی معلوم ہے۔ حضرت قابوسؒ بن ابی ظبیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ آپ صحابہؓ کو چھوڑ کر حضرت علقمہؒ سے سوال کرتے اور ان سے فتویٰ طلب کرتے پایا ہے* حضرت ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ امام و فقیہ و فایق تھے اور قرآن مجید کو بہت عمدہ آواز سے پڑھتے تھے اور روایت کے نقل کرنے میں محتاط تھے صاحب خیر اور زاہد تھے حضرت ابن مسعودؓ سے چال ڈھال اور طور طریقہ میں بہت مشابہت رکھتے تھے۔ سنہ ۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۲) حضرت مسروق بن اجدع ہمدانی، آپ علامہ فقیہ تھے اور حضرت عمرو بن معدیکرب کے بھانجے تھے حضرات عمر و علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ ان سے زیادہ طلب علم کرنے والا میں نے نہیں پایا اور وہ حضرت شریحؒ سے زیادہ فتویٰ کے ماہر تھے اور حضرت شریحؒ ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور حضرت مسروقؒ حضرت شریحؒ کے محتاج نہ تھے سنہ ۶۳ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت عبیدہ بن عمرو سلیمانی مرادی، آپ یمن کی فتح کے زمانہ میں مسلمان ہوئے اور حضرات علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ فیصلہ میں شریحؒ کے مقابلہ کے تھے، اور حضرت عجلیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبیدہ حضرت ابن مسعودؓ کے ان اصحاب میں سے تھے جو لوگوں کو پڑھاتے تھے اور فتویٰ دیا کرتے تھے سنہ ۹۲ھ میں وفات پائی۔

(۴) حضرت اسود بن یزید نخعی، کوفہ کے عالم اور حضرت علقمہؒ بن قیس کے بھتیجے تھے۔ حضرات معاذ و ابن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا سنہ ۹۵ھ میں وفات پائی۔

(۵) حضرت شریح بن حارث کندیؒ، حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا ان کے بعد حضرت علیؓ نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا جو حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ تک رہے اور اپنی موت سے ایک سال پہلے مستعفی ہو گئے اور ہم کو معلوم

* کے پاس کیوں آتے ہیں تو فرمایا کہ میں نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض کو علقمہ *

نہیں کہ ان کے سوا کوئی اور قاضی (۶۰) سال تک لوگوں میں عہدہ فقیہ پر رہا حضرات عمرو علی وابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کی ۸۲ھ میں وفات پائی۔

(۶) حضرت ابراہیم بن یزید نخعی، آپ فقیہ عراق تھے اور آپ نے حضرات علقمہ ومسروق واسود وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور حضرت حماد بن ابی سلمہ فقیہ کے استاد ہیں مخلص علماء میں سے تھے شہرت سے اپنے کو دور رکھتے تھے اسی لیے ستون کے پاس نہیں بیٹھتے تھے حضرت عبدالملک بن ابی سلیمان نے فرمایا کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر کو یہ کہتے سنا ہے کہ تم لوگ ابراہیم نخعی کے ہوتے ہوئے مجھ سے فتویٰ مانگتے ہو اور علم کے بارے میں جب تک ان سے سوال نہ کیا جاتا بات نہ کرتے تھے ۹۵ھ میں وفات پائی۔

(۷) حضرت والبیہ کے مولیٰ حضرت سعید بن جبیر، آپ نے حضرات ابن عباس وابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی اور حضرت ابن عباس سے جب اہل کوفہ حج کے زمانہ میں مسائل پوچھتے تو فرماتے کہ کیا تم میں سعید بن جبیر نہیں ہیں۔ وہ کسی کو اپنے سامنے غیبت نہیں کرنے دیتے تھے، حضرت میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ سعید بن جبیر کا ایسے زمانہ میں انتقال ہوا جب کہ دنیا کا ہر شخص ان کے علم کا محتاج تھا۔ حجاج نے ابن اشعث کے فتنہ کے زمانہ میں ان کو ۹۸ ہجری میں قتل کیا۔

(۸) حضرت عامر بن شراجیل شعبی، آپ تابعین میں علامہ تھے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں ۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔ امام حافظ فقیہ اور ہر فن مولیٰ تھے حضرات علی و ابی ہریرہ وعباس وعائشہ صدیقہ وابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور وہ حضرت ابوحنیفہ کے جلیل القدر اساتذہ میں سے تھے قاضی کوفہ رہے، حضرت مکحول فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شعبی سے بڑا عالم نہیں دیکھا اور ابوحصین فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو شعبی سے زیادہ فقیہ نہیں پایا اور حضرت ابن سیرین نے حضرت ابوبکر ہذلی سے فرمایا کہ شعبی کو لازم پکڑے رہو کہ صحابہ کی کثرت کے زمانہ میں میں نے ان کو فتویٰ

دینے پایا ہے اور حضرت ابن ابی لیلی نے فرمایا کہ شعبیؒ متبع حدیث تھے اور ابراہیم صاحب قیاس، ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ شعبیؒ کے پاس سے گزرے اور وہ غزوات کا بیان کر رہے تھے تو فرمایا کہ تم قوم کے پاس موجود تھے اس لیے اس کو سب سے زیادہ یاد رکھتے ہو اور مجھ سے زیادہ اس کے عالم ہو اور انہی سے روایت ہے کہ گزشتہ صالحین نے زیادہ حدیثیں بیان مکروہ سمجھا ہے اور اگر مجھے جو بات بعد میں معلوم ہوئی پہلے ہی معلوم ہو جاتی تو بجز ان احادیث کے جس پر علماء کا اتفاق ہو چکا ہے اور کچھ بیان نہ کرتا حضرت ابن عونؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شعبیؒ کے پاس کوئی مسئلہ آتا تو جہاں تک ممکن ہوتا وہ اس سے بچنے کی کوشش کرتے اور حضرت ابراہیمؒ کے پاس کے بیان کی کوشش کرتے یہ بھی انہوں نے فرمایا ہے کہ حضرت شعبیؒ خوش مزاج تھے اور حضرت ابراہیمؒ روکھے تھے لیکن جب کوئی فتویٰ دینے کا موقع آتا تو شعبیؒ کو انقباض ہوتا اور حضرت ابراہیمؒ کو بسط ہوتا اور حضرت شعبیؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ہم فقہاء نہیں ہیں بلکہ ہم نے حدیث کو سنا تو اس کی روایت کر دی فقیہ تو وہ ہے کہ جب اس کو کسی بات کا علم حاصل ہو گیا تو اس پر عمل بھی کرے اور حضرت شعبیؒ قیاس کو ناگوار سمجھتے تھے ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔

مفتیان بصرہ

(۱) حضرت انسؓ بن مالک انصاری، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور اور زمانہ دراز تک صحبت رسولؐ میں رہے اور بہت سی حدیثیں ان کو یاد تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ہجرت سے وفات نبویؐ تک رہے پھر حضرات ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا۔ عمر طویل پائی حضرت امام بخاری نے ان سے اَسّی حدیثیں اور امام مسلمؒ نے ان سے ستّر حدیثیں اور دونوں نے ان سے (۱۲۸) متفقہ حدیثیں روایت کی ہیں ۹۳ھ میں وفات پائی۔

(۲) حضرت ابوالعالیہ رفیعؒ بن مہران ریاحی، جو قبیلہ تمیم کی شاخ ریاح کی ایک عورت

کے موالی آپ نے حضرات عمر و ابن مسعود و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں، ان سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی مجھے بلند جگہ بٹھاتے تھے اور قریش اس سے نیچی جگہ پر بیٹھا کرتے تھے اور فرماتے کہ علم اس طرح شریف کے شرف کو بڑھاتا ہے اور بادشاہوں کو تخت پر بٹھاتا ہے سنہ ۹۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت زید رضی بن ثابت کے موالی حسن بن ابوالحسن سیار، آپ نے مدینہ منورہ میں نشو ونما پائی اور حضرت عثمان رضی کی خلافت کے زمانہ میں قرآن حفظ کیا پھر بڑے ہوئے پھر جہاد اور علم وعمل میں مشغول رہے۔ اور ممتاز بہادروں میں سے تھے اکثر صحابہ رضی سے حدیث روایت کی ہے۔ حضرت ابن سعد کہتے ہیں کہ عالم رفیع المرتبت اور ثقہ بل اعتماد صاحب حجت تھے، عبادت گزار بڑے علم والے فصیح و خوبصورت اور ان لوگوں میں سے تھے جو حق کے لیے ٹکر لیتے ہیں اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے ہیں سنہ ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔

(۴) حضرت ابوالشعثار جابر رضی بن زید مصاحب حضرت ابن عباس رضی، حضرت ابن عباس رضی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تمام بصرہ والے حضرت جابر رضی بن زید کے قول کو مان لیتے تو اللہ تعالیٰ کی کتاب کا علم ان کے پاس وسیع پاتے اور ان سے یہ بھی مروی ہے کہ تم اپنے درمیان میں جابر رضی بن زید کے موجود ہوتے ہوئے مجھ سے دریافت کرتے ہو، حضرت عمرو بن دینار فرماتے ہیں کہ جابر رضی بن زید سے بڑھ کر علم فتویٰ کا عالم میں نے کسی کو نہیں پایا اور روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی نے ان سے طواف میں ملاقات کی اور فرمایا اے جابر تم فقہاء بصرہ میں سے ہو تمہارے پاس فتوے کے لیے سوالات آتے ہیں لہٰذا تم بجز قرآن ناطق یا سنت ماضیہ کے فتویٰ نہ دینا اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم ہلاک ہو جاؤ گے اور لوگوں کو بھی ہلاک کرو گے سنہ ۹۳ھ میں وفات پائی۔

(۵) حضرت محمد رضی بن سیرین حضرت انس رضی بن مالک کے مولیٰ۔ آپ حضرت عثمان رضی کی خلافت کے دو سال باقی رہنے کے وقت پیدا ہوئے تھے اپنے مولا حضرت انس رضی اور حضرات ابوہریرہ و ابن عباس و ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی سب ثقہ امام وسیع العلم مستند

قابل وثوق اور تعبیر خواب میں علامہ تھے زہد میں سربرآوردہ تھے، مورق عجلی فرماتے ہیں کہ میں نے پرہیزگاری میں ان سے زیادہ فقیہ کسی نہ پایا اور نہ فقہ میں ان سے زیادہ کوئی پرہیزگار پایا سنہ ۱۱۰ھ میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے پورے ایک سو دن کے بعد وفات پائی۔

(۶) حضرت قتادہ بن دعامہ دوسیؒ، آپ نے حضرات انسؓ و سعیدؒ بن مسیب وغیرہما سے روایت کی ہے نابینا تھا۔ حافظ قوی تھا، ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ قتادہ لوگوں میں سب سے زیادہ حافظ تھے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی نہیں کہ میں نے اس کے بارے میں کچھ نہ سنا ہو حضرت امام احمدؒ بن حنبل فرماتے ہیں کہ قتادہؒ سے زیادہ تفسیر کا عالم میں نے کسی کو نہیں پایا اور اختلاف علماء کے وہ ماہر تھے اور انہوں نے حفظ اور فقہ میں ان کی تعریف کی ہے اور ان کا ذکر بہت تفصیل سے کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مرتبے میں ان سے آگے بڑھنے والے بہت کم پاؤ گے، اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بیس سال کا عرصہ ہوا کہ اپنی رائے سے فتویٰ نہیں دیا اور حفظ کے علاوہ وہ عربیت اور لغت اور ایام عرب والنساب کے ماہر تھے سنہ ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔

مفتیان شام

(۱) حضرت عبدالرحمٰن بن غنم اشعری، آپ نے حضرات عمر و معاذ وغیرہما رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے ان کو شام کی طرف روانہ کیا تھا تاکہ وہاں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں اور شام کے تابعین نے انہی سے علم فقہ حاصل کیا عظیم القدر سچے اور فاضل تھے سنہ ۷۸ھ میں وفات پائی۔

(۲) حضرت ابوادریس خولانی عائذ اللہ بن عبداللہ، آپ علم و عمل کے جامع لوگوں میں سے تھے حضرت معاذؓ بن جبل اور بہت سے صحابہؓ سے علم حاصل کیا اہل دمشق کے قاضی اور ان کے واعظ اور قصہ خوان تھے حضرت زہریؒ فرماتے ہیں کہ وہ شام کے فقہاء میں سے تھے اور سنہ ۸۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت قبیصہ بن ذویب، | آپ خلیفہ عبدالملک کی مہر کے محافظ تھے حضرات ابوبکر و عمر وغیرہما رضی اللہ عنہم سے روایت کی حضرت زہریؒ فرماتے ہیں کہ قبیصہ اس امت کے علماء میں تھے اور حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر عالم نہیں پایا اور حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ قبیصہ حضرت زیدؓ بن ثابت کی قضا کو سب سے زیادہ جانتے ہیں ۸۶ھ میں وفات پائی۔

(۴) حضرت مکحولؒ بن ابی مسلم | یہ ہذیل کی ایک عورت کے مولیٰ تھے اور ان کی اصل کابل سے تھی چھوٹے صحابہؓ سے روایت کرنے اور بڑے صحابہؓ پر تدلیس کرتے تھے یعنی ان کے درمیان کے واسطوں کو چھوڑ کر بڑے صحابہؓ سے روایت بتایا کرتے تھے۔ طلب علم میں بہت سفر کیے حتیٰ کہ اس کا حصہ وافر حاصل کیا حضرت زہریؒ نے فرمایا کہ علماء تین ہیں پھر انہیں میں مکحول کا ذکر بھی فرمایا اور حضرت ابوحاتمؒ فرماتے ہیں کہ اہل شام میں مکحول سے بڑا فقیہ میں نے کسی کو نہیں پایا۔ ۱۱۳ھ میں وفات پائی۔

(۵) حضرت رجاء بن حیاۃ کندیؒ، | آپ اہل شام کے شیخ تھے اور حکومت کے رکن تھے حضرات معاذؓ و عبداللہ بن عمر و جابر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی، حضرت مطرؒ وراق فرماتے ہیں کہ میں نے شامیوں میں ان سے زیادہ فقیہ کسی کو نہ پایا اور حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ رجاء اہل شام کے سردار تھے اور ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ فاضل اور قابلِ اعتماد و کثیر العلم تھے ۱۱۲ھ میں وفات پائی۔

(۶) حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز بن مروان، | وہ بنی امیہ کے آٹھویں خلیفہ تھے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، مصر میں نشوونما پائی۔ اور حضرت انسؓ بن مالک اور اکثر تابعینؒ سے علم حاصل کیا، امام فقیہ مجتہد، سنت کے جاننے والے، بڑی شان کے بزرگ، صاحب وثوق، صاحب دلیل، حافظ اللہ تعالیٰ کے مطیع، خشوع کرنے والے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے عدل میں حضرت عمرؓ بن الخطاب کے مشابہ تھے اور زہد میں حضرت حسن بصریؒ کے اور علم میں حضرت زہریؒ کے برابر تھے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ہم ان کو سکھلانے آتے تھے اور اس وقت تک ان کے پاس رہے کہ ہم خود ان سے سیکھنے لگے ۱۰۱ھ میں

وفات پائی۔

مفتیان مصر

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے روزہ دار عبادت گزار تھے اللہ کی کتاب پڑھنے والے اور علم طلب کرنے والے تھے۔ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی علم کی کتابیں لکھیں حضرت ابوہریرہؓ ان کے کثرت علم کا اعتراف کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا پرہیز گار تھے اور اپنی حالت پر غور کیا کرتے تھے اور اپنے والد کو فتنہ میں شریک ہونے پر ملامت کیا کرتے تھے اور اس میں عدم شرکت کو نافرمانی کے خوف سے گناہ سمجھتے تھے اسی لیے صفین میں شریک ہوتے اگرچہ تلوار نہیں چلائی اور اہل کتاب کی بہت سی کتابیں حاصل کی تھیں اور اس میں غور تامل کیا تھا اور اس میں عجیب معلومات حاصل کیں تھیں، مصریوں نے آپ سے بہت علم حاصل کیا مصر میں ۶۵ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابوالخیر مرثد بن عبداللہ یزنی مفتی مصر، آپ نے حضرات ابوایوب انصاری اور ابوبصرہ غفاری اور عقبہ عامر جہنی رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور آخر الذکر اور حضرت عبداللہ عمر بن رضی اللہ عنہم سے علم فقہ حاصل کیا ابن یونس کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں اہل مصر کے مفتی تھے ۹۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) یزید بن ابی حبیب مولی ازد، اگرچہ آپ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کی ہے لیکن ان کی اکثر روایت تابعین رضی اللہ عنہم سے ہے ابوسعید بن یونس کہتے ہیں کہ وہ اہل مصر کے مفتی تھے اور حلیم اور عاقل تھے اور انہیں نے سب سے پہلے مصر میں علم کا چرچا پھیلایا اور مسائل اور حلال و حرام کو ظاہر کیا حالانکہ اس سے پہلے ترغیب اور جنگوں اور فتنوں کی احادیث بیان کی جاتی تھیں لیث بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ یزید ہمارے عالم اور ہمارے سردار تھے اور کہا جاتا ہے کہ یزید ان تینوں میں سے ایک تھے جن کو حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے مصر میں فتوے کی اجازت دی تھی اور وہ بربری

الاصل تھے ان کے والد دنقلہ کے رہنے والے تھے اور مصر میں نشو و نما پائی اور جب کبھی کسی خلیفہ کی بیعت کی جاتی تو سب سے پہلے عبداللہ بن ابی جعفر اور یزید بن ابی حبیب بیعت کیا کرتے تھے، ابن لہیعہ فرماتے ہیں کہ یزید بیمار ہوئے تو حوثرہ بن سہیل حاکم مصر نے ان کی عیادت کی اور فرمایا اے ابو رجاء تمہارا کیا فتویٰ ہے اس کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے جس میں مچھروں کا خون ہو تو انہوں نے اپنا چہرہ پھیر لیا اور کچھ جواب نہ دیا تو وہ کھڑے ہو گئے تو یزیدؒ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا کہ تو روزانہ ایک خلق کو قتل کرتا ہے اور مجھ سے مچھروں کے خون کے بارے میں دریافت کرتا ہے اور حضرت سعیدؒ بن عفیر فرماتے ہیں کہ زبان بن عبدالعزیز نے حضرت یزیدؒ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرے پاس آئیں تاکہ میں آپ سے علم کے بارے میں کچھ دریافت کروں تو انہوں نے جواب کہلا بھیجا کہ بلکہ تم میرے پاس آؤ کیونکہ میرے پاس تمہارا آنا تمہارے لیے زینت کا باعث ہو گا اور تمہارے پاس میرا آنا میرے لیے عیب کا باعث ہو گا۔ ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔

مفتیان یمن

(۱) حضرت طاؤس بن کیسان جندیؒ، ان لڑکوں میں سے تھے جو جنگ میں گرفتار ہوئے ہیں آپ نے حضرات زید بن ثابت و عائشہ صدیقہؓ و ابوہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں اور علم و عمل میں چوٹی کے لوگوں میں سے تھے حضرت عمرو بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں نے طاؤسؒ کے مثل کسی کو نہیں دیکھا اور قیسؒ بن سعید فرماتے ہیں کہ طاؤسؒ ہم میں ایسے تھے جیسے اہل بصرہ میں ابن سیرینؒ اور ذہبیؒ نے فرمایا کہ طاؤسؒ اہل یمن کے شیخ تھے اور ان کے فقیہ اور ان کے لیے باعث برکت تھے جلیل القدر تھے اور حج بہت زیادہ کیے تھے اسی لیے ان کی موت بھی مکہ میں ۱۰۶ھ میں واقع ہوئی تھی۔

(۲) حضرت وہب بن منبہ صنعانی۔ عالم اہل یمن تھے آپ نے حضرات ابن عمر و ابن

عباس و جابر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور ان کے پاس اہل کتاب کے علم کا کافی ذخیرہ تھا کیونکہ اس طرف انہوں نے توجہ کی تھی اور بالغ نظری سے کام لیا تھا۔ عجلی فرماتے ہیں کہ وہ مستند تابعی اور قاضی تھے ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔

(۳۰) حضرت یحییٰ بن ابی کثیر مولی طی، | آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک اور اکثر تابعین سے روایت کی حضرت شعبہؒ فرماتے ہیں کہ وہ حدیث میں زہری سے زیادہ اچھے تھے اور حضرت احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر کبھی امام زہریؒ ان کی مخالفت کریں تو حضرت یحییٰؒ کا قول معتبر ہوگا ۱۲۹ھ میں وفات پائی۔

یہ لوگ جن کے ہم نے نام لکھے ہیں اس دور میں وہ جلیل القدر حضرات تھے جو لوگوں میں فتوے دیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی روایت کرتے تھے اور لوگوں میں یہ طریقہ نہ تھا کہ کسی معین فقہ کی طرف منسوب ہوں کہ اس نے جو روایت یا رائے بیان کی ہو اس پر عمل کیا جائے بلکہ مختلف شہروں میں یہ مفتی فقہ اور روایت حدیث سے مشہور تھے تو فتویٰ مانگنے والا ان میں سے جس کے پاس چاہتا جاتا اور جو واقعہ اس کو پیش آیا اس کے متعلق دریافت کرتا تو وہ اس کو فتویٰ دے دیتا اور ایسا بھی ہوتا کہ وہ دوبارہ کسی اور مفتی کے پاس جاتا اور شہروں کے قاضی لوگ کا فیصلہ انہی امور کے لحاظ سے کرتے تھے جو کتاب اللہ یا اس کے رسول کی سنت سے معلوم ہوتا یا اس رائے سے جو ان پر ظاہر ہوتی اور بسا اوقات وہ اپنے شہر کے مشہور مفتیوں سے فتویٰ طلب کرتے اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ استفتا خلیفہ وقت کے پاس بھیجتے اور جو واقعہ پیش آیا اس کے متعلق دریافت کرتے چنانچہ حضرت عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن عبدالعزیز کے زمانہ میں اکثر ایسا ہوا۔

اس زمانہ میں ایک فرقہ پیدا ہوا جس کو مورخین نے خوارج کے نام سے موسوم کیا ہے اور ان کی اصل وہ جماعت ہے جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان پر خروج کیا تھا کیونکہ انہوں نے ان امور کی بناء پر جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سرزد ہوئی تھیں ان کی مخالفت کی اور اسی بناء پر انہوں نے ان پر خروج کو جائز قرار دیا تھا پھر انہوں نے ان کو شہید کیا اور

جب انہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کی تو حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے درمیان معاملہ کی شدت کا سبب اکثر یہی لوگ تھے حتیٰ کہ انجام کار دونوں جماعتوں کے درمیان جو عالم اسلامی کے منتخب اور برگزیدہ لوگ تھے میدان صفین میں جنگ عظیم کا باعث ہے اور جب حضرت معاویہؓ اور ان کے اصحاب نے تحکیم کی دعوت دی تو پہلے تو اس پر راضی ہو گئے پھر اس کے بعد ان پر عیب لگایا اور کہا کہ یہ تو کفر ہے اس لیے کہ (لا حکم الا للہ) یعنی اللہ کے سوا کسی کو حکم کا اختیار نہیں) اور اس کلمہ کو انہوں نے اپنا شعار یعنی علامت قرار دے لیا حتیٰ کہ جس کی رائے خوارج کی رائے سے مشابہت رکھتی تو اس کو کہا جاتا کہ یہ تو وہ "حکم" ہیں (یعنی لاحکم اللہ الا کہنے والے ہیں) اور ان کے اور حضرت علیؓ کے درمیان بہت سخت تقریریں ہوئیں پھر انہوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کی اور حضرت علیؓ نے بھی ان سے جنگ کی جس سے حضرت علیؓ کا مرکز اپنے اس خصم کے مقابلہ میں کمزور ہو گیا جو ایک انتہائی فرمانبردار لشکر تھا اور انجام کار انہی خارجیوں میں سے ایک کے ہاتھ سے آپ کی شہادت واقع ہو گئی جس کا نام عبدالرحمٰن بن ملجم تھا اور اسی وقت سے ایک خاص فرقہ ممتاز شخصیت والا پیدا ہو گیا جو "شراۃ" کے نام سے مشہور تھا اور یہ نام اللہ تعالیٰ کے اس قول سے لیا۔

ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ	اور بعض آدمی ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتے

ہیں اور ان کا عام اصول حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی محبت اور حضرات عثمانؓ و علیؓ و معاویہ رضی اللہ عنہم سے برائت پر مبنی تھا اس لیے کہ حضرت عثمانؓ نے ان کی مخالفت کی تھی اور حضرت علیؓ تحکیم پر راضی ہوئے تھے اور حضرت معاویہؓ ان کی رضا مندی کے بغیر ان پر حاکم بن گئے تھے۔

اور اسی سے خلافت کے متعلق ان کا یہ اصول معلوم ہوا کہ امر خلافت امت کے حوالہ ہے وہ جس کو چاہے اور جس خاندان سے چاہے منتخب کرے اور خلافت کے لیے قریش کی خصوصیت کے منکر تھے اور اس امر کے قائل تھے کہ خلیفہ کی اطاعت سوا اس دائرہ

حدود کے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کتاب میں یا اس کے رسول کی سنت متبعہ میں معین ہے، واجب نہیں اور اگر اس نے اس دائرہ کی مخالفت کی تو پھر وہ اس سے بری ہیں اور اس کی مخالفت واجب ہو گئی اور وہ لوگ کافر اور فاسق کے درمیان کچھ فرق نہیں سمجھتے تھے بلکہ ہر وہ شخص جو حدود الٰہی سے تجاوز کرے وہ ان کے نزدیک فاسق ہے اور فاسق ہی کافر ہے اور ظاہر قرآن سے ان کی تائید ملتی ہے اور اسی لیے وہ لوگ ہر اس شخص کو جس نے حضرت معاویہ کی حمایت کی اور حضرت علی و عثمان رضی اللہ عنہم سے بیزاری ظاہر نہیں کی اس کو ملت سے خارج سمجھتے تھے حالانکہ جمہور امت یہی لوگ تھے (یعنی حضرت معاویہ کی حمایت کرنے والے اور حضرات علیؓ و عثمانؓ سے بیزاری نہ کرنے پر والے) تو ان خارجیوں نے اسی جمہور امت سے جنگ کی اور جنگ کو جائز قرار دیا اور ان میں بڑے بڑے زعماء تھے جنہوں نے ان کو خلفاء جمہور سے جنگ کے لیے ابھارا اور یہ سب محض اسی وجہ سے ہوا کہ دین کے معاملہ میں ان کی رائیں شدید تھیں اور وہ لوگ ظاہر قرآن کو لیتے تھے اور سنت سے صرف انہی کی احادیث کو قبول کرتے تھے جن کو وہ دوست سمجھتے تھے اور اس بارہ میں ان کی مستند احادیث وہ تھیں جو شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے زمانہ کی احادیث مشہور تھیں اور ان میں بڑے بڑے علماء اور مفتی تھے جن کی طرف وہ رجوع ہوتے تھے مگر جمہور پر ان کی شدت اور ان کے بارہ میں ان کا عقیدہ جمہور امت کو ان سے متنفر کرانے کا باعث بنا اسی لیے ہر وہ شخص جس پر اس کا شبہ ہوتا تھا کہ اس کی رائے خوارج کی رائے کے مطابق ہے تو اس سے روایت نہ کرتے تھے اگرچہ وہ محدث ہو اور نہ ان سے فتویٰ لیتے تھے اگرچہ وہ مفتی ہو باوجودیکہ یہ خوارج تمام فرقوں میں جھوٹ سے زیادہ بچنے والے تھے کیونکہ وہ جھوٹ کو کفر سمجھتے تھے اور ان سے نفرت کی وجہ سے بعض ائمہ حدیث نے حضرت عکرمہؒ کی حضرت ابن عباسؓ سے روایت کو ساقط الاعتبار قرار دے دیا چنانچہ حضرات مالکؒ بن انس اور مسلمؒ بن الحجاج نے ان کی کوئی روایت نہیں بیان کی کیونکہ ان پر خوارج کی رائے رکھنے کا شبہ تھا اور بعض ائمہ نے خوارج کے فقیہ اور شاعر عمران بن خطان کی روایت کو اسی بناء پر ضعیف قرار دیا ہے لیکن

خود خوارج میں زیادہ عرصہ تک اتحاد باقی نہ رہا بلکہ جمہور کے بارے میں ان کے رائیوں میں اختلاف کی بنا پر تفرقہ پیدا ہونے لگی اور ان کی شدت دولت بنی امیہ کے زمانہ میں اور دولت عباسیہ کے شروع زمانہ تک رہی۔

اور فرقہ شیعہ بھی اسی زمانہ میں پیدا ہوا جو حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ان کے اہل بیت کی محبت پر قائم رہا اور ان کی وہ اصل جو ان کے تمام فرقوں میں مسلم ہے یہ ہے کہ خلافت حضرت علیؓ کا حق ہے جس کے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی وجہ سے مستحق ہوئے اور اسی لیے وہ ان کو وصی کہا کرتے تھے اور یہ کہ ان کے بعد خلافت اس کا حق ہے جو ان کی اولاد سے ہو ان سے خلافت کو بجز ظالم و غاصب کے کوئی نہیں نکال سکتا اور اسی وجہ سے ان میں سے بعض کو حضرات شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) پر نکتہ چینی کا موقع ملا کیونکہ ان کی رائے میں انہوں نے حضرت علیؓ کا حق غصب کیا تھا اور ان لوگوں نے امامت کو ان کے بعد ان کے لڑکے حضرت حسنؓ پھر ان کے دوسرے صاحبزادہ حسینؓ کے لیے مخصوص قرار دیا اور اس میں ان کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہیں البتہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد وہ دو فرقوں میں بٹ گئے ایک نے تو محمد بن حنفیہ کو مستحق امامت قرار دیا کیونکہ وہ حضرت حسینؓ کے بعد ان کے سب سے بڑے لڑکے تھے اور ان لوگوں کا لقب کیسانیہ ہوا، اور انہی محمد کا نام اس ہنگامہ میں لیا جاتا ہے جس کو مختار بن ابی عبید ثقفی نے بنی امیہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف اٹھایا تھا اور انہی کو وہ مہدی بھی کہا جاتا تھا اور اس ہنگامہ کی روح کو دین سے کوئی تعلق نہ تھا جیسے خوارج کی روح کو دین سے کوئی سروکار نہ تھا بلکہ دنیوی تعلق تھا اور اسی لیے انہوں نے اپنی اغراض حاصل کرنے کے لیے جھوٹ کو حلال کر لیا تھا، اور بعض شیعہ نے خلافت کو صرف اولاد فاطمہؓ میں منحصر کر رکھا ہے چنانچہ ان کے خیال کے مطابق حضرت حسینؓ کے بعد ان کے صاحبزادے علی زین العابدینؒ امامت کے مستحق ہوئے جو اس زمانہ کے فقہاء میں سے تھے اور جب ان کا وصال ہوا ہے تو ان کے دو لڑکے تھے ایک محمد بن علی جن کو باقر کہا جاتا ہے اور دوسرے زید بن علی تو حضرت

حضرت باقر کو امام قرار دیا اور ان کی وفات کے بعد دو فرقے ہوگئے ایک نے تو زید بن علی کو امام قرار دیا اور یہی "زیدیہ" کہلاتے اور ان میں سے بعض باقرؒ کی اولاد کی محبت پر قائم رہے اور امام کو ان کے صاحب زادے جعفر صادقؒ کی طرف منتقل کیا اور امامت کے متعلق زیدیہ کی ایک خاص رائے تھی کہ وہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے بیزاری کا اظہار نہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ حاکم ہوئے اور انہوں نے عدل سے کام لیا اور یہ کہتے تھے کہ امامت حضرت علیؓ کی اس اولاد میں ہے جو فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہو لیکن امام کا تعین اس کی صفات سے ہوتا ہے اور اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ وہ وصیت میں نام کے ساتھ معین کیا جائے جیسے کہ جعفریہ کہتے ہیں اسی لیے ان کی رائے تھی کہ اولاد علیؓ میں سے جو شخص اپنی امامت کی طرف دعوت دے اور وہ صفات امامیہ کا حامل ہو تو اس کی اتباع اور اس کی مدد واجب ہے اور اسی لیے حضرت زیدؒ بن علیؓ کے ساتھ ان کے اس ہنگامے میں شریک ہوئے جو ہشام بن عبد الملک کے زمانہ میں انہوں نے اٹھایا تھا اور جب وہ شہید ہو گئے تو ان کے صاحب زادے یحیٰی کے ساتھ کھڑے ہوئے پھر محمد مہدی کے ساتھ جو نفس زکیہ کے نام سے مشہور تھے جو عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علی کے فرزند تھے جنہوں نے منصور عباسی کے خلاف حکومت عباسیہ کے شروع میں بغاوت کی تھی۔

اس دور میں تین فرقے تھے جن کی اصل تشیع تھی اور وہ کیسانیہ اور امامیہ زیدیہ اور امامیہ جعفریہ تھے اور ہر گروہ اپنا علم اور اپنا دین اسی سے سیکھتا تھا جس کی نسبت اس کے امام کی طرف ہوتی تھی اور جو ان کی موافقت کریں اور ان ائمہ کے بارے میں ان کے اعتقادات مختلف تھے جو اعتدال اور غلو کے لحاظ سے مختلف تھے اور بعضوں نے حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت کی تائید میں اس قدر غلو کیا کہ بہت سی ایسی احادیث روایت کیں کہ ائمہ جمہور کو ان میں

کوئی شک نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کی نسبت جھوٹی ہے اسی لیے انہوں نے ہر غلو کرنے والے شیعہ یا شیعت کی تبلیغ کرنے والے کی روایت قبول کرنے میں اسی طرح توقف کیا جس طرح غلو کرنے والے خوارج کی روایت قبول کرنے میں توقف کیا۔

چوتھا دور

دوسری صدی کی ابتدا سے چوتھی صدی کے نصف تک کی فقہ اور یہی زمانہ احادیث و فقہ کی تدوین اور ان بڑے ائمہ کے ظہور کا زمانہ ہے جن کی قیادت کا جمہور نے اعتراف کیا۔

سیاسی پس منظر

اس دور میں وہ خفیہ سیاسی جماعت کامیاب ہوگئی جو بنی امیہ سے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب خلافت کو منتقل کرنا چاہتی تھی چنانچہ خلافت بنی عباس بن عبدالمطلب میں چلی گئی اور ان میں سب سے پہلا خلیفہ ابوالعباس عبداللہ سفاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس تھا اور عباسیوں نے بنی امیہ کی مخالفت میں اس شدت سے کام لیا کہ تاریخ میں کوئی آدمی اس شدت کا نہیں پایا جاتا اور انتہائی بے رحمانہ اور وحشیانہ اعمال کے مرتکب ہوئے جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ فارس کے رہنے والے اپنے موافقین اور مددگاروں کو خوش کریں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ بنی امیہ کے عمائدین میں سے ایک شخص کے فرار کا موجب بنے جس نے بلاد اندلس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا اور وہاں ایک بڑی سلطنت قائم کی جو بنی امیہ سے مستقلاً جدا رہی اور اسلامی سطح میں یہ سب سے پہلی تقسیم لیکن یہ تبدیلی ان کے چچازاد بھائیوں کو جو اولاد علیؓ بن ابی طالب سے تھے نہ بھائی جو اپنے کو ہر خاندان سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے اس خلافت کو اپنے لیے حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کیا یا یہ کہ اس کی صفائی کو ان کے دشمنوں کے لیے مکدر کر دیں چنانچہ علویین میں سے پہلے ہنگامہ برپا کرنے والے اٹھے پھر اولاد حسنؓ

میں سے محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی اور وہ منصور سے اپنا مقصد حاصل کر لیتے اگرچند غلطیاں اور سوء اتفاقیاں پیش نہ آتیں جو ان کا مدینہ منورہ میں اور ان کے بھائی ابراہیم کا بصرہ اور کوفہ کے درمیان خاتمہ نہ کر دیتیں۔

پھر دوسرا ہنگامہ اس کے پوتے موسیٰ ہادی بن محمد مہدی بن ابی جعفر کے مقابلہ میں اطراف مکہ میں اٹھا اور باغی اپنا مقصد حاصل کیے بغیر مارا گیا اور میدانِ جنگ سے محمد نفس زکیہ کے بھائی ادریس بن عبداللہ بھاگ گئے اور مغرب اقصی کی طرف چلے گئے اور بربر میں خلافت اسلامیہ کی بنیاد ڈالی اور یہ دوسرا حصہ تھا جو خلافت عباسیہ سے قطع ہوا اور یہی خلافت ادریسیہ کہلائی۔

اور اسی طرح ان کے بھائی یحییٰ بن خالد بن برمک کے بلاد دیلم میں بھاگ گئے جن کا اتباع ایک بڑی نے کیا لیکن رشید نے ان یحییٰ پر فضل بن یحییٰ بن خالد بن برمک کے ذریعہ سیاسی چالوں سے مدد لیکر اس کو اس کے قلعہ سے اتار لیا اور اس کو ایک امن کا معاہدہ لکھ کر دیا لیکن جب وہ اترا تو رشید نے جس بات کا وعدہ کیا تھا پورا نہ کیا۔

رشید نے دیکھا کہ اس وقت اس کو ایک ایسی مضبوط قومی حکومت کی ضرورت ہے جو مغرب میں ادریسیوں کی طماع نظروں کے سامنے دیوار بن کر کھڑی ہو سکے تو اس نے اپنے باپ سے افریقہ میں دولت اغالبہ کی بنیاد رکھی اور بلاد یمن میں امارت زیادیہ کی اور ان سب کا مقصد مختلف ممالک میں شیعہ کے مقاصد کو ناکام کرنا تھا۔

لیکن شیعہ امامیہ اتفاق کر چکے تھے کہ حضرت جعفرؒ بن محمد صادق کو خلیفہ بنائیں جو ائمہ شیعہ کے چھٹے امام تھے اور ان کے ماننے والے بہت تھے مگر انہوں نے اپنے لیے خلافت کو پسند نہیں کیا اور جب ان کی وفات ہو گئی تو ان کے ماننے والے دو فرقوں میں منقسم ہو گئے ایک نے تو ان کے لڑکے موسیٰ کاظم کو امام تسلیم کیا اور یہی موسوی کہلاتے ہیں اور انہوں نے امامت کو ان کے بعد ان کی اولاد اور ان کی نسل میں ان کے بارہویں امام تک پہنچایا اور اسی بنا پر وہ امامیہ اثنی عشریہ کہلاتے ہیں اور یہ بارہویں امام ابوالقاسم محمد عسکری بن حسن عسکری بن علی ہادی بن محمد جواد بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن

جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی ابی طالب ہیں اور شیعہ امامیہ کا دعوی ہے کہ وہ اپنے والد کی وفات کے بعد ۲۶۰ھ میں چھپ گئے اور آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور زمین جو ظلم و جور سے بھری ہوگی وہ اس کو عدل سے بھریں گے چنانچہ یہ فرقہ اس وقت تک ان کا انتظار کر رہا ہے اور دوسرے فرقہ نے حضرت اسماعیل بن جعفر صادق علیہم الرحمۃ کو امام مانا اور یہ اسماعیلیہ کے نام سے مشہور ہیں اور اس فرقہ نے پہلے فرقہ کے برعکس خلافت کے حصول کو کوشش کی، انہوں نے اپنا طریقہ کار مخفی دعوت سے شروع کیا اور اس کی تعلیمات کچھ ایسی مقرر کیں جس سے نفرت رکھنے والے لوگ بھی اس طرف مائل ہو گئے حتیٰ کہ جب ان کے ارادے پورے ہو گئے تو ان کا امام عبید اللہ المہدی بلاد افریقہ میں ظاہر ہوا جس سے دولت فاطمیہ کی ابتدا ہوئی اور یہ تمام مغرب میں غلبہ۔ تسلط کاملہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا اور یہ زمانہ ابھی ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ان کی ایک عظیم الشان اور مضبوط حکومت قاہرہ مصر مغربیہ میں قائم ہوگئی۔

دولت عباسیہ کا دارومدار دو عصبیتوں پر تھا ایک عصبیتہ عربیہ یہ ان عربوں سے متعلق تھی جو عباسی خلفاء کے ساتھ تھے اور عصبیتہ فارسیہ جو دعوت عباسیہ کے پھیلانے والے تھے خلفاء بنی عباس کی عادت تھی کہ ان دونوں فریق میں سے کسی ایک پر اگر ان کو شبہ ہو جاتا تو اس کے مقابلہ میں دوسرے فریق سے مدد لیتے حتیٰ کہ ماموں بن رشید جس کی تربیت خالص فارسی تھی اور انہی کی مدد سے وہ اپنے بھائی محمد امین پر غالب ہوا تھا یہی مناسب سمجھا کہ عربی عصبیت کو توڑ دے اور اپنی بنیاد دوسری عصبیت پر رکھے اور جب اس کا بھائی اسحاق معتصم خلیفہ ہوا تو اس نے اپنے لیے دوسری عصبیت ترک غلاموں کی بنالی جو اس کے پاس بہت زیادہ تھے اور یہی خلافت عباسیہ کے فنا کا سبب بنا کیونکہ متوکل ابن معتصم نے ان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہا تو قبل اس کے کہ وہ ان کو تمام میں ختم کردے انہوں نے اسی کو ختم کر دیا۔ اور یہ اس کے لڑکے منتصر کے نفاق سے ہوا اور اسی وجہ سے تمام خلفاء نے اس اقتدار کے سامنے جس کو معتصم نے قائم کیا تھا اپنا سر تسلیم خم کر دیا چنانچہ قریب و بعید سب پر ترکوں نے اپنا اقتدار قائم

کر لیا اور اسی ضعف کی وجہ سے مشرق میں متعدد حکومتوں کی بنیاد پڑی چنانچہ ماوراء النہر میں حکومت سامانیہ اور فارس میں دولت صفاریہ قائم ہوگئیں اور یہ زمانہ ختم نہ ہونے پایا تھا کہ بنو بویہ کھڑے ہوگئے اور انہوں نے اپنے خاندان کے لیے ایک علیحدہ حکومت قائم کی اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ خود بغداد پر جو خلافت بنی عباس کا دار الخلافہ تھا قابض ہوگئے اور بنی عباس کا بجز نام کے کچھ باقی نہ رہا اور بنی بویہ اور ان کے دیلمی حمایتیوں کا تسلط قائم ہوگیا۔

یہ اس حکومت کا حال تھا جس نے ۱۳۲ھ میں بنی امیہ سے ایک عظیم حکومت میراث میں وصول کی تھی اور ابھی ۳۳۰ھ نہیں آیا تھا کہ خلافت کا صرف نام ہی باقی رہ گیا اور عرب کا اقتدار دوسری قوموں مثلاً فارس و دیلم و ترک و بربر میں چلا گیا اور معتصم کے زمانہ سے فوج کے دفتر میں ایک عربی بھی باقی نہ رہا۔

اس دور کی خصوصیات

(۱) وسعتِ تمدن :- جب ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا تو اس نے شہر بغداد کی بنیاد ڈالی تاکہ وہ بلاد اسلامیہ کا دار الخلافہ ہے اور اس کی بناء میں اس درجہ ندرت پیدا کی کہ وہ اس زمانہ میں دنیا کے تمام شہروں پر فائق ہوگیا اور جب وہ بالکل تیار ہوگیا تو وہاں پر تمام اسلامی شہروں سے علماء کو جمع کیا اور اسی طرح ہر طرز و طریقہ کے تجار و صناعون کو جمع کیا اور اسی طرح ہر ختم نہیں ہوا تھا کہ وہ تمام شہروں میں ممتاز اور صحیح معنوں میں عروس البلاد کی دلہن بن گیا اور وہاں کے رہنے والوں کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ ہوگئی اور دجلہ کے کنارے پھیلتا چلا گیا چنانچہ مغربی کنارہ مدینۂ منصور تک اور مشرقی کنارہ مدینۂ مہدی تک وسعت پا گیا چونکہ اس کی تعمیر میں عربی و فارسی و رومی تینوں دماغوں نے کام کیا تھا اور ہر دماغ نے اختراع و ایجاد کی اپنی پوری صلاحیتیں اس پر صرف کی تھیں اس لیے بغداد حقیقت میں تمام شہروں کا سرتاج بن گیا۔

اگر آپ مملک اسلامیہ کی حدود پر نظر ڈالیں تو مغرب میں آپ کو شہر قرطبہ جو جزیرہ اندلس میں ہے نظر آئے گا جو بغداد کی برابری کا دعویدار ہے یہ شہر امیر جلیل عبد الرحمٰن بن معاویہ

چوتھا دور

دوسری صدی کی ابتدا سے چوتھی صدی کے نصف تک کی فقہ اور یہی زمانہ احادیث و فقہ کی تدوین اور ان بڑے ائمہ کے ظہور کا زمانہ ہے جن کی قیادت کا جمہور نے اعتراف کیا۔

سیاسی پس منظر

اس دور میں وہ خفیہ سیاسی جماعت کامیاب ہوگئی جو بنی امیہ سے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب خلافت کو منتقل کرنا چاہتی تھی چنانچہ خلافت بنی عباس بن عبد المطلب میں چلی گئی اور ان میں سب سے پہلا خلیفہ ابو العباس عبد اللہ سفاح بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس تھا اور عباسیوں نے بنی امیہ کی مخالفت میں اس شدت سے کام لیا کہ تاریخ میں کوئی آدمی اس شدت کا نہیں پایا جاتا اور انتہائی بے رحمانہ اور وحشیانہ اعمال کے مرتکب ہوئے جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ فارس کے رہنے والے اپنے موافقین اور مددگاروں کو خوش کریں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ بنی امیہ کے عمائدین میں سے ایک شخص کے فرار کا موجب بنے جس نے بلاد اندلس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا اور وہاں ایک بڑی سلطنت قائم کی جو بنی امیہ سے مستقلاً جدا رہی اور اسلامی سطح میں یہ سب سے پہلی تقسیم لیکن یہ تبدیلی ان کے چچازاد بھائیوں کو جو اولاد علیؓ بن ابی طالب سے تھے نہ بھائی جو اپنے کو ہر خاندان سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے اس خلافت کو اپنے لیے حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کیا یا یہ کہ اس کی صفائی کو ان کے دشمنوں کے لیے مکدر کر دیں چنانچہ علویین میں سے پہلے ہنگامہ برپا کرنے والے اٹھے پھر اولاد حسنؓ

میں سے محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی اور وہ منصور سے اپنا مقصد حاصل کر لیتے اگر چند غلطیاں اور سوء اتفاقیاں پیش نہ آتیں جو ان کا مدینہ منورہ میں اور ان کے بھائی ابراہیم کا بصرہ اور کوفہ کے درمیان خاتمہ نہ کر دیتیں۔

پھر دوسرا ہنگامہ اس کے پوتے موسیٰ ہادی بن محمد مہدی بن ابی جعفر کے مقابلہ میں اطراف مکہ میں اٹھا اور باغی اپنا مقصد حاصل کیے بغیر مارا گیا اور میدان جنگ سے محمد نفس زکیہ کے بھائی ادریس بن عبداللہ بھاگ گئے اور مغرب اقصیٰ کی طرف چلے گئے اور بربر میں خلافت اسلامیہ کی بنیاد ڈالی اور یہ دوسرا حصہ تھا جو خلافت عباسیہ سے قطع ہوا اور یہی خلافت ادریسیہ کہلائی۔

اور اسی طرح ان کے بھائی یحییٰ بن خالد بن برمک کے بلاد دیلم میں بھاگ گئے جن کا اتباع ایک بڑی نے کیا لیکن رشید نے ان یحییٰ پر فضل بن یحییٰ بن خالد بن برمک کے ذریعہ سیاسی چالوں سے مرد لیکر اس کو اس کے قلعہ سے اتار لیا اور اس کو ایک امن کا معاہدہ لکھ کر دیا لیکن جب وہ اترا تو رشید نے جس بات کا وعدہ کیا تھا پورا نہ کیا۔

رشید نے دیکھا کہ اس وقت اس کو ایک ایسی مضبوط قومی حکومت کی ضرورت ہے جو مغرب میں ادریسیوں کی طماع نظروں کے سامنے دیوار بن کر کھڑی ہو سکے تو اس نے اپنے باپ سے افریقہ میں دولت اغالبہ کی بنیاد رکھی اور بلاد یمن میں امارت زیادیہ کی اور ان سب کا مقصد مختلف ممالک میں شیعہ کے مقاصد کو ناکام کرنا تھا۔

لیکن شیعہ امامیہ اتفاق کر چکے تھے کہ حضرت جعفرؒ بن محمد صادق کو خلیفہ بنائیں جو ائمہ شیعہ کے چھٹے امام تھے اور ان کے ماننے والے بہت تھے مگر انہوں نے اپنے لیے خلافت کو پسند نہیں کیا اور جب ان کی وفات ہو گئی تو ان کے ماننے والے دو فرقوں میں منقسم ہو گئے ایک نے تو ان کے لڑکے موسیٰ کاظم کو امام تسلیم کیا اور یہی موسوی کہلاتے ہیں اور انہوں نے امامت کو ان کے بعد ان کی اولاد اور ان کی نسل میں ان کے بارہویں امام تک پہنچایا اور اسی بنا پر وہ امامیہ اثنی عشریہ کہلاتے ہیں اور یہ بارہویں امام ابوالقاسم محمد عسکری بن حسن عسکری بن علی ہادی بن محمد جواد بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن

جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی ابی طالب ہیں اور شیعہ امامیہ کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنے والد کی وفات کے بعد ۲۶۰ھ میں چھپ گئے اور آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور زمین جو ظلم وجور سے بھری ہوگی وہ اس کو عدل سے بھریں گے چنانچہ یہ فرقہ اس وقت تک ان کا انتظار کر رہا ہے اور دوسرے فرقہ نے حضرت اسماعیل بن جعفر صادق علیہم الرحمۃ کو امام مانا اور یہ اسماعیلیہ کے نام سے مشہور ہیں اور اس فرقہ نے پہلے فرقہ کے برعکس خلافت کے حصول کو کوشش کی، انہوں نے اپنا طریقہ کار مخفی دعوت سے شروع کیا اور اس کی تعلیمات کچھ ایسی مقرر کیں جس سے نفرت رکھنے والے لوگ بھی اس طرف مائل ہو گئے حتیٰ کہ جب ان کے ارادے پورے ہو گئے تو ان کا امام عبید اللہ المہدی بلاد افریقہ میں ظاہر ہوا جس سے دولت فاطمیہ کی ابتدا ہوئی اور یہ تمام مغرب میں غلبہ۔ تسلط کاملہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا اور یہ زمانہ ابھی ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ان کی ایک عظیم الشان اور مضبوط حکومت قاہرہ مصر مغربیہ میں قائم ہو گئی۔

دولت عباسیہ کا دارومدار دو عصبیتوں پر تھا ایک عصبیتہ عربیہ یہ ان عربوں سے متعلق تھی جو عباسی خلفاء کے ساتھ تھے اور عصبیتہ فارسیہ جو دعوت عباسیہ کے پھیلانے والے تھے خلفاء بنی عباس کی عادت تھی کہ ان دونوں فریق میں سے کسی ایک پر اگر ان کو شبہ ہو جاتا تو اس کے مقابلہ میں دوسرے فریق سے مدد لیتے حتیٰ کہ ماموں بن رشید جس کی تربیت خالص فارسی تھی اور انہی کی مدد سے وہ اپنے بھائی محمد امین پر غالب ہوا تھا یہی مناسب سمجھا کہ عربی عصبیت کو توڑ دے اور اپنی بنیاد دوسری عصبیت پر رکھے اور جب اس کا بھائی اسحاق معتصم خلیفہ ہوا تو اس نے اپنے لیے دوسری عصبیت ترک غلاموں کی بنالی جو اس کے پاس بہت زیادہ تھے اور یہی خلافت عباسیہ کے فنا کا سبب بنا کیونکہ متوکل ابن معتصم نے ان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہا تو قبل اس کے کہ وہ ان کو تمام میں ختم کر دے انہوں نے اسی کو ختم کر دیا۔ اور یہ اس کے لڑکے منتصر کے نفاق سے ہوا اور اسی وجہ سے تمام خلفاء نے اس اقتدار کے سامنے جس کو معتصم نے قائم کیا تھا اپنا سر تسلیم خم کر دیا چنانچہ قریب و بعید سب پر ترکوں نے اپنا اقتدار قائم

کر لیا اور اسی ضعف کی وجہ سے مشرق میں متعدد حکومتوں کی بنیاد پڑی چنانچہ ماوراء النہر میں حکومت سامانیہ اور فارس میں دولت صفاریہ قائم ہوگئیں اور یہ زمانہ ختم نہ ہونے پایا تھا کہ بنو بویہ کھڑے ہوگئے اور انہوں نے اپنے خاندان کے لیے ایک علیحدہ حکومت قائم کی اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ خود بغداد پر جو خلافت بنی عباس کا دارالخلافہ تھا قابض ہو گئے اور بنی عباس کا بجز نام کے کچھ باقی نہ رہا اور بنی بویہ اور ان کے دیلمی حمایتیوں کا تسلط قائم ہوگیا۔

یہ اس حکومت کا حال تھا جس نے ۱۳۲ھ میں بنی امیہ سے ایک عظیم حکومت میراث میں وصول کی تھی اور ابھی ۳۳۰ھ نہیں آیا تھا کہ خلافت کا صرف نام ہی باقی رہ گیا اور عرب کا اقتدار دوسری قوموں مثلاً فارس و دیلم و ترک و بربر میں چلا گیا اور معتصم کے زمانہ سے فوج کے دفتر میں ایک عربی بھی باقی نہ رہا۔

اس دور کی خصوصیات

(۱) وسعتِ تمدن، جب ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا تو اس نے شہر بغداد کی بنیاد ڈالی تاکہ وہ بلاد اسلامیہ کا دارالخلافہ ہے اور اس کی بناء میں اس درجہ ندرت پیدا کی کہ وہ اس زمانہ میں دنیا کے تمام شہروں پر فائق ہوگیا اور جب وہ بالکل تیار ہو گیا تو وہاں پر تمام اسلامی شہروں سے علماء کو جمع کیا اور اسی طرح ہر طرز و طریقہ کے تجار و صناعوں کو جمع کیا اور اسی طرح ہر ختم نہیں ہوا تھا کہ وہ تمام شہروں میں ممتاز اور صحیح معنوں میں عروس البلاد کی دلہن بن گیا اور وہاں کے رہنے والوں کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ ہوگئی اور دجلہ کے کنارے پھیلتا چلا گیا چنانچہ مغربی کنارہ مدینۂ منصور تک اور مشرقی کنارہ مدینۂ مہدی تک وسعت پا گیا چونکہ اس کی تعمیر میں عرب و فارسی و رومی تینوں دماغوں نے کام کیا تھا اور ہر دماغ نے اختراع و ایجاد کی اپنی پوری صلاحیتیں اس پر صرف کی تھیں اس لیے بغداد حقیقت میں تمام شہروں کا سرتاج بن گیا۔

اگر آپ ممالک اسلامیہ کی حدود پر نظر ڈالیں تو مغرب میں آپ کو شہر قرطبہ جو جزیرہ اندلس میں ہے نظر آئے گا جو بغداد کی برابری کا دعویدار ہے یہ شہر امیر جلیل عبدالرحمٰن بن معاویہ

بانی دولت امویہ اندلس کا پایۂ تخت ہے۔ اور اگر آپ افریقیہ کی طرف متوجہ ہوں تو آپ کو شہر قیروان ملے گا جس کو افریقیہ رومانیہ کے شہروں کی عظمت ترکہ میں ملی ہے اور ان کا حسن و جمال وہاں منتقل ہوا ہے ایسے ہی شہر فسطاط پاؤ گے جو مصر کا دار الخلافہ ہے جس کی عظیم الشان مسجدیں علماء کے اجتہاد و استنباط اور عظیم الشان علمی یادگاروں کی امین ہیں انہی علماء میں سے عام لوگوں کے سامنے ائمہ مجتہدین کے فقہ اور ان کے اختلاف کو واضح کیا اصحاب امام مالک میں ابن وہب اور ابن قاسم جیسا کون ہوگا اور اصحاب شافعی میں ربیع ومزنی جیسا کون ہوگا اور جامع فسطاط نے ہی امام شافعی کے علم کو ظاہر کیا اور اصحاب ابوحنیفہ میں ابوجعفر طحاویؒ کے مثل کون ہے؟ یہ تمام فسطاط کی بہترین یادگاریں ہیں اس شہر کے بارے میں مورخین نے جو لکھا ہے اس کے جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ اس شہر کے تمدن علم اور تجارت اور صنعت شہر بغداد سے کسی طرح کم نہ تھا پھر ذرا شہر دمشق کو دیکھو اگرچہ وہاں خلافت کی عظمت نہ رہی تاہم بنو امیہ کی عظمت جو اس کو میراث میں ملی تھی اس کا محافظ ہے اور کوفہ و بصرہ کو تو ہمیشہ ہی علماء اور حکماء کے مسکن ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ بغداد باوجود ان شہروں سے نزدیک ہونے کے اپنی عظمت سے ان کے چاند ستاروں کو ماند نہ کر سکا۔ کیونکہ بصرہ ہندوستان کی تجارت کا بڑا مرکز تھا اور کوفہ عربی عنصر کا مستقر تھا اور اگر مشرق کی طرف رخ کرو تو مرو اور نیشاپور وغیرہ بڑے شہر نظارہ دیتے نظر آئیں گے اور وسعت تمدن سے تجارت و زراعت و صناعت کے دائرہ کی وسعت لازمی ہے چنانچہ اس دور میں سب چیزیں عروج پر پہنچی ہوئی تھیں حتیٰ کہ دنیائے اسلام کا تمدن ہر تمدن پر سبقت پا چکا ہے کیونکہ وہ مختلف تمدنوں کا خلاصہ تھا۔

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ فقہ میں اس کا اثر بہت بڑا تھا کیونکہ اس منصب پر قائم رہنے والے کے لیے مختلف مسائل کی ترتیب اور وضع کرنے کی ضرورت تھی تاکہ وہ جوابات کا صحیح استنباط کر سکے۔

(۳) اسلامی شہروں میں علمی حرکت، پہلے دور کے آخر میں علمی حرکت کی ابتدا ہوئی اور اس دور میں اس نے خوب خوب ترقی کی کیونکہ قدیم تمدن کی باتیں سب مفکرین کے دماغوں میں

پہنچ چکی تھیں اور اس کے دو سبب تھے

پہلا سبب، تو یہ تھا کہ اسلام میں موالی یعنی غلام بکثرت داخل ہو چکے تھے جن میں اکثر فارسی و رومی و مصری تھے ان میں سے بعض وہ تھے جو بچپن کی حالت میں قید ہوئے اور اپنے مسلمان آقاؤں کی آغوش میں تربیت پائی اور جو علوم اسلامیہ ان کے پاس تھے اس کے وہ وارث بنے جس کی بنیاد کتاب و سنت تھی چنانچہ انہوں نے ان سے بہت کچھ حاصل کیا اور اس جماعت میں عربی عنصر کے مقابلہ میں بڑے بڑے قراء اور جلیل القدر محدثین نکلے اور ان میں بعض وہ لوگ تھے جنہوں نے بڑی اور پختہ عمر میں اسلام قبول کیا اور اس کا نتیجہ افکار کی آمیزش اور عقلوں کی پختگی ہے۔ اور اس دور کی ابتداء کے وقت ان موالی کی بڑی شان سیاست مدنی میں پیدا ہو چکی تھی کیونکہ خلافت عباسیہ کا قیام جب ہوا ہے تو دولت عباسیہ کے موالیوں کی قیادت اہل خراساں و عراق کر رہے تھے اور اسی بنا پر حکومت کے شریک ہو گئے اور اس سے ان کا علمی سیاسی اشتراک مکمل ہو گیا۔

دوسرا سبب، رومی و فارسی کی وہ کتب تھیں جن کا عربی زبان میں ترجمہ پہلے دور کے آخر میں شروع ہو چکا تھا اور اس دور میں اس کا اہتمام ابی جعفر منصور کے زمانہ سے جو خلفاء عباس کا دوسرا خلیفہ تھا اس طرف اور بھی زیادہ توجہ کی گئی اور یہ کام مامون بن رشید کے زمانہ تک تیسری صدی کی ابتداء میں ترقی کرتا رہا جو یونانی علوم اور ارسطو کے نظریات کا مداح تھا اس میں اور بھی کتابیں بکثرت شائع ہونے لگیں اور اہل کلام کی معلومات کا اصلی سبب بنیں ان متکلمین نے جن کے سر مامون کے زمانہ میں بہت اونچے ہو گئے تھے محدثین کو ان کے بلند مرتبہ سے گرانے کے قریب پہنچ گئے کیونکہ مامون ان کی جانب مائل تھا اور اسی میل کا نتیجہ مسئلہ خلق کی قرآن صورت میں ظاہر ہوا اور مامون محدثین کو اپنا عقیدہ بدلنے پر مجبور کرنے لگا اور جس شخص نے اس کے اس خط کو دیکھا ہے جو اس نے محافظ بغداد کے نام لکھا ہے وہ جانتا ہے کہ محدثین کے بارے میں متکلمین کی کیا رائے تھی رؤسا کے بارے میں لکھا تھا تو اس نے ان کو ایک ایک کر کے نام بنام لکھا ہے

اوران کے افکار پر طعن اور ان کے اخلاق پر طنز کیا ہے اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ مامون خلیفۃ المسلمین ہونے کے باوجود اس مسئلے میں غلطی پر تھا کیونکہ اس نے ایسے عقیدہ میں مداخلت کی ہے جس میں جمہور مسلمانوں کا اختلاف تھا اور اس میں اہل علم کے ایک فریق کو مجبور کیا کہ وہ اس کی رائے کو اختیار کریں جو اس کی رائے ہے یہ آزادی فکر کا روکنا ہے جس کے جواز کی کوئی دلیل نہ تھا اور جملہ اہل حدیث اہل کلام کی اس حرکت کے خلاف کھڑے ہوئے پر متفق اللسان تھے اور جمہور ان کے ساتھ تھے چنانچہ انہوں نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی اور اسی لیے ہمارے اہل کلام کے درمیان تعلق منقطع نظر آتا ہے بجز ان امور کے جن کو اہل حدیث ان سے نقل کرتے ہیں، لیکن خود انہوں نے جن امور کو لکھا ہے ان میں سے ہم کسی کا اثر نہیں پاتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس دور کی فقہ سازی میں ان کو بڑا موقع ملا عنقریب ان کے مناظرات کا ذکر آئے گا جو انہوں نے سنت اور قیاس کے بارے میں کیا ہے اور مشہور متکلمین کے سردار عمرو بن عبید متوفی ۱۴۴ھ اور ابو الہذیل علاف متوفی ۲۳۵ھ اور عمرو بن بحر جاحظ متوفی ۲۵۵ھ ہیں۔

(۳) حفاظ قرآن کریم کی زیادتی اور اس کے حسن ادا کی طرف توجہ، اس دور میں حفاظ قرآن کریم بہت زیادہ ہوتے اور تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے جیسا کہ اس کی تحریر پھیل گئی تھی مگر ہر خطہ کے مسلمانوں نے چند قراء کی برتری کا اعتراف کیا ہے جن کے اسماء مشہور ہو چکے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) مدینہ منورہ میں، حضرت نافع بن ابی نعیم جو جعونہ کے مولی تھے حضرت ابن عباس کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اور ۱۶۹ھ میں وفات پائی اور ان سے جن لوگوں نے قرأت کی روایت کی ان میں سے مشہور عیسیٰ بن مینا الملقب بہ قالون تھے جنہوں نے ۲۰۵ھ میں وفات پائی اور ابو سعید عثمان بن سعید مصری تھے جو ملقب بہ ورش تھے اور ۱۹۷ھ میں وفات پائی اور اکثر اہل مغرب انہی کی قرأت پڑھتے ہیں۔

(۲) مکہ مکرمہ میں، حضرت عبداللہ بن کثیر جو عمرو بن علقمہ کے مولی تھے اور ان کی اصل فارس سے ہے حضرت ابن عباسؓ کے شاگردوں سے پڑھا اور ۱۲۰ھ

میں وفات پائی اور جن لوگوں نے ان کے قرارت کی روایت کی ان میں مشہور ابوالحسن احمد بن عبداللہ بزی تھے جو سنہ ۲۵۰ھ میں فوت ہوئے اور ابوعمر محمد تھے جن کا لقب قنبل تھا جنہوں نے سنہ ۲۹۱ھ میں وفات پائی اور یہ دونوں ابن کثیرؒ کے شاگردوں سے روایت کرتے ہیں۔

(۳) بصرہ میں، ابوعمرو بن علاء مازنی تھے جو دراصل کازرونی تھے حضرت ابن عباسؓ کے شاگردوں سے علم حاصل کیا انہوں نے کوفہ میں سنہ ۱۵۴ھ میں وفات پائی اور ان سے جن لوگوں نے روایت کی ان میں یحییٰ ابن مبارک یزیدی مشہور ہیں اور یحییٰ سے ابوعمر حفص بن عمر دوری نے روایت کی جنہوں نے سنہ ۲۴۶ھ میں وفات پائی اور ابوشعیب صالح بن زیاد سوسی ہیں جنہوں نے سنہ ۲۶۱ھ میں وفات پائی اور اکثر اہل سوڈان ابی عمر کے طریقہ کے مطابق قرآن مجید پڑھتے ہیں۔

(۴) دمشق میں، حضرت عبداللہ بن عامر جنہوں نے حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کے شاگردوں سے پڑھا سنہ ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ اور ان کی قرارت جنہوں نے روایت کی ان میں مشہور ابوالولید ہشام بن عمار دمشقی ہیں جنہوں نے سنہ ۲۴۵ھ میں وفات پائی اور ابوعمرو عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان ہیں جنہوں نے سنہ ۲۴۲ھ میں وفات پائی اور یہ دونوں حضرات ابن عامر سے ایک واسطہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۵) کوفہ میں، (ا) حضرت ابوعاصم بن ابی النجود جنہوں نے حضرات علی و عثمان و ابن مسعود و اُبیؓ و زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے شاگردوں سے پڑھا اور کوفہ میں سنہ ۱۲۷ھ میں وفات پائی ان سے جن لوگوں نے روایت کی ان میں مشہور شعبہ بن عیاش کوفی ہیں جنہوں نے سنہ ۱۹۳ھ میں وفات پائی اور حفص بن سلیمان ہیں جنہوں نے سنہ ۱۸۰ھ میں وفات پائی اور مصری انہی کی قرارت پڑھتے ہیں اور اکثر بلاد اسلامیہ میں بھی انہی کی قرارت پڑھی جاتی ہیں۔

(ب) حضرت حمزہ بن حبیب زیات جنہوں نے حضرات علی و ابن مسعود و عثمان رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر پڑھا سنہ ۱۴۵ھ میں وفات پائی[۴] اور عیسیٰ بن خالد ہیں جن کا لقب

---

[۴] اور ان کی قرات کی جنہوں نے روایت کی ان میں مشہور خلف بن ہشام بزار ہیں جنہوں نے سنہ ۲۲۹ھ میں وفات پائی ہے

خلاد تھا جنہوں نے ۲۲۰ھ میں وفات پائی اور انہوں نے حضرت حمزہ کے شاگردوں سے پڑھا ہے۔

(ج) حضرت ابوالحسن علی بن حمزہ کسائی جو بنی اسد کے مولی اور اہل فارس سے تھے حضرت حمزہ بن حبیب سے پڑھا ۱۸۹ھ میں وفات پائی ان سے جن لوگوں نے روایت کی ان میں مشہور ابوالحرث لیث بن خالد ہیں جنہوں نے ۲۴۰ھ میں وفات پائی اور دوسرے جو ابی عمرو بن علاء کی روایت پڑھتے تھے۔

یہی وہ لوگ ہیں جو قراء سبعہ کے نام سے مشہور ہوتے اور بہ اعتبار پر اتقان و ضبط میں فائق ہیں شہرت میں حسب ذیل تین اشخاص بھی شہرت میں ان کے قریب قریب پہنچے۔

(۱) حضرت ابوجعفر یزید بن قعقاع مدنی جن کا ۱۳۰ھ میں انتقال ہوا اور ان کے دونوں راوی عیسیٰ بن وردان اور سلیمان بن جماز ہیں۔

(۲) حضرت یعقوب بن اسحاق حضرمی جن کا انتقال ۲۰۵ھ میں ہوا اور ان کے دونوں راوی ادریس فرخ ہیں۔

(۳) حضرت خلف بن ہشام بزار جن کے راوی حمزہ بن حبیب ہیں اور ان کے دونوں راوی اسحاق وراق اور ادریس خداد ہیں اور ان تینوں متقدمین کو قراء عشرہ کہا جاتا ہے اور ان قراء عشرہ کے ساتھ چار اور قراء ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) محمد بن عبدالرحمٰن مکی جو ابن محیصین کے نام سے مشہور ہیں اور ان کے دونوں راوی بزی ہیں جو ابن کثیر کی روایت کرتے ہیں اور ابوالحسین بن شنبوذ ہیں۔

(۲) یحییٰ بن مبارک یزیدی، جو ابی عمرو بن علاء کی روایت سے پڑھتے ہیں اور ان کے دونوں راوی سلیمان بن حکم اور احمد بن فرخ ہیں۔

(۳) حسین بن ابوالحسن بصری فقیہ ہیں اور ان کے دونوں راوی شجاع بن ابی نصر بلخی اور دوری ہیں جو ابی عمر بن علاء اور کسائی کی روایت کرتے ہیں۔

(۴) سلیمان بن مہران ہیں اور ان کے دونوں راوی حسن بن سعید سطوعی

اور ابوالفرج شنبوذی شطوی ہیں لیکن ان چاروں قراء کی قرارت نے تواتر کا درجہ نہیں پایا اسی لیے یہ قرارت شاذ کہلاتی ہے۔

ان قرارتوں میں بجز ان چند باتوں کے اور کوئی اختلاف نہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے لکھے ہوئے مضمون میں پایا جاتا ہے۔

اور یہ دور ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ قرارت علوم دینیہ کا ایک مستقل علم بن گیا چنانچہ علماء نے اس فن میں ایسی کتابیں لکھنا شروع کیں جن کا تعلق اس کی صحت ادا اور روایت سے ہے۔

(۴) سنت کی تدوین:۔ یہ دور ترویج سنت کا بہترین تھا کہ راویان حدیث نے اس کی جمع و تدوین کی ضرورت کا خیال کیا اور تصنیف کے یہ معنی تھے کہ ایک ہی قسم کی احادیث کے بعض موضوع بعض موضوع میں ملا دیا جائے جیسے نماز کی احادیث اور روزہ کی احادیث اور جو اس کے مثل ہوں، اور یہ خیال تمام اسلامی شہروں میں قریب قریب ایک ہی وقت میں پیدا ہوا تھا کہ یہ پتہ نہ چل سکا کہ کس نے سب سے پہلے اس میں سبقت کی، چنانچہ اس دور کے طبقۂ اولیٰ کے مدونین میں مدینہ منورہ میں حضرت امام مالکؒ بن انس اور مکہ مکرمہ میں حضرت عبدالعزیز بن جریج اور کوفہ میں حضرت سفیان ثوری اور بصرہ میں حضرت حماد بن سلمہ اور بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ اور واسط میں حضرت ہشیم بن بشیر اور شام میں حضرت عبدالرحمٰن اوزاعی اور یمن میں حضرت معمر بن راشد اور خراسان میں حضرت عبداللہ بن مبارک اور رے میں جریر بن عبدالحمید تھے اور یہ ۱۴۰ھ کے اوپر چند سالوں میں تھے اور ان کتابوں میں احادیث صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال سے ملی ہوئی تھی جیسا کہ ہم موطا امام مالکؒ میں پاتے ہیں۔

ان کے بعد دوسرے طبقہ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث دوسروں کے اقوال سے جدا کر کے لکھیں اور اس کا آغاز ۲۰۰ھ کے شروع میں ہوا پھر مسانید تصنیف کی گئیں جیسے مسند عبداللہ بن موسیٰ کوفی اور مسند مسدد بن مسرہد بصری اور مسند بن موسیٰ مصری اور نعیم بن حماد خزاعی اور اسحاق بن راہویہ اور عثمان بن ابی شیبہ اور امام

احمد بن حنبل، ان حضرات نے احادیث کو ان کے راویوں کے مسانید میں درج کیا۔ مثلاً مسند ابوبکر صدیقؓ تو اس میں وہ تمام روایات درج کر دیں گے جو آپ سے مروی ہیں پھر آپ کے بعد صحابہ کو یکے بعد دیگرے اسی ترتیب سے درج کریں گے لیکن ان مسانید میں اب صرف مسند امام احمد بن حنبل ہمارے پاس رہ گئی ہے۔

اس کے بعد اور ایک طبقہ پیدا ہوا جس نے اپنے سامنے اس بڑی اور عظیم الشان دولت کو پایا تو اس نے اپنے لیے انتخاب کا دروازہ کھول دیا اور اس طبقہ کے سرخیل دو جلیل القدر امام سنت کے شیخ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری جعفی (جن کا انتقال ۲۵۶ھ میں انتقال ہوا)* ان دونوں نے اپنی تصانیف کو روایات میں انتہائی وقت نظر اور انتخاب سے تصنیف کیا ہے کہ بارہ میں انتہائی درجہ تک پہنچ گئے اور بالکل ان کے نقش قدم پر ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اور ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ اسلمی ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اور ابو عبداللہ محمد بن یزید قزوینی المشہور بابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ اور ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ تھے اور ان کی کتابیں اہل حدیث کی زبان پر کتب صحاح ستہ کے نام سے مشہور ہیں جن کا مسلمانوں کے نزدیک بہت بڑا درجہ ہے کیونکہ ان کے راوی نہایت مستند ہیں خصوصاً بخاری و مسلم اور صرف انہی حضرات نے احادیث کی کتابیں نہیں تالیف کیں بلکہ ان کے علاوہ اور بہت سے لوگ اس راہ پر چلے ہیں لیکن ان لوگوں نے جو شہرت عظیمہ پائی ہے وہ اور کوئی نہ پا سکا۔

اس زمانہ کے لوگوں میں ایسے لوگ بھی تھے جن کی ہمتیں راوۃ حدیث تابعین کے اور ان کے بعد کے لوگوں کے حالات کی بحث میں صرف ہوئیں اور ان میں سے ہر شخص کی تعریف جس کا وہ مستحق تھا ضبط و اتقان عدالت کی یا اس کے خلاف اوصاف بیان کر دیں اور ان لوگوں کو اصحاب جرح و تعدیل کہا جاتا ہے کہ جن کو انہوں نے عادل قرار دیا ان کی روایت مقبول ہوئی اور جس کو انہوں نے مجروح قرار دیا اس کی روایت چھوڑ دی گئی اور کبھی اس حالت کے بیان میں اختلاف بھی ہو گیا کہ ہم بعض راویوں کو ایسے پاتے ہیں کہ اس کی عدالت، ضبط اور اتقان پر عام لوگوں کا اتفاق ہے یہ انتہائی بلند درجہ

---

* اور مسلم بن حجاج نیشاپوری تھے (جن کا انتقال ۲۶۱ھ میں ہوا) *

ہے اور بعضوں نے اسی راوی کے ترک پر اتفاق کر لیا جو انتہائی کمترین درجہ ہے اور اس کے درمیان بھی درجات ہیں کہ بعض بعض سے کمتر ہیں اور بعض اسناد ایسی ہیں جیسے چمکتا سورج حتیٰ کہ سننے والا اس کے صدق روایت کا یقین نہیں رکھتا اور بعض اس سے بھی کم۔

اس دور میں علم حدیث نے اس قدر ترقی کی کہ اب یہ ایک مستقل فن بن گیا اور بہت سے ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے حدیث ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا اگرچہ فقہ اور استنباط میں ان کو کچھ زیادہ کمال حاصل نہ تھا۔

(۵) مادۂ فقہ میں نزاع، ان اصول سے جن سے احکام کا استنباط ہوتا ہے احکام مرتب کرنے والوں میں اسی زمانہ میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا اور یہاں ہم اس نزاع کی تفصیل کیفیت بیان کرتے ہیں۔

(۱) احادیث میں نزاع، سابقہ دور اس حالت میں گزرا کہ احادیث ہی شریعت کی اصل بنیاد تھی کہ فتویٰ دینے والے جب قرآن مجید میں کوئی حکم نہ پاتے تو احادیث کی طرف رجوع کرتے لیکن زمانہ کی درازی اور رواۃ حدیث کی کثرت اور وضعی احادیث کی اشاعت نے اس میں بہت اختلاف پیدا کر دیا حتیٰ کہ جو احکام کا استنباط کرنا چاہتا اپنے سامنے ایسی گھاٹی پاتا جس کو عبور کرنا مشکل ہوتا سنت صحیحہ کی تحقیق میں قبل اس کے نصوص کے سمجھنے میں اور اس سے احکام کے استنباط کرنے میں مشغول ہو تو اس نے ان دو لفظوں میں نزاع کے ابواب سے ایک باب کو کھول دیا۔

(۱) کیا حدیث شریعت اسلامی کے اصول سے ایک ایسی اصل ہے جو قرآن کریم کو مکمل کرنے والی ہے۔؟

(۲) اگر ہم ایسا کہیں تو اس کے اعتماد کا کیا طریقہ ہے؟ پہلے نقطۂ نظر سے تو ایک قوم نے احادیث کو مطلقاً چھوڑ دیا اور صرف قرآن کریم کو کافی قرار دیا اور حضرت امام شافعیؒ نے تو اپنی کتاب "اُم" کے ساتویں جزء میں ایک باب بھی باندھا کہ "باب اس جماعت کے اقوال کی حکایت میں جس نے احادیث کو بالکل رد کر دیا" اس میں ان کا قول

بیان کیا انہی میں سے ایک آدمی کی زبان سے کہ اس نے اس کہا۔

"تم عربی ہو اور قرآن انہیں کی زبان میں اترا جس میں تم ہو اور تم اس کے اچھے حافظ ہو اور اس کو اچھی طرح سمجھتے ہو اسی میں اللہ تعالیٰ کے فرائض ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اتارا اگر کوئی شخص شک کرے کہ قرآن اس پر مشتبہ ہو گیا تو تم اس کو توبہ کراؤ گے اگر اس نے توبہ کرلی تو بہتر ورنہ اس کو قتل کر دو اس لیے کہ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ (ہر چیز کا اس میں بیان ہے) تو یہ بات کسی اور کے یا تیرے لیے کیسے جائز ہے کہ کسی چیز کے بارے میں جس کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے کبھی تو کہے کہ فرض عام ہے اور کبھی کہے کہ فرض خاص ہے اور کبھی امر اس میں فرض ہے اور کبھی امر اس میں دلالت ہے اور اگر چاہے ذو اباحت ہے اور اسی قسم کے اور بھی فرق ہیں۔

ایک حدیث ہے جس کو ایک شخص سے روایت کیا جاتا ہے وہ دوسرے سے وہ دوسرے سے یا دو حدیث یا تین حدیث حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دو اور میں نے تم کو اور اس کو جو تمہارے طریقہ پر ہے اس طرح پایا ہے کہ جس سے تم ملاقات کرتے ہو اس کو بھول چوک اور غلطی سے بری کرتے ہو حالانکہ تم نے اس کو صدق اور حفظ میں مقدم کیا ہے اور نہ میں نے کسی ایسے شخص سے ملاقات کی جس سے تمہاری ملاقات ہوئی کہ وہ غلطی کرے یا بھول کرے یا اپنی حدیث میں خطا کرے بلکہ میں نے تم کو کئی لوگوں کے بارے میں یہ کہتے سُنا ہے کہ فلاں نے فلاں حدیث میں خطا کی اور فلاں نے فلاں حدیث میں اور میں نے تم کو یہ بھی کہتے سُنا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حدیث کی بابت جس کے ذریعہ تم نے کوئی چیز حلال یا حرام کی ہو کہے کہ یہ علم خاصہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کہا ہے بلکہ تم نے یا جس نے تم سے حدیث بیان ہے اس نے خطا کی ہے اور تم نے جھوٹ کہا ہے یا جس نے تم سے حدیث بیان کی ہے اس نے جھوٹ

کہا ہے تو تم اس سے توبہ نہیں کراتے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتے کہ تو نے بہت برا کہا میں کہتا ہوں کہ کیا جائز ہے کہ قرآن مجید کے احکام میں فرق کیا جائے اور اس کا ظاہر ایک ہو اس کے نزدیک جس نے اس کو سنا اس کی خبر سے جس میں وہ وصف ہو جو تم بیان کرتے ہو اور ان کی خبروں کو تم کتاب اللہ کا قائم مقام قرار دیتے ہو اور تم اسی سے دیتے ہو اور اسی سے منع کرتے ہو۔

پھر کہا کہ جب تم نے یہ حجت قائم کر لی کہ تم ان کی خبروں کو قبول کرو گے اور ان میں وہ بات موجود ہے جو تم نے ان کی خبروں کو قبول کرنے کے بارے میں مقرر کی ہے تو تمہاری کیا دلیل ہے اس کے بارے میں جو اس کو رد کر دے پھر کہا کہ میں اس سے کچھ بھی قبول نہ کروں گا جس میں وہم کا امکان ہو اور نہ میں اس کو قبول کروں گا کہ بجز اس بات کے بیان کروں جس کی میں اللہ پر گواہی دوں جیسے کہ میں اس کی اس کتاب سے گواہی دوں جس میں کسی حرف کے بارے میں شک ہو یا جائز ہو کہ کوئی چیز اس کے احاطہ کے قائم مقام ہو اور اس سے نہ ہو۔"

اس قول کی حکایت اور اس کی دلیل سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا کہنے والا ان اخبار کو رد کر رہا ہے جو علم کو مفید نہیں بوجہ جواز مخطا و نسیان کے اپنے راویوں پر اور وہ سنت کو اس حیثیت سے رد نہیں کر رہا ہے کہ وہ سنت ہے حتی کہ اگر وہ بات اس طریق سے ثابت ہو جائے جو علم کے مفید ہو جیسے سنت متواترہ تو اس کو قبول کیا جائے گا لیکن اس نے اس مذہب پر رد کے درمیان اس بات کی صراحت کر دی کہ وہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے سنت کو اس حیثیت سے رد کر دیا کہ وہ سنت ہے اور کچھ لوگوں نے اس حیثیت سے سنت کو رد کیا ہے کہ وہ حکم قرآن مجید کی تفصیل نہیں ہے چنانچہ کہا ہے کہ۔

"اور اس میں لوگوں کے دو مذہب ہو گئے ہیں ایک فریق تو حدیث کو قبول ہی نہیں کرتا جب کہ کتاب اللہ میں تفصیلی حکم موجود ہو تو میں نے کہا کہ پھر

اس کا نتیجہ کیا ہو گا کہا کہ اس کو ایک بڑے معاملہ تک پہنچا دیا یعنی جس نے ایسا عمل کر لیا جس پر کم از کم نماز یا زکوٰۃ کا اطلاق کیا جا سکے تو اس نے اس فرض کو ادا کر دیا جو اس پر واجب تھا کہ اس کے لیے کسی وقت کے پابندی کی ضرورت نہیں اور اگر اس نے دن میں دو رکعت پڑھ لیں یا تمام عمر میں دو رکعت پڑھ لیں اور یہ کہہ دیا کہ کتاب اللہ میں جو چیز نہ ہو وہ کسی پر فرض نہیں، اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ جس بارہ میں قرآن مجید کا حکم موجود ہے اس کے بارے میں حدیث قبول کی جائے گی تو یہ قول بھی اس قول کے قریب ہی ہوا جو یہ کہتا ہے کہ جس کا حکم قرآن میں نہ ہو اس کے متعلق حدیث قبول نہیں تو اس کا نتیجہ بھی وہی ہو گا جو فریق اوّل کا ہے یا اس کے قریب اور اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ اس نے حدیث کو رد کرنے کے بعد پھر اس کو قبول کر لیا اور یہ کہ وہ نہ ناسخ و منسوخ کو مانتا ہے اور نہ خاص عام کو اور یہ اس نے غلطی کی۔"

اس کے بعد امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں مذہبوں کی گمراہی کا طریقہ واضح ہے اور امام شافعیؒ نے اس شخص کی شخصیت نہیں بتائی جس کی رائے یہ ہے اور نہ تاریخ نے اس شخص کو ظاہر کیا الا اینکہ امام شافعیؒ نے اپنے اس مناظرہ میں جو آپ نے اصحاب رائے کے ساتھ کیا تھا جس کی تفصیل آگے آئے گی تصریح کی ہے کہ یہ مذہب بصرہ کی طرف منسوب ہے اور بصرہ مرکز تھا حرکت علمیہ کلامیہ کا اور وہیں سے معتزلہ کے مذاہب پھوٹے جس میں ان کے بڑے بڑے معتزلہ مصنفین پیدا ہوئے اور وہ اہل حدیث کے ساتھ جھگڑنے میں مشہور تھے ممکن ہے کہ یہ کہنے والا انہی میں سے ہو۔

اور مجھے اپنے اس گمان کی تائید اس بیان سے بھی ہوئی جو میں نے کتاب موسومہ تاویل مختلف الحدیث،، مصنفہ حضرت ابی محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہؒ متوفی ۲۷۶ھ میں دیکھا جس کے شروع میں موصوف نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنی اطاعت کی سعادت عطا فرمائے اور تم پر اپنی حفاظت کا احاطہ کرے اور اپنی رحمت سے تم کو

حق کی توفیق عطا فرمائے اور تم کو اس کا اہل بنائے کہ ان باتوں پر جن سے تم واقف ہو
تفصیل سے لکھا ہے کہ اہل کلام، اہل حدیث پر کیا عیب لگاتے ہیں اور ان کی ذلت کرتے
ہیں اور اپنی کتابوں میں ان کی مذمت اور ہجو بیان کرتے ہیں ان پر جھوٹ اور ایسے
متناقض روایتوں کے بیان کرنے کا الزام لگاتے ہیں جس سے اختلافات پیدا ہوتے اور کثرت
سے مذاہب پیدا ہو گئے اور جماعتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں اور مسلمانوں کے آپس میں
دشمنیاں پڑ گئیں ایک نے دوسرے کا کافر قرار دیا اور ہر فریق نے اپنے مذہب کے
لیے ایک جنس حدیث سے تائید حاصل کر لی اس کے بعد مختلف فرقے جن حدیثوں سے
استدلال کرتے ہیں کہ بعض احادیث بعض کی مخالفت کرتی ہیں تفصیل سے بیان کیا اور
اس کے بعد اہل سنت کے خلاف سخت اعتراضات ایسی بلیغ عبارات میں جو دلوں پر
اثر کریں نظّام اور جاحظ بلیغ متکلمین کی طرف سے بیان کیے ہیں پھر دوسرے باب
میں متکلمین پر اپنا اعتراض لکھا ہے اور ان پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہی زیادہ اختلاف کا
باعث بن رہے ہیں باوجودیکہ وہ دعویٰ کرتے ہیں معرفت قیاس اور غور و فکر کے
اسباب مہیا کرنے کا چنانچہ ابوالہذیل علاف نظّام کی مخالفت کرتا ہے اور اسی طرح
بخاران دونوں کی مخالفت کرتا ہے اور ہشام بن حکم ان سب کی مخالفت کرتا ہے
اور اسی طرح ثمامہ بن اشرس ان سب کی غرض ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے
جس کا خود مستقل مذہب نہ ہو کہ اس نے اپنی رائے سے قائم کر لیا ہو اور ہر ایک کے
مذہب کے چند تبع بھی ہیں پھر نظّام کی نہایت قبیح قول سے توصیف بیان کی اور
خود اس کے اصحاب نے اس پر جو عیب لگائے اس کی صراحت کی اور اس کے وہ
مسائل فقہیہ بیان کیے جس میں اس نے اجماع کی مخالفت کی مثلاً اس کا یہ قول
کہ الفاظ کنایات سے طلاق واقع نہیں ہوئی اگرچہ اس نے نیت بھی کی ہو اور یہ کہ نیند
کسی حالت میں بھی ناقض وضو نہیں ہے اور نظّام نے فقہاء صحابہ جیسے بڑے مفتیوں
پر جو الزام لگایا ہے اس کا ذکر کیا پھر ابوالہذیل کا ذکر کیا اور اس کا بھی اسی طرح برائی
کے ساتھ تذکرہ کیا تو اسی طرح عبیداللہ بن حسن قاضی بصرہ کی جس کا یہ قول ہے کہ ہر

مجتہد صاحب الرائے ہے حتیٰ کہ اصول میں بھی اس کی صحت قائم رہتی ہے۔

اس کے بعد اصحاب رائے کا ذکر کیا اور ان کے عیوب بیان کیے اور ابتدا امام ابو حنیفہ رح سے کی ہے اور ان کے وہ مسائل ذکر کیے جس میں انہوں نے نصوص کی مخالفت کی ہے۔

پھر جاحظ کے بارے میں بحث کی ہے اور اس نے جو اہل السنّت کی تنقیص کی ہے اور ان کے روایات کی جو ہنسی اڑائی ہے اس کا ذکر کیا ہے پھر حضرات اہل حدیث کا ذکر کیا ہے پھر حضرات کے وہ اوصاف بیان کیے ہیں جن سے مسلمان اچھی صفت کے ساتھ موصوف ہو سکتے ہیں۔

بعض طعن کرنے والے ان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ ضعیف روایتیں بیان کرتے ہیں اور غریب روایتیں تلاش کر کے لاتے ہیں حالانکہ غریب میں علت ہوتی ہے لیکن چونکہ وہ لوگ ضعیف اور غریب کو حق سمجھتے تھے اس لیے اس کی روایت نہیں کی بلکہ انہوں نے نیک و بد اور صحیح و سقیم سب کو اس لیے جمع کر دیا تاکہ وہ ان کے درمیان فرق کریں اور ان کا پتہ لگائیں چنانچہ ایسا ہی کیا۔

پھر اس کے بعد ان مقاصد کا ذکر کیا جس کے لیے کتاب لکھی گئی ہے یعنی ان احادیث کی طرف سے جواب دینا جس کے متعلق متکلمین نے دعویٰ کیا کہ وہ آپس میں تناقض ہیں یا یہ کہ وہ قرآن مجید کے متناقض ہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں امام شافعی رح نے یہ رسالہ لکھا ہے یا اس کے تھوڑا عرصہ پہلے متکلمین کا اہل سنّت پر بڑے بڑے حملے کیے اور چونکہ اکثر متکلمین بصرہ میں تھے تو یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ جس نے امام شافعی رح سے مناظرہ کیا تھا وہ انہی میں سے ہوگا۔

یہ رائے اصحاب حدیث کی قوت سے ٹکرا کر چھپ گئی اور احادیث پر اعتماد کا مذہب غالب رہا اس صفت کی بنا پر کہ وہ قرآن مجید کے بعد اصول شریعت اسلامیہ کی ایک اصل ہے لیکن اس مذہب کے ماننے والے اس طریقہ کے بارے میں مختلف الرائے ہو گئے جس کی بنا پر احادیث پر اعتماد کیا جا سکتا چنانچہ بعض لوگوں

نے خبر خاص کو رد کر دیا جس کو فقہا کی زبان میں خبر واحد کہا جاتا ہے جو علم کو فائدہ نہیں پہنچاتی۔

چنانچہ امام شافعیؒ نے اس شخص کی زبان سے جو اس رائے کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں یوں بیان کیا ہے۔

"حکام اور مفتیوں میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ حاصل نہیں کہ وہ فتویٰ دے یا حکم کرے مگر احاطہ کی حیثیت سے اور احاطہ کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ وہ جانتے کہ ظاہر و باطن میں حق ہے اور اس سے اللہ پر گواہی دے سکے اور یہ قرآن مجید و احادیث ہیں جن پر اتفاق ہے اور یا ہر وہ چیز جس پر لوگ اتفاق کر لیں اور اس میں مختلف نہیں ہیں تو حکم سب کا ایک ہے ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم ان میں سے بجز ان باتوں کے جس کو ہم نے بیان کر دیا اور کچھ قبول نہ کریں مثلاً ظہر کی چار رکعتیں ہیں اس میں نہ نزاع ہے نہ کوئی مسلمان اس کی مخالفت کرتا ہے اور کسی کو اس میں شک کی گنجائش بھی نہیں۔

اس کے بعد انہوں نے اپنی غرض بیان کی کہ وہ علم جس کا اتباع واجب ہے اس کی چند اقسام ہیں۔

(۱) جس کو عوام نے عوام سے نقل کیا ہو جس سے اللہ و رسول پر گواہی دی جا سکے مثلاً جملہ فرائض۔

(۲) کتاب جس میں تاویل کا احتمال ہو اور اسی وجہ سے اس میں اختلاف ہو سکتا ہو اور جب اس میں اختلاف ہو تو ظاہر عمل ہو گا اور اس کی عام باتیں ابداً باطن کی طرف نہ پھری جائیں گی اگرچہ اس کا احتمال ہو البتہ لوگوں کے اس پر اجماع سے پھری جا سکتی ہیں لیکن اگر اس میں وہ اختلاف کر جائیں تو ظاہری معنیٰ ہی مراد ہوں گے۔

(۳) جس پر مسلمانوں کا اتفاق ہو چکا اور اپنے سے پہلے کے لوگوں کا اس پر اجماع بھی بیان کیا ہو اگرچہ یہ ایسا کتاب و سنت سے نہیں کہتے میرے نزدیک یہ

متفق علیہ حدیث کے قائم مقام ہے اس لیے کہ اتفاق رائے پر نہیں ہو سکتا رائے میں اختلاف ہوا کرتا ہے۔

(۴) خبر خاص سے حجت اس وقت تک نہیں لی جا سکتی جب تک کہ اس کی نقل ایسے طریقہ پر واقع ہو کہ جس میں خطا کا امکان نہ ہو تو سنت کے متعلق اس رائے کا حاصل یہ ہے کہ اس سے دلیل اسی وقت پکڑی جا سکتی ہے جب کہ وہ متواتر ہو کہ اس کو عوام، عوام سے نقل کریں حتیٰ کہ وہ خطا سے پاک ہو لیکن پہلی رائے کی طرح جمہور اسلام نے اس رائے کو بھی ترک کر دیا ہے، اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث اس وقت تک قبول نہیں کی جا سکتیں جب تک کہ عوام، عوام سے نہ نقل کریں یا شہروں کے فقہاء اس پر عمل کرنے پر متفق نہ ہو جائیں اور سابقہ وجہ پر ایک تیسری وجہ کا اضافہ کیا اور کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایک صحابی کسی فیصلہ کی روایت کرے کہ آپ نے ایسا فیصلہ کیا ہے اور کسی صحابی نے اس روایت کی مخالفت نہیں کی تو اس سے ہم دو باتوں کی دلیل لیں گے ایک تو یہ کہ اس نے اس حدیث کو جماعت صحابہ میں بیان کیا اور دوسرا یہ کہ اگر انہوں نے اس پر رد نہیں کیا کسی ایسی جو اس کی مخالف ہو تو سمجھا جائے گا کہ وہ اس حدیث کو جانتے تھے گویا اس صحابی نے اس کو اس حدیث کی خبر دی تو یہ خبر ان کے عوام کی طرف سے ہوئی۔

اور یہی طریقہ ہے جس کی طرف فقہاء عراق مثلاً امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا میلان واقع ہوا اور اسی مطلب کو امام ابو یوسفؒ نے سوار اور پیادہ کے حصہ کے باب میں اپنی اس کتاب میں جس کو سیر الاوزاعی (نامی کتاب) کی تنقید میں لکھا ہے بیان کیا ہے اور اس کو امام شافعیؒ نے (اپنی کتاب) اُم میں بیان کیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ تم کو وہ احادیث اختیار کرنی چاہئیں جس کو عوام جانتے ہیں اور شاذ (نادر) احادیث سے بچو کیونکہ ہم کو ابن ابی کریمہ نے حضرت ابی جعفرؓ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلوایا انہوں نے آپ سے گفتگو کی حتیٰ کہ عیسیٰؑ کے بارے میں جھوٹ بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور آپ نے لوگوں کے سامنے تقریر فرمائی

اور ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے عنقریب احادیث خوب خوب بیان کی جائیں گی تو
مجھ سے جو احادیث ایسی بیان ہوں جو قرآن مجید کے مطابق ہوں تو وہ میری طرف سے سمجھو اور
جو میری طرف سے ایسی احادیث بیان ہوں جو قرآن مجید کے خلاف ہوں تو وہ میری نہ
ہوں گی اور حضرات مسعر بن کدام و حسن بن عمارہ رحمہم اللہ نے حضرت عمرو بن مرہؓ سے انہوں
نے حضرت بختری سے انہوں نے حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ
آپ نے فرمایا کہ جب تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مل جائے تو سمجھ لو کہ وہی
چیز زیادہ ہدایت والی اور زیادہ تقویٰ والی اور زیادہ حیات والی ہے، اشعث بن سوار
اور اسماعیل بن ابی خالد حضرت شعبی سے وہ حضرت قرظہ بن کعب انصاریؓ سے روایت
کرتے ہیں کہ ہم انصار کی ایک جماعت میں کوفہ آیا تو حضرت عمر بن الخطابؓ پیدل ہماری
مشایعت کرتے ہوئے ایک مقام تک آئے جس کا انہوں نے نام بھی بتایا، پھر آپ
نے فرمایا کہ اے جماعت انصار کیا تم جانتے ہو کہ میں نے کیوں تمہاری مشایعت کی
تو انہوں نے کہا کہ ہاں ہمارے اعزاز کا خیال کرتے ہوئے اس پر فرمایا کہ ہاں تمہارا
اعزاز بھی تھا اور اس لیے بھی کہ تم ایک ایسی قوم کے پاس آؤگے کہ وہ قرآن مجید ایسے
پڑھتے ہوں گے جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ان کے سامنے تم رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی روایت کم بیان کرنا اور مجھے تم اپنا شریک سمجھو اس پر قرظہ رحمۃ اللہ علیہ
نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے احادیث ہرگز بیان نہ کروں گا۔

ہم کو جہاں تک خبر ملی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ علیہ وسلم کی احادیث
بجز دو شاہدوں کے قبول نہ کرتے تھے اور اگر کتاب طویل نہ ہو جاتی تو میں تمہارے لیے
حدیث کی سند بیان کرتا، اور حضرت علیؓ بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی حدیث قبول ہی نہیں کرتے تھے اور روایت بہت زیادہ بڑھتی جاتی ہے اور اس
سے نامعلوم باتیں بھی نکلتی ہیں اور نہ اس کو اہل فقہ جانتے ہیں اور نہ وہ کتاب وسنت
کے موافق ہیں لہٰذا نادر و شاذ احادیث سے بچو اور ان احادیث کو اختیار کرو جس کو
عام مسلمان جانتے ہیں اور جس کو فقہاء جانتے ہوں اور تمام اشیاء کا اسی پر قیاس کرو

تو جو حدیث قرآن مجید کی مخالفت کرے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے اگرچہ روایت سے ثابت ہوئی ہو، ہم سے ایک ثقہ راوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے مرض الموت میں فرمایا کہ میں اسی کو حرام کرتا ہوں جس کو قرآن نے حرام کیا ہے۔ خدا کی قسم مجھ پر کوئی بات نہ رکھیں۔ میں تو قرآن مجید اور مشہور احادیث کو امام اور رہنما بناتا ہوں اور اسی کا اتباع کرتا ہوں اور اسی پر ان باتوں کا قیاس کرو جو تم کو پیش آئیں اور قرآن و سنت میں موجود نہ ہوں، لیکن امام شافعیؒ نے اس رائے پر اعتراض کیا ہے اور اس کو رد کیا ہے اور جمہور اہل حدیث اس کے خلاف ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک تیسری رائے اور ہے جس پر امام مالکؒ اور ان کے اصحاب چلتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ سنت دو طریقوں سے ثابت ہوتی ہے ایک تو یہ کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ائمہ وہی کہیں جو اس کے موافق ہو (اور اسی کی نسبت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا اسی پر عمل ہے) دوسرے یہ کہ لوگوں کو اس میں اختلاف کرتے نہ پائیں (اور یہ وہی ہے جس کے بارہ میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اسی کو ہم متفق علیہ قرار دیتے ہیں) اور اگر ہم اس بارہ میں ائمہؒ کا قول نہ پائیں اور لوگوں کو اس میں اختلاف کرتے پائیں تو اس کو رد کر دیں گے۔

ان کے نزدیک حدیث کی تحقیق کا یہ قاعدہ ہے کہ جس پر اہل مدینہ منورہ کے عمل کو٭ اور ان کے فقہا کے اتفاق کو بڑی اہمیت دی ہے کہ سابقہ دونوں اعتبار پر ایک وسیلہ حدیث پر اعتبار کا زیادہ کر دیا، اور امام شافعیؒ نے اس مذہب کی تنقید میں اس کی اصل اور تطبیق دونوں پر تنقید کی ہے، میں چاہتا ہوں کہ یہاں ایک خط کی نقل کر دوں جس کو اس زمانہ کے سید فقہاء — بلکہ علم و اخلاق کے لحاظ سے جمیع بلاد کے فقہاء کے سردار یعنی حضرت لیثؒ بن سعیدؒ فقیہ مصر نے اپنے بھائی حضرت مالکؒ بن انس کو لکھا تھا جس میں ان کے مذہب پر اہل مدینہ کے عمل پر اعتماد کرنے کی وجہ سے جو اعتراضات ہوتے ہیں اس کو وضاحت سے لکھا ہے اور یہ خط دراصل اس خط کا جواب ہے جو ان کو حضرت امام مالکؒ نے لکھا تھا لیکن ہم کو یہ خط نہ ملا البتہ اس کا جواب حضرت

٭ اور وہ اس پر متفق ہوں، اور امام مالکؒ نے اہل مدینہ منورہ کے عمل کو ٭

ابی عبداللہ محمد بن ابو بکر المعروف بابن الجوزیہ کی کتاب اعلام الموقعین میں ملا جو حضرت ابو یوسف یعقوب بن سفیان قسوی کی کتاب تاریخ و معرفت سے نقل کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت لیثؒ فرماتے ہیں۔

"آپ پر سلام ہو۔ میں تمہاری طرف اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اما بعد اللہ تعالیٰ تم کو اور ہم کو عافیت دے اور دنیا و آخرت میں تمہاری عافیت کو بہتر بنائے مجھے تمہارا خط ملا جس میں تم کو اپنا اصلاح حال لکھا ہے جس سے مجھے خوشی ہوئی یہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ دائم کر دے اور اس کی اور اس کی مدد پر شکر کرتے ہوئے پورا کرے اور اس کے احسان میں زیادتی کرے اور تم نے جو ذکر کیا ہے کہ تم نے ان خطوں کو دیکھا جو میں نے تم کو بھیجے اور ان کو اپنے پاس محفوظ رکھا ہے اور اس پر اپنی مہر لگائی ہے اور ہمارے پاس تمہارے خطوط پہنچے تو اللہ تعالیٰ تم کو جزاء خیر دے اس بات کی جو تم کو اس خطوط کے ساتھ کیا تو تمہارے خطوط کے متعلق میں نے بھی یہی پسند رکھا کہ اس کی اس حقیقت تک پہنچوں جو اس میں تمہاری نظر کے مطابق ہوں اور تم نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو خطوط میں نے تم کو لکھے ہیں اس سے تم کو نشاط پیدا ہوا اس امر کی درستگی کے لیے جو تمہارے متعلق مجھے معلوم ہوئی تھی جس پر میں نے نصیحت کی ابتداء کی تھی اور مجھے امید ہے کہ اس کا میرے پاس کوئی مقام ہو اور یہ کہ اس بات سے تم کو کسی نے نہیں روکا تھا مگر یہ کہ تمہاری رائے ہمارے بارے میں اچھی تھی مگر میں نے تم سے اب جیسے مذاکرہ کر رہا ہوں کبھی نہیں کیا تھا اور یہ کہ تم کو خبر ملی ہے کہ میں لوگوں کو ایسے فتویٰ دے رہا ہوں جو اجماع کے مخالف ہیں اور مجھ کو اپنے نفس کا خوف ہے بوجہ اس اعتماد کے جو مجھ پر پہلے سے لوگ کرتے ہیں یہ اس وجہ سے تھا جو میں ان کو فتویٰ دیتا تھا اور یہ کہ لوگ اہل مدینہ کے تابع ہیں جہاں ہجرت واقع ہوئی اور وہیں قرآن مجید نازل

ہوا اور جو کچھ تم نے اس کے متعلق اپنی رائے لکھی وہ ان شاء اللہ ٹھیک ہوگی اور تم جو بات چاہتے ہو وہی واقع ہوگی ۔ میں کسی ایسے شخص کو جس کی طرف علم کی نسبت ہوگی مجھ سے زیادہ شاذ فتاوی کو برا سمجھتا ہے اور نہ گزشتہ علماء مدینہ کی فضیلت بیان کرنے میں مجھ سے زیادہ ہوگا اور نہ ان کے متفقہ فتاوی کو مجھ سے زیادہ قبول کرتا ہوگا اور اس پر اللہ کی تعریف ہے جو رب العالمین ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں لیکن آپ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ میں قیام تھا اور وہاں آپ پر صحابہؓ کے سامنے قرآن مجید کا نزول ہوا اور ان باتوں کا ان کو علم ہوا جو اللہ تعالی نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تعلیم دی اور یہ کہ لوگ اس بارہ میں ان کے تابع ہوئے تو واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا لیکن یہ جو تم نے ذکر کیا اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ ۔

والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنات تجري تحتها الانهار خالدين فيها ابدا ذلك الفوز العظيم ۝

اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ تعالی نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گی (اور) یہ بڑی کامیابی ہے ۔

تو ان سابقین اولین میں سے بہت سے تو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اللہ تعالی کی مرضی حاصل کرنے نکلے اور فوج در فوج جمع ہوئے اور لوگ ان کے پاس جمع ہوئے ان کے سامنے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ظاہر کی اور انہوں نے اس میں سے کچھ نہیں

چھپایا جو وہ جانتے تھے اور ان کے ہر لشکر میں ایک جماعت ہوتی تھی جو اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت سکھاتے تھے اور اپنی رائے سے ان معاملات میں اجتہاد کیا کرتے تھے اور اس بات میں ان پر ابتداء حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم نے کی تھی جن کو مسلمانوں نے اپنے لیے منتخب کیا تھا اور یہ تینوں نہ مسلمانوں کی فوجوں کو ضائع کرنے والے تھے اور نہ ان سے غافل تھے بلکہ ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں ان کو اقامت دین کے لیے اور اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں اختلاف سے ڈرایا کرتے تھے تو انہوں نے کوئی ایسا معاملہ نہ چھوڑا جس کی قرآن نے تفسیر کی ہو یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس کا مشورہ کیا ہو مگر یہ کہ ان کو انہوں نے سب کچھ بتا دیا جب کوئی موقع آیا تو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصر و شام و عراق میں حضرات ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں عمل کیا حتیٰ کہ انہوں نے افات پائی اس کے سوا انہوں نے کوئی حکم نہیں دیا تو مسلمانوں کی فوجوں کو یہ جائز نہیں کہ آج ایسی بات پیدا کریں جس کو ان کے سلف اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تابعین نے نہ کیا باوجود یکہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں فتاویٰ کی بہت سی باتوں میں اختلاف کیا ہے اور اگر مجھے اس کا علم نہ ہوتا کہ تم ان اختلافات کو جانتے ہو تو میں تم کو وہ تفصیل سے لکھتا، پھر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تابعین نے بہت سی باتوں میں اختلاف کیا چنانچہ حضرت سعیدؒ بن المسیب اور ان کے مثل لوگوں نے سخت اختلاف کیا پھر جو لوگ ان کے بعد ہوئے انہوں نے اختلاف کیا چنانچہ ان میں سے مدینہ منورہ وغیرہ مقامات میں حاضر ہوا اور اس وقت ان کے سرکردہ حضرات ابن شہاب و ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہم اللہ تھے اور حضرت

ربیعہؒ کو بعض گزشتہ باتوں کے متعلق جو اختلاف تھا وہ تم جانتے ہو اور میں حاضر ہوا اور ان کے بارے میں تمہارا اور اہل مدینہ کے اصحاب الرائے مثلاً حضرات یحییٰ بن سعید و عبید اللہ بن عمر اور کثیر بن فرقد وغیرہ رحمہم اللہ کے اقوال سُنے جو ان سے زیادہ عمر رسیدہ تھے حتیٰ کہ اس کراہت کی وجہ سے آپ ان کی مجلس چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور آپ اور عبد العزیز بن عبد اللہ سے میں نے مذاکرہ کیا اور جو اعتراض میں نے ربیعہ پر کیا تھا تم نے اس پر میری موافقت کی تھی کہ تم بھی ان کی وہ باتیں بری سمجھتے تھے جن کو میں ان کے حق میں بری سمجھتا تھا باوجودیکہ ربیعہؒ کے پاس خیر کثیر اور راسخ عقل، اور بلیغ زبان اور ظاہری فضیلت اور اسلام میں اچھا طریقہ اور اپنے عوام اور برادران اسلام کے لیے سچی محبت اور ہمارے لیے خاص طور پر محبت صادقہ تھی اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے اور ان کو بخش دے اور ان کو ان کے اعمال کی اچھی جزا دے اور ہم جب حضرت ابن شہابؒ سے ملے۔ تو بہت اختلاف ہوتا تھا اور جب ہم میں سے کوئی ان کو لکھتا تھا تو بسا اوقات وہ ایک معاملہ کے بارہ میں اپنی صائب رائے اور علم کی بنا پر تین طریقوں سے لکھتے تھے جو ہر ایک دوسرے کے مخالف ہوتا تھا اور وہ یہ محسوس نہ کرتے تھے کہ انہوں نے اس بارہ میں پہلے کیا رائے لکھی ہے اور یہی وجہ تھی کہ میں نے ان کو چھوڑ دیا جس پر تم نے مجھ پر اعتراض بھی کیا اور تم کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ میں نے کس مسئلہ کی وجہ سے انکار کیا وہ یہ کہ مسلمانوں کی چھاؤنیوں میں کوئی شخص بارش کی رات دو نمازوں کو جمع کرے اور ملک شام کی بارش تو مدینہ منورہ کی بارش سے زیادہ ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ان کے کسی امام نے بارش کی رات میں نمازوں کو جمع نہیں کیا جن میں حضرات ابو عبیدہ بن الجراح اور خالد بن ولید اور یزید بن

ابی سفیان وعمرو بن العاص اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم موجود تھے اور ہم کو خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال وحرام کو تم میں سب سے زیادہ جاننے والے معاذؓ بن جبل ہیں اور معاذؓ قیامت کے دن علماء سے ایک قدم آگے رہیں گے، اسی طرح حضرات شرجیل بن حسنہ اور ابوالدرداء اور بلال بن رباح رضی اللہ عنہم بھی تھے اور مصر میں حضرت ابوذرؓ اور حضرات زبیر بن العوام اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تھے اور حمص میں ستر اہل بدر صحابی اور تمام مسلمانوں کی چھاؤنیوں میں تھے اور عراق میں حضرات ابن مسعود اور حذیفہ بن الیمان اور عمرانؓ بن حصین رضی اللہ عنہم تھے اور خود امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کئی سال وہاں مقیم رہے جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کافی اصحاب تھے کہ انہوں نے کبھی مغرب وعشاء کو جمع نہیں کیا اور ابن شہاب کے انہی مسائل میں ایک شخص کی گواہی اور صاحب حق کی قسم پر فیصلہ کرنا ہے اور تم کو معلوم ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فیصلہ نہ تو شام وحمص ومصر وعراق میں کیا اور نہ خلفاء راشدین حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم نے کیا پھر حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز خلیفہ ہوتے اور جیسا کہ تم کو معلوم ہے کہ وہ احیاء سنن میں اور اقامت دین کی کوشش میں اور اصابت رائے میں اور علم میں کسی مقام بلند پر تھے اور کس طرح سلف کے طریقہ پر کاربند تھے تو ان کو حضرت رزیقؒ بن حکم نے لکھا کہ تم مدینہ منورہ میں ایک شخص کی گواہی اور صاحب حق کی قسم پر فیصلہ کرتے تھے تو انہوں نے اس کا جواب دیا کہ ہم مدینہ منورہ میں ایسا ہی کیا کرتے تھے لیکن جب اہل شام کو اس کے خلاف فیصلہ کرتے دیکھا تو اب ہم دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کے بغیر فیصلہ نہیں کرتے اور انہوں

نے بھی کبھی بارش کی رات میں مغرب اور عشار میں جمع نہیں کیا حالانکہ بارش ان کے مکان پر ہوا کرتی تھی جو مناصرہ میں تھا۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ اہل مدینہ عورتوں کے مہر کے بارہ میں فیصلہ کرتے تھے کہ وہ جب چاہے اپنے مہر موجل کا مطالبہ کرے تو اس کو فوراً دیا جائے اور اہل عراق نے اس بارہ میں اہل مدینہ کی موافقت کرلی تھی بلکہ اہل شام ومصر نے بھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی نے اور نہ ان کے بعد کسی نے کسی عورت کو اس کا مہر موجل بجز موت یا طلاق کے تفریق کے دلواتے کا فیصلہ نہیں کیا کہ وہ اپنے حق کا مطالبہ کرسکے۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ ایلار کا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ طلاق ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ مرد اس کی حد مقرر کردے اگرچہ چار مہینے گزر جائیں اور مجھ سے حضرت نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور وہی مہینوں کے گزرنے کے بعد حد بندی کے راوی ہیں کہ ایلار جس کا ذکر اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے اس کے مطابق ایلار کرنے والے کو یہ جائز نہیں کہ جب مدت ختم ہو جائے تو بجز اس کے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یا تو رجوع کرے یا طلاق دے دے اور تم کہتے ہو کہ اگر وہ ان چار مہینے کے بعد جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر وہ ٹھیر گیا اور تجدید نہیں کی تو اس پر طلاق واقع نہ ہو گی اور ہم یہ بات پہنچی ہے کہ حضرات عثمان بن عفان اور زید بن ثابت اور قبیصہ بن ذویب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم نے ایلار کے بارے میں کہا ہے کہ اگر چار مہینے گزر جائیں تو اس پر ایک طلاق واقع ہو گی اور عدت میں اس سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت

کہتے ہیں کہ جب مرد اپنی عورت کو اختیار دیدے کہ یا شوہر کے پاس رہے یا اپنے کو طلاق دیدے تو اگر اس نے شوہر کے پاس رہنا اختیار کیا تو بھی اس پر ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے اپنے کو تین طلاق دے دیں تو بھی ایک طلاق واقع ہو گی۔ اور عبد الملک بن مروان نے یہی فیصلہ کیا تھا اور حضرت ربیعہؒ بن عبد الرحمن بھی یہی کہا کرتے تھے اور لوگ اس بات پر متفق تھے کہ اگر اس نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو اس پر طلاق واقع نہ ہو گی اور اگر اس نے اپنے لیے ایک یا دو طلاق اختیار کر لیں تو اس میں رجعت کا حق ہے اور اگر اس نے اپنے نفس کو تین طلاق دے دی تو اس سے جدا ہو گئی اور اس نے تک اس کے لیے وہ حلال نہ ہو گی جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اور اس سے جماع بھی کرے پھر اس کو طلاق دے یا مر جائے الا اینکہ وہ شوہر اسی مجلس میں اس پر رد کر دے اور کہہ دے کہ میں نے تجھے ایک طلاق کا مالک بنایا تھا اور اس پر قسم کھائے اور اس کے اور اس کی عورت کے درمیان چھوڑ دیا جائے گا۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کہتے ہیں کہ جس شخص نے لونڈی کا نکاح کر دیا پھر اس کے شوہر نے اس کو خرید لیا تو اس شوہر کا اس لونڈی کو خرید لینا تین طلاق ہو گئیں اور حضرت ربیعہ رح بھی یہی کہتے تھے اور اگر کسی آزاد عورت نے کسی غلام سے نکاح کر لیا پھر اس کو خرید لیا تو بھی یہی مسئلہ ہے، اور ہم کو تمہارے فتوی کی خبر ملی ہے کہ جو ناپسند ہیں اور میں نے بعض کے متعلق تم کو لکھا بھی تھا لیکن تمہارا جواب نہیں آیا تو مجھے خوف ہوا کہ شاید تم پر یہ بار گراں بن گیا ہو تو میں جن امور کو ناپسند کرتا ہوں اس کے بارہ میں تم کو لکھنا چھوڑ دیا اور ان امور کے بارہ میں بھی جن پر میں نے تمہاری رایوں پر اعتراض کیا ہو جن میں سے یہ بھی ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے حضرت افرح بن عاصم ہلالی کو جب کہ انہوں نے

نماز استسقاء پڑھنے کا ارادہ کیا اور یہ حکم دیا کہ خطبہ کے پہلے نماز پڑھیں تو یہ بات مجھے بری معلوم ہوئی اس لیے کہ نماز استسقاء کا خطبہ جمعہ کے دن کے خطبہ کے مثل ہے الا اینکہ جب امام خطبہ سے فراغت پانے کے قریب ہو تو دعا کرے اور اپنی چادر کو پلٹ دے پھر اتر کر نماز پڑھائے اور حضرات عمر بن عبدالعزیز اور ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم وغیرہما رحمہما اللہ نے ایسا ہی کیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک دعا اور خطبہ کو نماز پر مقدم رکھتے تھے اس لیے لوگوں نے زفر بن عاصم کے اس فعل کو ناپسند کیا اور تعجب سے دیکھا۔

اور انہی مسائل میں سے ایک یہ ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ اگر کسی مال میں دو شخص شریک ہوں تو ان دونوں پر صدقہ اس وقت تک واجب نہ ہوگا جب تک کہ ان میں سے ہر ایک کے حصہ میں اس قدر مال نہ ہو کہ جس پر صدقہ واجب ہو حالانکہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے خط میں ہے کہ دونوں پر صدقہ واجب ہے اور دونوں برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اور تمہارے پہلے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز وغیرہ کے زمانہ میں اسی پر عمل تھا اور اس کی روایت حضرت یحییٰؒ بن سعید نے کی ہے جو اپنے زمانہ کے افاضل علماؒ سے کمتر نہ تھے اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے اور ان کی مغفرت فرمائے اور جنت ان کا ٹھکانہ بنائے۔

اسی طرح مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم اس کے بارہ میں کہتے ہو جو دیوالیہ ہو جائے اور اس کو کوئی شخص سامان فروخت کر چکا ہو اور اس نے قیمت کا ایک حصہ لے لیا ہو یا خریدار نے کچھ مال صرف کر دیا ہو تو جو سامان اب اس کے پاس باقی ہے وہ لے لے لیکن عام دستور یہ تھا کہ بائع نے جب قیمت کا کچھ حصہ لے لیا یا خریدار نے سامان کا کچھ حصہ صرف کر دیا تو اب وہ مال بعینہ وہ نہیں رہا۔

اور انہی امور میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ یہ بیان کرتے ہیں

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ بن العوام کو صرف ایک گھوڑے کا حصّہ
دیا اور لوگ سب یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ان کو دو گھوڑوں کے چار حِصّے
دیے البتہ تیسرے گھوڑے کا آپ نے ان کو حِصّہ نہ دیا اور اس حدیث پر تمام
لوگوں کا یعنی اہل شام و اہل مصر و اہل عراق اور اہل افریقیہ کا اتفاق ہے اس میں
دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہے تو تمہارے لیے یہ زیبا نہ تھا کہ اس طرح
بیان کرتے اگرچہ کسی ایک محبوب شخص سے بھی تم نے سُنا ہو اور اس طرح تمام
امت کی مخالفت کرتے۔

اور اسی طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو میں نے چھوڑ دیں اور میں تمہارے
لیے اللہ سے توفیق چاہتا ہوں اور طول بقا۔ اس لیے کہ میں اس میں لوگوں
کا نفع دیکھتا ہوں اور تم جیسے شخص کے جانے سے مجھے لوگوں کے ضایع ہونے
کا ڈر ہے و نیز آپ سے مجھے جو انس ہے اگر مکان کی دوری ہے، تو آپ
کا تو یہ مرتبہ میرے پاس ہے اور میری یہ رائے آپ کے متعلق ہے تو اس کو
یقین مانئے اور اپنی حالت اور بال بچوں کی خیریت اور اپنی یا اپنے کسی متعلق
کی کوئی ضرورت ہو تو اس سے ضرور اطلاع دیجئے کہ اس سے مجھے بیحد
مسرت ہوگی اور ہم اب الحمدللہ بخیر و عافیت ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے سوال
کرتے ہیں کہ ہم کو اور آپ کو ان باتوں کے شکر کی توفیق عطا فرمائے جو اس
نے ہم کو عطا کی ہیں اور جو نعمتیں اس نے ہم کو عطا کی ہیں وہ تمام فرمائے اور تم
پر سلام اور اللہ کی رحمت۔"

ہم نے اس کو مکمل تمہارے سامنے پیش کرنے کا اس لیے ارادہ کیا تھا تاکہ ادبی
تنقید کی بہترین مثال ہو سکے کیونکہ ہم نے اختلاف کے بارہ میں اس سے زیادہ مہذب
اور شریفانہ طریقہ نہیں پایا کاش ہم اپنے آباء کے نقشِ قدم پر چل سکیں۔
لیکن شیعہ حضرات تو حدیث کو اسی وقت قابلِ اعتبار سمجھتے تھے جب کہ اس کی روایت
ان کے ائمہ کے واسطے سے یا ان کے ذریعہ سے پہنچے جو ان کے مذہب پر ہو اور اس

کے سوا سب چھوڑ دیا کرتے تھے کیونکہ جو حضرت علیؓ سے محبت نہیں رکھتا وہ اس بھروسہ کا اہل نہیں۔

اور اسی طرح خوارج نے ان احادیث پر انحصار رکھا جس کو وہ صحابہ میں سے دوست رکھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک احادیث وہی قابلِ اعتبار ہیں جو فتنہ کے پہلے ظاہر ہو گئیں اس کے بعد کی احادیث اور جمہور امت کو چھوڑ دیا اور ان کی دشمنی اختیار کی کیونکہ انہوں نے ان کے خیال کے مطابق ائمہ ظلم کی پیروی کی لہٰذا وہ ان کے اعتبار کے قابل نہ رہے لیکن وہ رائے جس پر عام اہل حدیث ہیں جن کے سرگروہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں یہ ہے کہ حدیث کا اعتبار اس طرح ہوتا ہے کہ ایک عادل شخص دوسرے اپنے جیسے عادل سے روایت حاصل کرے حتیٰ کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دے خواہ راوی ایک ہی کیوں نہ ہو اور اس کے علاوہ اور شرائط کا کوئی وزن نہیں رکھا اور اسی وجہ سے روایت کردہ حدیث کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے میں بڑا اختلاف ہوا۔ اسی لیے تم دیکھو گے کہ حنفی ایک حدیث پر اس کی شہرت کی وجہ سے عمل کرتا ہے اور شافعی اس کے سند کے ضعف کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیتا ہے اور مالکی کسی حدیث کو اس لیے چھوڑ دیتا ہے کہ عمل اس کے خلاف رہا ہے اور اسی حدیث پر شافعی اس کے سند کی قوت کی بنا پر عمل کرتا ہے اور جب شراح اور حامیان مذاہب اور اس کے ناقدین کا زمانہ آیا تو انہوں نے ان اصولوں کو اختیار نہیں کیا جس کو ان کے ائمہ نے اختیار کیا تھا اور ان کے مخالفین پر ہر اس حدیث کی مخالفت کا الزام لگانے لگے جس کی سند صحیح ہو اگرچہ وہ ان شرائط کو پورا نہ کرے جس کی اس کے ناقدین نے شرط لگائی تھی اسی طرح ہم ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہر اس حدیث کو کمزور قرار دینے کی کوشش کر رہے ہیں جس کو ان کے امام نے قبول نہیں کیا یا تو اس کی سند میں نکتہ چینی کر کے یا اور کسی وجہ کی بنا پر حالانکہ آسان طریقہ تو یہ تھا کہ وہ یہ کہہ دیتے کہ امام نے اس حدیث کو اس وجہ سے نہیں لیا کہ اس میں وہ شرط مکمل پوری نہ تھی جس کو امام نے حدیث پر عمل کرنے کے لیے ضروری کہا ہے اور عنقریب اور اس قسم کے بہت سے نظائر

آپ کی نظر سے گذریں گے۔

(نزاع دوم) قیاس اور رائے اور استحسان میں نزاع۔ صحابہ اور تابعین جب قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں کوئی حکم نہ پاتے تو مجبوراً رائے کو اختیار کرتے جیسا کہ ان کے فتاویٰ سے ظاہر ہے رائے کا مطلب یہ ہے کہ دین کے قواعد عامہ کی بنار پر کوئی حکم لگائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔

لا ضرر ولا ضرار ۔ نہ نقصان اٹھانا ہے اور نہ نقصان پہنچانا

اور جیسا کہ ارشاد نبوی ہے۔

دع ما یریبک الی ما لا یریبک ۔ جو چیز تم کو شبہ میں ڈالے اس کو چھوڑ دو اور وہ چیز اختیار کرو جو تم کو شبہ میں نہ ڈالے۔

مگر وہ اصل معین کا اہتمام نہیں کرتے تھے جو محل حادثہ کے مشابہ ہو جس کے متعلق وہ فتویٰ دے رہے ہوں جیسے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت محمد بن سلمہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے پڑوسی کی نہر کو اپنی زمین میں سے گزرنے دیں کیونکہ اس سے اس کے پڑوسی کا تو فائدہ تھا لیکن محمد کو اس سے کچھ نقصان نہ تھا تو اس فتویٰ کی علت اصل عام سے ہے کہ مفید چیز جائز اور مضر چیز ممنوع لیکن انہوں نے اس کو کسی اصل معین پر قیاس کر کے یہ حکم نہیں دیا تھا اور اسی کو فقہار کی اصطلاح میں مصالح مرسلہ کہتے ہیں یعنی جس کی کوئی اصل معین نہ ہو، لیکن اگر اسی رائے میں کچھ وسعت ہو جائے تو پھر وہ نقصان کا باعث ہو سکتی ہے کیونکہ اس سے اکثر حدیثوں کے چھوڑنے تک نوبت آجائے گی خصوصاً جب کہ اس رائے والا احادیث کی چھان بین کرنے والا ماہر نہ ہو اور کسی شہر کے عالم کے لیے یہ آسان نہیں کہ اس کے علم میں وہ تمام احادیث ہوں جو دوسرے شہروں میں پھیلے ہوئے علمار کے پاس ہیں اور اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو رائے سے فتویٰ دینے میں وسعت کرتے ہیں اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ اس حدیث کے خلاف فتویٰ دے دے جو اس کو یاد نہ ہو اور دوسرے کو وہ یاد ہو اسی بنا پر فقہا نے اس خطرہ کو محسوس کر کے رائے کے دائرہ کو محدود کر دیا

اور یہ شرط لگادی کہ رائے سے استنباط کرنے والے کے لیے ایک اصل معین ہونی چاہیئے جس کی طرف وہ فتویٰ دیتے ہیں رجوع کرے اور یہ اصل یا تو قرآن مجید ہو گی یا حدیث اور یہی قیاس ہے جس کو قرآن مجید اور احادیث کے بعد اصول شریعت میں سے ایک اصل قرار دیا اور اس میں فقہاء عراق نے بہت جدّوجہد کی مگر وہ اکثر قیاس کو چھوڑ کر ایک ایسی بات کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کو استحسان کہتے ہیں چنانچہ حضرت محمدؒ بن حسنؒ اکثر مبسوط میں کہتے ہیں کہ میں قیاس کو چھوڑ کر اس کو مستحسن سمجھتا ہوں کہ کبھی ان کا استحسان یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی اثر کی طرف رجوع کرتے ہیں جو مقتضائے قیاس کی مخالفت کرتا ہے یا اصول عامہ کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے اور اسی کو پہلے رائے کہا جاتا تھا ہم جانتے ہیں کہ قارئین کے سامنے وہ اصول رکھ دیے جس سے اہل حدیث اور اہل رائے کے موقف میں تمیز ہو جائے۔

اہل حدیث دو وجہ سے صرف احادیث کو اپنے سامنے رکھتے ہیں اوّل یہ کہ وہ قرآن کو مکمل کرنے والی ہیں دوسرے وہ خود مستقل احکام ہیں کہ شارع نے اس شخص کے لیے جو اسلام کو اپنا دین قرار دے ان کی حیثیت اطاعت کے لحاظ سے ایسی قرار دی ہے کہ اس کو ان علتوں کا سبب دریافت کرنے کی ضرورت نہیں جس کی شارع نے شریعت میں رعایت رکھی ہے اور نہ اس کے ایسے اصول عامہ قرار دیے ہیں جس کی طرف مجتہد رجوع کر سکے اور نہ مختلف ابواب کے خاص اصول رکھے ہیں اس لیے یہ صرف اس ملفوظ کے مقلد ہیں اسی لیے ہم ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ جب کسی مسئلہ میں نص نہیں پاتے تو خاموش رہتے ہیں اور فتویٰ نہیں دیتے لیکن اہل رائے و قیاس نے شریعت کو معنیٰ کے لحاظ سے عقلی قرار دیا اس کے لیے اصول عامہ قرار دیے جس کو قرآن مجید نے بیان کیا اور احادیث نے اس کی تائید کی اور اسی طرح ابواب فقہ سے ہر باب کے اصول بنائے جس کو قرآن مجید احادیث سے مرتب کیا اور تمام مسائل جو پیش آتے ہیں ان کو انہی اصول کی طرف لے گئے جو اس باب میں آتے ہوں اگرچہ اس مسئلہ میں کوئی نص نہ ہو اور وہ

احادیث کی صحت پر اہل حدیث ہی کی طرح اعتماد کر لیتے ہیں مگر وہ احادیث کی روایت زیادہ نہیں بیان کرتے اس لیے کہ ان کو اپنے اصولوں پر کافی بھروسہ ہے اور احادیث کے متعلق ان کی رائے بھی پہلے بیان ہو چکی ہے اور جب وہ ایسی احادیث پاتے ہیں جو ان اصولوں کی مخالفت کرتی ہوں اور ایسی احادیث صحیح ثابت ہو جائیں تو ان پر عمل کرنے سے نہیں ہٹتے اور اس وقت اس کو استحسان کہتے ہیں اور کبھی باب کے اصل معین پر قیاس کو چھوڑ کر اصول عامہ اختیار کرتے ہیں اس کو بھی استحسان کہتے ہیں اور جو شخص کہ ان مسائل سے واقف ہے جن کو ان فقہاء نے استنباط کیا ہے جو قیاس کے قائل ہیں اور وہی جمہور اسلام اس کو معلوم ہے کہ حضرت ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب اگرچہ لفظ استحسان میں اپنے کو منفرد قرار دیتے ہیں لیکن استحسان کے معنی میں جملہ فقہاء ان کے شریک ہیں چنانچہ حضرت مالکؒ نے اس کو مصالح مرسلہ کا نام دیا ہے حالانکہ وہ بھی استحسان کی ہی ایک قسم ہے اور مذاہب مختلفہ میں آپ کو بہت سے مسائل ملیں گے جن کی بنیاد وہی استحسان پر ہے۔

اور انہی قیاس اور استحسان کرنے والے جلیل القدر صحابہ اور سلف صالح ہیں جیسے دور اول میں حضرت عمرؓ اور دور ثانی میں حضرت ابن عباسؓ اور تابعین میں حضرات ربیعہ و ابراہیم نخعی رحمہما اللہ۔

اس دور میں اہل سنت اور اہل رائے کے درمیان سخت اختلاف واقع ہوا جو ایک طرف قیاس و استحسان کے ماننے والوں پر عام ہے اور دوسری جہت اہل قیاس اور اہل استحسان کے درمیان بھی ہے اور یہ سب اہل الرائے کے خلاف ہو گئے بعض میں اہل حدیث و متکلمین سب برابر کے شریک ہو گئے حالانکہ ان دونوں فریقوں کے درمیان آپس میں عداوت تھی کیونکہ شریعت کے بارے میں اہل حدیث کا خیال تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں اور متکلمین شریعت کو محض ایک تعبدی و تقلیدی چیز مانتے تھے جس میں غور و قیاس کی گنجائش نہیں کہ ہر وہ چیز جو شارع سے ثبوت کامل کے ساتھ ثابت ہو جس میں کوئی شک نہیں تو اس پر عمل لازم ہو جاتا ہے۔

اس لیے وہ اہل حدیث کے ساتھ اس بات میں متفق ہیں کہ وہ تعبد محض ہے لیکن وہ اہل حدیث سے اس بات میں اختلاف رکھتے ہیں کہ حدیث کا اعتبار شریعت کے اصول میں ایک اصل کے لحاظ سے نہیں سمجھتے۔

ہر ایک فریق اپنی حجت پیش کرنے لگا ہم نے بھی ایسی ایسی تحریریں اہل حدیث کی اور متکلمین کی دیکھی ہیں جن کے ذریعہ رائے کی ہنسی اڑائی گئی ہے مگر دونوں فریق میں ایک ہی روح کارفرما نہیں ہے کیونکہ اہل حدیث شریعت کو اس سے بالاتر سمجھتے تھے کہ وہ اہل الرائے کی رایوں کی جولانگاہ بن جائے اس لیے کہ شریعت اللہ کی طرف سے ہے خواہ وہ قرآن مجید ہو یا حدیث اور جو شریعت ایسی ہو وہ خطا اور اختلاف سے بعید ہے اور رائے انسان سے متعلق ہوتی ہے جس میں خطا کا بھی امکان ہے اور اصابت کا بھی اور یہاں اختلاف اور تفریق رونما ہوگی جس کی ہم کو ممانعت کی گئی ہے اور متکلمین کہتے ہیں کہ شریعت نے مختلف امور کو جمع کر دیا ہے کہ اس نے تمام احکام کو جمع کر دیا اور متشابہات کو الگ کر دیا اسی لیے اس کے احکام بھی مختلف ہو گئے اور اس قسم کے احکام بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو ایسے ہوں اس میں عقل کے غور کا میدان نہیں ہے۔

اور بہترین تحریر قیاس کی طرف سے مدافعت کرنے کی اور اس کو شرعی حجت قرار دینے کی ہم تک پہنچی ہے وہ یہ ہے جو ہم نے امام محمد بن ادریس کے رسالہ رہبولہ میں اور کتاب اُمّ میں پڑھی ہے اور قیاس کی تردید میں ہم نے جو بہترین تحریر دیکھی ہے وہ ہے جس کو حضرت داؤد بن علی امام اہل ظاہر نے لکھی ہے جو تیسری صدی کے نصف میں پیدا ہوئے اور اپنا مذہب اس بنیاد پر قائم کیا کہ قرآن مجید اور احادیث کے ظاہر پر عمل کیا جائے اور قیاس کو بالکل چھوڑ دیا جائے حالانکہ اس زمانہ کے اکثر فقہاء نے قیاس کو شریعت کے اصول میں سے ایک اصل قرار دیا اور سب سے پرانا قول امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا ہے اور اسی لیے انہوں نے صرف اصحاب رائے کے نام سے شہرت حاصل کی۔
لیکن استحسان پر تو حضرت محمد بن ادریس شافعی نے اپنے رسالہ میں اور کتاب الاُمّ کے ساتویں باب میں سخت حملہ کیا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

اس شخص کے لیے جو حاکم یا مفتی ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ بغیر خبر یقینی کے حکم لگائے یا فتویٰ دے اور وہ قرآن مجید ہے یا حدیث یا جس کو اہل علم نے کہا ہو اور اس میں آپس میں اختلاف نہ ہو یا اسی پر قیاس ہو لیکن استحسان کے ذریعہ حکم لگانا یا فتویٰ دینا جائز نہیں اور کیونکہ استحسان واجب نہیں اور نہ ان معانی میں سے کسی میں شامل نہیں، اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے۔

ایحسب الانسان ان یترک سدًی ۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یونہی بے لگام چھوڑ دیا جائے گا۔

اور قرآن مجید کا صحیح علم رکھنے والے جیسا کہ تم کو معلوم ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں رکھتے "سُدی" وہ ہے جس کو نہ حکم دیا گیا اور نہ ممانعت کی گئی اور جس نے فتویٰ دیا یا حکم لگایا اس چیز میں جس کا اس کو حکم نہیں دیا گیا تو گویا اس نے اپنے نفس کو "سُدی" میں داخل ہونے کی اجازت دے دی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم کرا دیا تھا کہ اس نے اس کو بے لگام (یعنی "سُدی") نہیں چھوڑا اور یہ بھی ان کی رائے ہے کہ اگر اس نے یہ کہا کہ میں چاہتا ہوں کہتا ہوں اور دعویٰ کیا کہ قرآن مجید اور احادیث میں اس کے خلاف ہے تو اس نے انبیأ اور جماعت کے عام احکام کی مخالفت کی جس سے تمام لوگوں نے روایت کی، پھر اس کے بعد وہ فرماتے ہیں جس نے یہ کہا کہ میں استحسان نہ خدا کے حکم سے کرتا ہوں نہ رسول کے حکم سے تو اس نے خدا اور رسول کے قول کو قبول نہیں کیا اور نہ اس کی تلاش کی جائے گی کہ اللہ اور رسول کے حکم سے کیا کہا اور اس کو ل کے کہنے والے کی بالکل کھلی غلطی ظاہر ہو گی کیونکہ وہ کہتا ہے کہ میں کہتا ہوں اور اس بات پر عمل کرتا ہوں جس کا نہ مجھ کو حکم دیا گیا اور نہ اس سے منع کیا گیا اور اس کا کوئی نمونہ نہیں جس کا مجھے حکم دیا گیا یا جس سے مجھے روکا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے قول کے خلاف فیصلہ کیا اور کسی کو بغیر

اطاعت اختیار کرنے کے نہیں چھوڑا۔"

پھر وہ کہتے ہیں کہ

جس نے یہ حق حاصل کر لیا کہ وہ بغیر یقینی خبر اور اس پر قیاس کر کے حکم یا فتویٰ دے تو اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ اس کے اس قول کا مطلب کہ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اگرچہ مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا اس نے کتاب و سنت کے مقصد کی مخالفت کی اور اسی کی زبان سے اس پر اعتراض ہو گا اور اس قول کا مطلب کہ میں اس بارے میں کسی کو نہیں جانتا مخالف ہو گا اگر کہا جائے کہ وہ کیا ہے تو کہا جائے گا کہ میں کسی اہل علم کو نہیں کہ اس نے کسی عقلمند صاحب ادب کو اجازت دی ہو کہ وہ اپنے نفس کی رائے سے حکم یا فتویٰ دے یہاں تک کہ وہ اس چیز کا عالم ہو جس پر کتاب و حدیث و اجماع اور متشابہات کی تفصیل کے لیے عقلی امور کا دارومدار ہو اگر وہ اس کا دعویٰ کریں تو اس سے کہا جائے گا کہ کیوں ان عقلمندوں کے لیے جن کی عقلیں قرآن و سنت جاننے والوں کی عقلوں سے زیادہ ہیں اور فتاویٰ میں بھی وہ سب سے زیادہ ماہر ہیں یہ کیوں جائز ہے کہ وہ یہ کہیں جب کوئی بات ان کے سامنے پیش آئے جس کے متعلق مسئلہ وہ جانتے ہیں کہ اس بارے میں نہ قرآن کا کوئی حکم ہے نہ حدیث میں نہ اجماع حالانکہ وہ سب عقل میں فہم میں عوام سے زیادہ بہتر طریقہ پر ظاہر کر سکتے ہیں اگر تم یہ کہو کہ ان کو اصول کا علم نہیں ہے تو تم سے کہا جائے گا کہ خود تمہارے لیے کیا دلیل ہے کہ تم اصول جانتے ہو جب کہ تم خود بغیر اصل پر قیاس کے کہتے کیا تم کو خوف ہے کہ اہل عقول جو اصول سے ناواقف ہیں وہ ان لوگوں سے زیادہ ہیں جو اصول کو نہیں جانتے تو وہ قیاس بہتر نہیں کر سکتے ان باتوں کا جو وہ نہیں جانتے اور کیا تمہارا اصول کو جاننا اس پر قیاس کرنا تم کو سکھا دیا یا تمہارا لیے اس کا چھوڑ دینا جائز کیا ہے اور اگر چھوڑنا جائز کر

دیا ہے تو ان کو تمہارے ساتھ گفتگو کرنا جائز ہے اس لیے کہ ان پر جس بات کا ڈر زیادہ ہے اس پر قیاس کا چھوڑ دینا یا اس میں خطا کرنا ہے میں ان کو نہیں جانتا مگر یہ کہ صواب پر ان کی تعریف کروں گا اگر وہ تم سے نمونہ لیے بغیر کہیں گے اگر ان میں سے کسی کی تعریف کی جا سکتی ہو کہ وہ بغیر کسی نمونہ کے کہے کیونکہ وہ کسی نمونہ کو نہیں جانتا اسی لیے انہوں نے اس کو چھوڑ دیا اور تم سے زیادہ وہ خطا میں معذور ہیں کیونکہ انہوں نے تو ان کو بھی خطا کی ہے جن کو وہ نہیں جانتے اور تم کو میں ان سے زیادہ گنہگار سمجھوں گا جب کہ تم نے ان باتوں کو چھوڑ دیا جو تم جانتے ہو ان اصول پر قیاس کرنے کو جن سے تم ناواقف نہیں ہو، اور اگر تم یہ کہو کہ ہم نے جو قیاس کو چھوڑا تو وہ اصل سے ناواقفیت کی بناء پر نہیں چھوڑ رہے ہے، تو کہا جائے گا کہ اگر قیاس حق ہے تو تم نے حق کی مخالفت کی اس کو جانتے ہوئے تو اس میں وہ گناہ ہے کہ اگر تم اس سے ناواقف ہو تو تم اس کے اہل نہیں کہ علم کے بارہ میں کوئی گفتگو کر سکو اور اگر تمہارا یہ زعم ہو کہ تمہارے لیے قیاس کا چھوڑ دینا، اور جو کچھ تمہارے اوہام میں آ گیا اور ذہنوں میں جم گیا اور تمہارے کانوں نے جس کو اچھا سمجھا اس کا کہنا جائز ہے تو تم نے قرآن و حدیث اور اس پر اجماع کے دلائل کی وہی صفت بیان کی جو ہم نے تعریف کی کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ علم یقینی کے بغیر کچھ کہے ''۔

وہ پھر فرماتے ہیں۔

کہ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ جب حاکم اور مفتی کسی معاملہ میں جس میں حدیث کا کوئی حکم نہ ہو اور نہ قیاس ہو یہ کہے کہ میں اس کو مستحسن سمجھتا ہوں تو لازمی ہے کہ یہ خیال کرے کہ دوسرے کے لیے جائز ہے کہ اس کے خلاف استحسان کرے پھر ہر شہر کا حاکم اور مفتی جو بات مستحسن سمجھے گا وہی کہے گا

تو ایک ہی چیز میں مختلف احکام اور فتاویٰ دیئے جائیں گے تو اگر یہ ان کے نزدیک جائز ہو تو انھوں نے اپنے نفسوں کو مہلت دے دی کہ انھوں نے جیسا چاہا حکم کر دیا اگرچہ وہ تنگ ہو کہ اس میں داخل ہونا ان کے لئے جائز نہ ہو۔ اور اگر وہ شخص جو قیاس کا قائل ہے یہ کہے کہ لوگوں کو میرا کہا ماننا ضروری ہے، تو اس سے کہا جائے گا۔ کہ کس نے تمہاری اطاعت کا حکم دیا ہے کہ لوگوں پر تمہاری اتباع ضروری ہو ذرا تم غور کرو کہ اگر تمہارے علاوہ کوئی اور بھی اس کا دعویٰ کرے تو تم اس کی اطاعت کرو گے یا کہو گے کہ میں اس کے سوا کسی کی اطاعت نہ کروں گا جس کی اطاعت کا مجھے حکم دیا گیا ہے تو اسی طرح کسی پر کسی کی اطاعت واجب نہیں بلکہ اطاعت اسی کی واجب ہے۔ جس کا اللہ تعالےٰ یا اس کے رسول نے اس کی اطاعت کا حکم دیا ہو اور حق اسی میں ہے۔ جس کی اتباع کا اللہ و رسول نے حکم دیا ہو۔ اور اللہ تعالےٰ نے اور اس کے رسول نے اس پر نص کے ذریعہ دلیل دی ہو یا دلائل سے استنباط کا حکم دیا ہو"

مندرجہ بالا عبارت میں امام شافعیؒ نے جو کچھ کہا اس میں گویا وہ دیکھ رہے ہیں کہ محمدؒ بن حسن یہ کہتے ہیں کہ میں اس کو استحسان سمجھتا ہوں اور قیاس کو چھوڑ رہا ہوں اور ابو حنیفہؒ نے مستحسن سمجھا اور قیاس کو چھوڑ دیا" اور ان سب کو اس شخص کے مقام میں رکھا جو بغیر کسی مثال کے محض اپنے وہم و خیال سے کہتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے حضرت محمد بن حسنؒ کے اقوال کی تفسیر کی ہے اور جو ان کے کلام سے سمجھ میں آتا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ استحسان کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ کسی حدیث کے بناء پر یا کسی اصول عامہ کی طرف رجوع کیا جائے جو دراصل متقدمین کی رائے کا کام ہے۔ یا کسی دوسری معین اصل کی طرف رجوع کیا جائے اور خود امام شافعیؒ نے قیاس کرنے والوں کے اختلاف کے بیان میں لکھا ہے کہ کبھی کوئی مسئلہ پیش آتا ہے جس میں قیاس کا احتمال ہوتا ہے تو دونوں اصلوں میں اس کی شباہت معلوم ہوتی ہے تو ایک شخص ایک اصل کی طرف اور دوسرا دوسری اصل کی طرف جاتا ہے جس سے وہ مختلف ہو جاتے ہیں۔ اہل عراق کا استحسان کہنے کا مطلب مسئلہ کو دوسری اصل کی طرف جو خاص ہو یا عام لے جانا ہوتا ہے

اور یہ قول بجز خواہش کے نہیں ہوتا بلکہ صرف لفظی بحث رہ جاتی ہے۔ جو آسان ہے۔

اور حضرت امام شافعی رح نے اپنی کتاب میں جس کا نام "رَدٌّ عَلیٰ محمد بن الحسن ہے" لکھا ہے کہ فقہ میں محمدؒ بن حسن جس کی طرف گئے ہیں یہ ہے کہ فقہ میں کوئی بات بجز خبر یقینی یا قیاس کے نہیں کہی جاسکتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس دور میں قیاس کو شریعت میں اصل قرار دینے کا مسئلہ بہت کامیابی حاصل کر گیا اگرچہ کہ اس کو بطورِ استنباط اختیار کرنے میں فقہاء ایک درجہ پر نہ رہے جیسا کہ حنفیہ اس میں بہت شدت اور غلو رکھتے تھے اور حنابلہ اور مالکیہ کا نفوذ اس میں بہت کم تھا اور شافعیؒ دونوں فریقوں کے درمیان تھے لیکن شیعہ اور اہل حدیث اس سے بہت دور تھے اور ظاہریہ تے اس کو چھوڑنے میں بہت غلو سے کام لیا۔

(سوم) اجماع کے متعلق نزاع، فقہاء بعض مسائل کی حجت بیان کرتے وقت یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے گو اجماع بھی کتاب وسنت کی طرح دین کی ایک اصل قرار دیتے ہیں اور اس بارہ میں قرآن واحادیث کی نصوص سے جن کا مفہوم یہ ہے کہ جماعت سے نکلنا حرام ہے دلیل لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے مراد بجز اس کے کچھ نہیں کہ حلت وحرمت میں جماعت کی مخالفت کی جائے چنانچہ امام شافعیؒ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے دلیل لائے ہیں۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصله جھنم وساءت مصیرا

اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امرِ حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ ہو لیا تو ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ مومنین کے راستے کے سوا راستہ کا اتباع ہی اجماع کی مخالفت ہے لیکن جب اپنے مخالفین کے ساتھ مناظرہ کیا تو اس اجماع کا انکار کر گئے

جس اجماع کے ان کے مخالفین مدعی تھے اور اس سے انکار کر گئے کہ بجز اس فرض کے جس سے کوئی شخص لاعلم نہیں رہ سکتا جیسے نمازیں اور زکواۃ اور حرام کی حرمت اور کسی میں یہ اجماع نہیں ہے لیکن خاص علم جس کا نہ جاننا عوام کو نقصان نہیں پہنچاتا تو ہم اس کے بارہ میں دو قولوں میں سے ایک قول کہتے ہیں۔ جس بارہ میں ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے اختلاف کیا ہم یہ کہہ دیں گے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ انھوں نے کن باتوں میں اختلاف کیا ہے۔ اور جن باتوں میں اختلاف کیا ہے۔ اس بارہ میں ہم کہیں گے کہ انھوں نے اختلاف کیا اور اجتہاد کیا تو ان کے جو اقوال قرآن مجید یا احادیث سے زیادہ مشابہ تھے وہ ہم نے لے لیا اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کی بھی دلیل نہ ملے حالانکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ دلیل نہ ملے، یا وہ قول لیں گے جو ابتداء نظرت و انجام کے لحاظ سے اہل علم کے نزدیک مستحسن ہو، اور ان کے اختلاف پر یہ کہنا بھی صحیح ہو گا۔ جیسا کہ میں نے بیان کر دیا کہ ہم یہ کہیں کہ یہ قول چند لوگوں سے مروی ہے۔ جنہوں نے آپس میں اختلاف کیا تو ہم نے دو کو چھوڑ کر تین کا قول اختیار کیا یا تین کا چھوڑ کر چار کا اختیار کر لیا اگرچہ ہم اس کو اجماع نہیں کہیں گے۔ کیونکہ اجماع اس شخص پر حکم ہو گا جو ان لوگوں کی طرف سے نہ کہے جن کو ہم نہیں جانتے کہ اگر وہ کہتا تو کیا کہتا اور یہ اجماع کی روایت کا ادعا ہے اور کبھی اس بات میں مخالف بھی پایا جاتا ہے جس میں اجماع کا دعوی کیا ہو۔

اور کسی مناظرہ کرنے والے نے ایک سوال کیا۔ جس کا تعلق مجتہدین کی شخصیت سے متعلق ہے۔ تو اس کو فرمایا تو آپ نے اس سے سوال فرمایا کہ "وہ اہل علم کون ہے کہ جب وہ کسی بات پر اتفاق کر لیں تو ان کا اتفاق حجت ہے" تو اس نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کسی شہر والے فقیہ بنا لیں اور اسکے قول پر راضی ہو جائیں اور اس کے حکم کو قبول کر لیں،" اس پر آپ نے بڑا طویل مناظرہ کیا پھر فرمایا۔

"میں کہتا ہوں کہ میں اہل کلام کے سب فرقوں کو اکثر شہروں میں پھیلا ہوا پاتا ہوں کہ انھوں نے آپس میں ایسا ہی ایک شخص مقرر کر لیا ہے جیسا کہ تمہارا مقصود ہے اور تم بھی ایسے شخص کو اس مقام پر رکھ رہے ہو جو تم نے بیان کیا وہ بھی ان ہی فقہاء میں داخل ہیں۔

جن کے اتفاق کے بغیر فقہاء کا کلام قبول نہیں کیا جا سکتا یا یہ ان میں سے خارج ہوں گے۔"

پھر آپ نے اس سے دوسرا سوال کیا جو اجماع کے نقل سے متعلق تھا چنانچہ فرمایا "تم اپنے قول پر غور کرو کہ حجت اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک کہ تمام شہروں کے فقہاء اس پر متفق نہ ہو جائیں تو کیا تم ان سب کے اتفاق کی صورت نکال سکتے ہو اور حجت اس وقت تک کسی ایک پر قائم نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان سب سے نہ مل لو یا عام طور پر لوگ ان لوگوں میں ہر ایک سے روایت نہ کریں"۔

تو اس نے جواب دیا کہ یہ ممکن نہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم نے خاص خاص لوگوں کے نقل کرنے کو قبول کر لیا تو تم نے وہی بات قبول کر لی جس پر تم نے عیب لگایا اور اگر تم نے تمام نقل کے بغیر ہر فقیہ کے قول کو قبول نہیں کیا تو ہم تمہارے اس قول کی اصل نہ پائیں گے کہ جس پر تمام شہروں والے متفق ہو جائیں جب کہ ہم خواص کے نقل کرنے کو قبول نہ کریں کیونکہ ابتداءً اس کا کوئی طریقہ نہیں کیونکہ وہ تمہارے لئے کسی جگہ جمع نہ ہوں گے اور عام لوگوں کا عام لوگوں سے ان سے نقل کرنے کی خبر تم نہیں پا سکتے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ کے پاس اجماع کے وجود سے انکار کی معقول وجہ موجود ہے کیونکہ یہ اس پر موقوف ہے کہ ہر زمانہ کے مجتہدین کی شخصیت کا علم ہو اور عوام عام طور پر اس کا اعتراف کریں اور اس مسئلہ میں جس کے متعلق فتویٰ لیا جا رہا ہے ہر ایک شخص کا قول منقول ہو اور ان سے یہ قول ایک ایسی جماعت نقل کرے جو جھوٹ اور غلطی سے پاک ہو اور یہ بجز ان امور کے جو علم عام کہلاتے ہیں اور امور میں ممکن نہیں جیسے اس بات کا علم کہ فرض نمازیں پانچ ہیں۔ اور یہ کہ صبح کی نماز دو رکعت ہے اور اسی طرح کے اور امور۔ لیکن جس کو علم خاص کہا جاتا ہے۔ تو بہت کم ایسا دیکھا گیا ہے کہ تم کوئی مسئلہ ایسا پاؤ جس کے متعلق آسانی سے کہہ سکو کہ ایک زمانہ کے مجتہدین نے اس کے جواب میں اتفاق کر لیا ہے اور اسی لئے حضرت امام احمدؒ سے منقول ہے کہ جس نے اجماع کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا ہے۔

اور باوجودیکہ حضرت شافعیؒ حقیقت اجماع کا انکار کرتے ہیں۔ پھر بھی وہ دین کی ایک حجت اس کو قرار دیتے ہیں۔ کہ سلف سے حکم کو نقل کیا جائے اور ان کو اس میں کسی اختلاف کا علم نہ ہو گویا ان کے نزدیک اختلاف حجت کی تعبیر میں ہے نہ کہ نفس حجت میں۔

اور احناف اکثر اجماع سکوتی کا ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص جواب دے اور سب خاموش رہیں لیکن جیساکہ ہم دیکھتے ہیں وہ اس کو تائید حدیث کا ایک طریقہ سمجھتے ہیں۔ جیساکہ اس سے پہلے سنت کی فصل میں بیان کیا جاچکا ہے گویا وہ احتراز چھوڑ دینے کی وجہ سے صحت حدیث پر موافقت کر رہے ہیں تو یہ ان کے عام لوگوں کی متفقہ خبر ہوئی کیونکہ اگر ان کے نزدیک کوئی حدیث ایسی موجود ہوتی جو اس کے مخالف ہوتی تو وہ رد کرنے میں تامل نہ کرتے۔

اور امام مالکؒ اکثر یہ فرماتے ہیں کہ "یہی مسئلہ ہمارے پاس متفق علیہ ہے" اور وہ بھی اس کو ایک طریقہ تائید حدیث کا سمجھتے ہیں جیساکہ ہم نے بیشتر بیان کردیا اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں قرآن مجید اور احادیث سے کوئی حکم نہ ملے اور اس کے متعلق سلف کا کوئی فتویٰ مل جائے اور ان میں کسی سے ابھی فتویٰ کے بارہ میں اختلاف معلوم نہ ہو تو جمہور فقہاء اس کو دین میں حجت قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کا یہ اجماع کسی رائے کی بناء پر نہیں ہوتا ہے کیونکہ رائے میں اختلاف ضروری ہے اور یہ حقیقت میں سنت پر عمل کرنے کی طرف راجع ہے۔ اور اختلاف کا نہ ہونا کسی سنت کے وجود کی دلیل ہے جس پر فتویٰ کا دارومدار ہے۔ چنانچہ ایسا مسئلہ جس میں علماء نے اجتہاد کیا ہو اس میں انصاف بہت ہی کم پایا جاتا ہے۔

(چہارم) نزاع اس عظیم مسئلہ میں جس پر تکلیف احکام شرعیہ کا دارومدار ہے۔
احکام شرعیہ کی تکلیف کا دارومدار صرف دو حکموں پر ہے۔ کرو، اور نہ کرو اور انہی دونوں میں سے پہلے کو امر دوسرے کو نہی کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں امر بھی ہے نہی بھی اور احادیث میں بھی امر و نہی ہے تو جس بات پر دونوں کا امر یا دونوں سے منع ثابت ہو تو کیا؛

دونوں حکم کے لازمی ہونے میں فرض اور منع میں حرام ہیں یا دونوں کے احکام میں کچھ مراتب ہیں حتیٰ کہ ان کے موکد ہونے کی دوسری دلیل کی ضرورت ہوگی اور اگر یہ کہا جائے کہ دونوں کا امر اور دونوں کی نہی لازمی ہے تو اگر مامور بہ عبادت اور معاملات میں دوسرے امر سے مربوط ہو تو کیا اس کا چھوڑ دینا مخل ہوگا؟ جس سے وہ مربوط ہے اور اس خلل کی مقدار کیا ہوگی؟ اور اسی طرح جس سے منع کیا جائے وہ بھی کسی چیز سے مربوط ہو تو کیا اس کا فعل کسی چیز میں موثر ہوگا؟ اور اس کی تاثیر کی مقدار کیا ہوگی؟ اس مسئلہ میں ہم چند مثالیں دیتے ہیں جن سے مقصود کی وضاحت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یا ایھا الذین امنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلاث مرات ؕ	اے ایمان والو غلام اور ان لوگوں کو تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیئے۔

تو یہ اجازت لینے کا امر کسی دوسری شئے سے مربوط نہیں ہے، اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔:

یا ایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم۔	اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ۔

تو یہ امر وضو کا عبادت سے یعنی نماز سے مربوط ہے اور فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا

یا ایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمًّی فاکتبوہ ؕ	اے ایمان والو جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا ایک میعاد معین تک (کیلئے) تو اسکو لکھ لیا کرو

تو یہ لکھنے کا امر بھی ایک مقصد یعنی قرض کے تحفظ کا ذریعہ ہے۔ اور ارشاد فرمایا۔

یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن ؕ	اے پیغمبر آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) جب تم لوگ (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے

لگو تو ان کو (زمانہ) عدت (یعنی حیض) سے پہلے (یعنی طہر میں) طلاق دو۔

تو اس امر میں بھی طلاق میں ابتدائی عدت کے خیال رکھنے کا جو حکم ہے وہ بھی ایک مقصد

یعنی طلاق ذریعہ ہے تاکہ وہ مطلقہ کے لئے ضرر کا سبب نہ ہو۔

تو کیا یہ کہا جائے گا کہ ہر وہ چیز جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے حتمی ہے اور یہ اگر کسی دوسری چیز سے مربوط ہو تب بھی حتمی ہوگا اور اگر وہ چھوڑ دی جائے جس میں وہ مربوط ہے تو نماز بغیر وضو کے باطل ہو گی اور بغیر کتابت کے قرض باطل ہو گا۔ اور اس کا دعویٰ قابل قبول نہ ہوگا اور اگر عورت حایضہ ہو تو طلاق باطل ہو گئی ——— اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ÷	اور جس جان (کے قتل) کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو بغیر حق کے قتل مت کرو

تو قتل جس سے منع کیا گیا ہے۔ وہ کسی دوسری چیز سے مربوط نہیں ہے ——— اور ارشاد فرمایا۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ و انتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون۔	اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ تم منہ سے کیا کہتے ہو۔

تو قرار دیا کہ مست کا نماز پڑھنا نماز کے ساتھ مربوط ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مناجات کا صحیح موقع حاصل کر سکے اور فرمایا۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ و ذروا البیع ÷	اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز و خطبہ) کی طرف فوراً چل پڑا کرو اور خرید و فروخت (اور دوسرے مشاغل جو ہیں چھوڑ دیا کرو۔

تو بیع جس سے منع گیا ہے۔ وہ نماز کی حفاظت کے لئے ہے اور فرمایا۔

وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واٰتیتم احدٰھن قنطاراً فلا تاخذوا منہ شیئاً ÷	اور اگر تم بجائے ایک بی بی کے دوسری بی بی کرنا چاہو اور تم اس ایک کو انبار کا انبار مال دے چکے ہو تو تم اس میں سے

پھر بھی مت لو۔

تو لینا جس سے منع کیا گیا ہے وہ مربوط ہے طلاق سے تو کیا یہ کہا جائے گا۔ کہ ہر وہ چیز جس سے منع گیا ہے اور یہ کہ جب وہ کسی چیز سے مربوط ہو تو وہ بھی حرام ہوئی اور اس حرمت سے متاثر ہوئی اور اس تاثیر کی مقدار کیا ہے؟ اس کا بالکل باطل ہو جانا، یا فقط اس کا نقصان مثلاً کہا جائے گا۔ کہ اذان کی آواز سننے کے بعد بیع اور طلاق کے بعد مال کا لینا اور مست شخص کی نماز حرام ہے تو ان صورتوں میں اس کے اثر کی کیا مقدار ہوگی، اسی طرح احادیث میں بھی اوامر و نواہی موجود ہیں تو کیا تمام وہ باتیں جن کا حکم دیا گیا ہے اور جن سے منع کیا گیا حتمی ہیں اور جن چیزوں پر یہ مربوط ہے ان کے مخالفت کے اثر کی مقدار کیا ہے۔

یہ مسئلہ باوجودیکہ اہم ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا وہ شریعت کی بنیاد ہے اس دور کے فقہاء نے اس پر اتفاق نہیں کیا بلکہ اس کی تفصیل اور اجمال میں بہت سے اختلاف کیے ہیں۔

چنانچہ امام شافعیؒ نے کتاب الام کے پانچویں جز صد ۱۲۷ میں لکھا ہے کہ قرآن مجید واحادیث اور عوام کے کلام میں امر کے کئی معانی کا احتمال ہے۔

(اول)، یہ کہ اللہ عزوجل نے اولاً پہلے کسی چیز کو حرام کیا ہے پھر اس کو جائز قرار دیا تو گویا یہاں پر امر کے معنے احرام ہے۔ جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

واذا حللتم فاصطادوا ۚ — اور جسوقت تم احرام سے باہر آجاؤ تو شکار کیا کرو

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فاذا قضيت الصلوٰة فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل الله ۚ — پھر جب نماز (جمعہ) پوری ہو چکے تو (اس وقت تم کو اجازت ہے) تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو۔

اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے احرام کی حالت میں شکار کو حرام کیا اور اذان کے وقت بیع کو حرام کیا پھر ان کو حرام اوقات کے علاوہ حلال کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وآتوا النساء صدقاتھن نحلۃ فان طبن لکم عن شیء منہ نفسا فکلوہ ھنیئا مریئا ؛

اور تم لوگ بیبیوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو ہاں اگر وہ بیبیاں خوش دلی سے چھوڑ دیں تم کو اس مہر میں کا کوئی جزو تو تم اسکو کھاؤ مزہ دار خوشگوار سمجھ کر۔

اور جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا ؛

پس جب قربانیاں (کسی) کروٹ کے بل گر پڑیں (اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو تم خود بھی کھاؤ۔

اور اللہ عزوجل کی کتاب اور اس کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس کی بہت مثالیں ہیں مگر احرام سے فارغ ہونے کے بعد شکار کرنا اور نماز جمعہ کے بعد تجارت کے لئے علیحدہ ہونا اور اگر عورت بخوشی مہر چھوڑ دے تو اس سے فائدہ اٹھانا اور ذبح ہونے کے بعد قربانی کا گوشت کھانا واجب اور فرض نہیں ہے اس کا احتمال ہے کہ ان کو بتایا ہو کہ نکاح میں کیا بھلائی ہے اسی کی طرف متوجہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم ؛

اور تم میں (یعنی احرار میں) جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو۔

اس لئے کہ اللہ عزوجل نے اس کی یہ مصلحت بتائی۔

ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ ؛

اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو خدائے تعالیٰ (اگر چاہے گا) انکو اپنے فضل سے غنی کر دیگا

جو اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح غناء اور عفت کا ایک سبب ہے جیسے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ۔

سافروا تصحوا وترزقوا ؛

سفر کرو تو صحت پاؤ گے اور رزق ملے گا۔

کہ یہ ایک دلالت ہے نہ یہ کہ طلب صحت و رزق کے لئے سفر کرنا فرض ہو۔

اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ نکاح کا حکم لزوم کا ہو کیونکہ جو بات اللہ کی طرف سے فرض بتائی جائے اس میں فائدہ بھی ہے اس لئے فرض اور بھلائی جمع ہو جائیں گے۔

اور بعض علماء نے کہا کہ جملہ احکام اباحت پر ہیں اور رشد پر دلالت حتمی ہے دلالت کتاب یا سنت یا اجماع سے اس بات پر ہوگی کہ حکم سے لزوم مراد ہوگا تو وہ فرض ہوگا جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد کہ۔

واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ ؛ تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

تو یہ دلیل ہے کہ یہ دونوں حتمی ہیں اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ

خذ من اموالھم صدقۃ ؛ آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ (جس کو یہ لائے ہیں) لے لیجے۔

اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ۔

واتموا الحج والعمرۃ للہ ط حج وعمرہ کو اللہ تعالیٰ کے واسطے پورا پورا ادا کرو۔

اور اللہ نے کا ارشاد کہ۔

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً ؛ اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے یعنے اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک پہنچنے کی۔

اللہ تعالےٰ نے اس میں حج اور عمرہ کا ذکر ایک ساتھ کیا اور فرض میں حج کا علیحدہ ذکر کیا اسی لئے۔ اکثر اہل علم نے عمرہ کو لزوم میں نہیں گنا اگرچہ ہم یہ نہیں چاہتے کوئی مسلمان اس کو چھوڑے اور اس قسم کی مثالیں قرآن میں بہت ہیں۔

اور جس سے اللہ تعالےٰ منع فرمادے تو وہ بالکل حرام ہے جب تک ایسی دلیل نہ مل جائے جس سے یہ ثابت ہو کہ اس سے ممانعت حرمت کے لئے نہیں ہے بلکہ ارشد یا تنزیہ یا اس کا ادب ملحوظ ہے اس وقت تک حرام سمجھی جائے گی اور جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے وہ بھی اسی طرح ہے۔

اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے۔ کہ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ امر فرض ہے اس وقت تک وہ غیر فرض رہے گا اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ امر ونہی کے درمیان جو فرق ہم نے بیان کیا ہے اس پر وہ دلالت ہو اور جو کچھ ہم نے ابتداء کتاب میں قرآن اور سنت سے

بیان کر دیا اور اسی کے مشابہ امور سے اسی لئے ہم نے خاموشی اختیار کی کہ جن امور کو ہم نے بیان نہیں کیا ان سے وہ بہت زیادہ اور کافی ہے جن کو ہم نے ذکر کر دیا۔ حضرت سفیان رح نے محمد ابن عجلان سے انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

من ذروني ما ترکتکم فانہ انما هلک من کان قبلکم بکثرۃ سوٴالهم واختلافهم علی انبیائهم فما امرتکم بہ من امر فأتوا منہ ما استطعتم وما نهیتکم عنہ فانتھوا ؎	میں جس چیز کا بیان کرنا تم سے چھوڑ دوں تم بھی چھوڑ دو کیونکہ تمہارے پہلے کے لوگ ان کے کثرت سوال سے اپنے انبیاء سے اختلاف کی وجہ ہلاک ہو گئے لہذا میں تم کو جس بات کا حکم دوں اسکو بجالاؤ جتنا تم کر سکو اور جب میں تم کو منع کر دوں اس سے بچو۔

اور کبھی امر کے متعلق احتمال ہوتا ہے کہ امر نہی کے معنے ہیں ہو تو وہ دونوں لازمی ہوں گے الا اینکہ اس کی دلالت مل جائے کہ وہ دونوں غیر لازمی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ۔

فأتوا منہ ما استطعتم علیکم [1]	کہ اسکو بجالاؤ جس کی تم کو استطاعت ہو۔

دراصل حکم کا بجالانا ہے ان امور میں جن کی استطاعت ہو کیونکہ لوگ اسی کے مکلف ہیں جس کی ان کو استطاعت ہو اور فعل میں شئے کی استطاعت ہی حقیقی چیز ہے کیونکہ وہ تکلیف سے کیا جاتا ہے۔ لیکن نہی سے مراد یہ ہے کہ ہر اس چیز کو چھوڑ دے جس کے چھوڑنے کی استطاعت ہو کیونکہ وہ کوئی چیز کی تکلیف نہیں دیتا ہے بلکہ وہ ایسی چیز ہے جس سے باز رہنا پڑتا ہے۔

امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ اور اہل علم پر لازم ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت اور سنت کی معرفت کے وقت دلائل کی تلاش کریں تاکہ وہ حتمی اور مباح اور ارشاد حرام و نہی میں حتمی نہ ہو) میں فرق کر سکیں۔

---

[1] ۔ ایک نسخہ میں علیھم ہے یعنے اپنر

اور امام شافعی رح رسالہ میں فرماتے ہیں کہ نہی کبھی کسی معنی میں ہوتی ہے اور کبھی کسی معنی میں اور یہ استدلال کے ایک طریقہ سے معلوم ہوتا ہے۔

اور اس کی کچھ مثالیں بھی دی ہیں۔ جس میں سے ہم بعض بیان کرتے ہیں تاکہ وہ بقیہ مثالوں پر دلالت کرسکیں۔

حضرات ابی ہریرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے پھر فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت نہ ملتا کہ آپ کا اس بات سے منع کرنا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے ایک معنی میں امر ہے اور ایک معنی میں نہی تو یہ ظاہر ہے کہ یہ بات حرام ہو جاتی کہ اپنے بھائی کی منگنی پر آدمی منگنی کی ابتدا منگنی کے ختم تک نہ کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ تم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ یہ آپ کی طرف سے جواب ہو۔ جس سے آپ نے حدیث میں کوئی ایک معنی مراد لئے ہوں اور جس شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہو اس نے یہ سبب نہ سنا ہو جس کی بنا پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہو اس لئے اس نے کچھ حصہ بیان کر دیا ہو اور کچھ چھوڑ دیا ہو۔ یا اس نے بعض حصوں میں شک کیا اور جس میں شک کیا اس کے بیان کرنے سے خاموشی اختیار کرلی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص کے بارہ میں پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے منگنی کی اور وہ اس سے راضی ہو گئی۔ اور اس سے نکاح کرنے کی اجازت بھی دے دی پھر ایک اور شخص نے اس عورت سے منگنی کی عورت کے نزدیک دوسرا شخص پہلے شخص سے زیادہ بہتر تھا تو اس نے پہلے کو چھوڑ دیا جس سے نکاح کرانے کی اجازت دی تھی تو آپ نے عورت کی دوسری منگنی کرنے سے منع فرما دیا کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ اس عورت نے پہلے جس کو اجازت تھی۔ اس سے پھر کر دوسرے کو اجازت دیدے لیکن اگر دوسرا شخص اس سے نکاح نہ کرے تو اس میں اس عورت کے حق پر بھی خرابی ہوگی۔ اور اس شخص پر بھی جس سے نکاح کرانے کی اس نے اجازت دے دی تھی۔

پھر حضرت فاطمہ بنت قیس رضؓ کی حدیث بیان کی کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابو جہم رضی اللہ عنہما نے دونوں نے ان سے نکاح کا پیغام دیا ہے تو آپ نے فاطمہ رضؓ سے فرمایا کہ ابو جہم تو ہر وقت سفر میں رہتے ہیں اور معاویہ مفلس ہے جن کے پاس کچھ مال نہیں اس لئے تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو اس حدیث سے دو باتوں کی دلیل ملتی ہے ایک تو کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ ان دونوں نے جو منگنی کی ہے۔ تو ایک کی منگنی دوسرے کی منگنی کے بعد ہی ہوئی ہے۔ لیکن آپ نے نہ دونوں کو منع کیا اور نہ ان دونوں سے کچھ فرمایا کہ ان دونوں میں سے ایک کو یہ حق حاصل نہ تھا۔ کہ تجھ کو پیغام دیتا۔ جب تک کہ ایک اپنی منگنی نہ چھوڑ دے اور پھر ان دونوں کی منگنیوں پر آپ نے اسامہ بن زیدؓ کے لئے پیغام دیا اس سے ہم کو یہ دلیل ملتی ہے کہ وہ ان سے نکاح کے لئے راضی نہ تھیں اور اگر وہ ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کے لئے راضی ہوتیں تو آپ ان کو حکم دے دیتے کہ جس سے وہ راضی ہیں ان سے نکاح کر لیں اور یہ کہ فاطمہ رضؓ نے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ کس کس نے ان کی منگنی کی ہے تو یہ اس بات کی خبر تھی کہ انھوں نے کسی کو اجازت نہیں دی اور ممکن ہے کہ وہ حضورؐ سے اس بارہ میں مشورہ کر رہی ہوں اور یہ ان کے لئے جائز نہ تھا۔ کہ آپ سے مشورہ کرتیں جب کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو اجازت دے چکی ہوں۔ پس جب آپ نے ان کو اسامہ کے لئے منگنی کی تو ہم اس سے دلیل کرتے ہیں کہ ان کی جس حالت میں آپ نے منگنی کی وہ اس سے مختلف تھی جس حالت میں آپ نے اس کی منگنی کرنے سے منع کیا تھا اور ایسی حالت جس میں ایک شخص کی منگنی درست اور دوسرے شخص کی حرام ہو اس کی صرف ایک صورت ہے کہ اس نے ولی کو نکاح کی اجازت دے دی ہو تو شوہر کا یہ حق ہو جاتا کہ اگر ولی نکاح کر دے تو اس نکاح کو قائم رکھے اور ولی اس عورت کو نکاح پر مجبور کرے اور وہ اس کے لئے جائز ہوگی لیکن اس سے پہلے تو اس عورت کی حالت یکساں ہوتی اور ولی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اجازت سے پہلے تو اس کا نکاح کرے اور اس وقت تک اس کا میلان اور عدم میلان دونوں برابر ہیں۔

امام شافعیؒ نے اس مقدمہ کا جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہوا حدیث میں جو ممانعت ہے

وہ اس منگنی کی ہے۔ جو عورت نے ولی کو نکاح کی اجازت دینے کے بعد کی ہو تاکہ ولی کا معاملہ جائز ہو جائے۔ لیکن جب تک ولی کا معاملہ جائز نہ ہو تو عورت کے دونوں حال برابر ہیں۔

بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ حدیث میں ممانعت سے مراد یہ ہے کہ جب عورت کا اپنی منگنی والے کی طرف میلان ہو تو دوسرے شخص کو منگنی کرنے کا حق نہیں امام شافعی رح نے جو یہ قید لگائی کہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ نکاح کی اجازت دے دی ہو۔ اور یہ مالک بن انس اور ابی حنیفہ رحمہم اللہ کی رائے ہے، امام مالک نے موطا میں حدیث کی روایت کے بعد بیان کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا مطلب ہماری رائے میں یہ ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے کہ کوئی مرد کسی عورت سے پیغام نکاح دے اور عورت اس کو پسند کرے اور دونوں معینہ مہر پر متفق اور راضی ہو جائیں اور عورت مرد کو اپنے لئے پابند بنالے تو اس صورت میں یہ ممانعت ہے کہ اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ جب مرد کسی عورت سے منگنی کرے اور عورت نے اس کی موافقت نہ کی نہ اس کی طرف مائل ہوئی تو ایسی صورت میں بھی دوسرا شخص نکاح کا پیغام نہیں دے سکتا۔ کیونکہ یہ لوگوں کے فساد کا دروازہ کھولنا ہے۔

دونوں امام مطلق حدیث کو مقید کرنے پر متفق ہیں اگرچہ دونوں کا طریقہ میں اختلاف ہے اس لئے کہ اس کا فساد کا دروازہ ہے۔ جو لوگوں پر کھلے گا اور شافعی رح کی قید حدیث حضرت فاطمہ بنت قیس رضہ کی حدیث سے استدلال کی بنا پر ہے۔

اور بعض فقہاء نے ممانعت کو مطلق رکھا ہے اور کہا ہے کہ کسی کو جائز نہیں کہ وہ کسی عورت سے منگنی کرے جب کہ دوسرے نے پیغام منگنی دیا ہو حتیٰ کہ منگنی کرنے والا اس کو چھوڑ دے۔ لیکن اگر کسی نے اس حدیث کے مخالف نکاح کر لیا تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے جب کہ امام ابو حنیفہ رح اور شافعی رح کا تو یہ قول ہے کہ عقد ہو جائے گا۔ کیونکہ ممانعت تحریمی نہیں ہے بلکہ کراہت کے لئے ہے اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ عقد فسخ ہو جائے گا۔ اور مالک رح سے یہ دونوں قول بھی مروی ہیں اور ایک تیسرا

قول بھی اور وہ یہ کہ زفاف سے قبل نکاح فسخ ہو جائے گا۔ لیکن زفاف کے بعد عقد قائم رہے گا۔

اور جیسا ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اختلافات کی بنیاد خود نہی میں اختلاف کے سبب ہے۔

دوسری مثال اس کی کہ وجوب سے مراد فرض ہونا نہیں ہے یہ ہے کہ حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے" اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ تم میں سے جو شخص جمعہ کے دن آئے تو وہ غسل کرلے تو فرمایا کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روز جمعہ کے غسل کے بارہ میں یہ ہے کہ واجب ہے اور آپ کا حکم غسل کا دو معنی کا احتمال رکھتا ہے ان دونوں میں سے ظاہر تو یہ ہے کہ واجب ہے۔ گویا نماز جمعہ کے لئے غسل کے سوا کوئی طہارت کافی نہیں جیسے کہ ناپاک کی طہارت کے لئے بجز غسل کے کوئی صورت نہیں اور اس کا بھی احتمال ہے کہ وہ اختیار اور پاکیزگی اور درستی اخلاق کے لحاظ سے واجب ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوئے اس وقت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب خطبہ دے رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یہ کون سی گھڑی ہے تو عرض کیا یا امیر المومنین میں بازار سے پلٹ رہا تھا تو اذان کی آواز سنی اس لئے میں صرف وضو ہی کرسکا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صرف وضو ہی حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے، امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات یاد رکھتے ہیں کہ آپ جمعہ کے دن غسل کا حکم دیا کرتے تھے اور یہ بھی جان لیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی یہ بات معلوم تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم غسل کا یاد دلایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہو گیا تو جس شخص کو یہ وہم ہو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھول گئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو ان کو نماز کے قبل یاد دلا دیا لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غسل کے چھوٹنے کی وجہ سے نماز کو نہیں چھوڑا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کے لئے نکلنے کا حکم نہ دیا تو

یہ اس کی دلیل ہے کہ دونوں اس بات اچھی طرح جانتے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم غسل کے لئے اختیاری تھا نہ اس بات پر کہ اس کے سوا کوئی چیز کافی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نہ حضرت عمرؓ اپنا حکم غسل کے لئے چھوڑنے والے تھے اور نہ عثمانؓ جب کہ ہم کو معلوم ہوگیا۔ کہ وہ غسل کو چھوڑنا یاد دلا رہے ہیں۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم غسل کے لئے یاد دلا رہے ہیں۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ یہ حکم اختیاری تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہاں پر فقہاء کے درمیان جو اختلاف تھا وہ امر و نواہی سے استنباط احکام کے طریقہ میں تھا کہ کبھی وہ فرض و تحریم پر باقی رکھتے تھے اور کبھی وہ اس کو مستحب و کراہت کی طرف لے جاتے تھے اور کبھی صرف ارشاد کی طرف کچھ قرائن سے یا استدلال سے یا رائے سے کرتے تھے ہم یہاں چند مثالیں جو استنباط میں فقہاء کی باریک بینی ظاہر کرتی ہیں درج کرتے ہیں۔

۱- شارع نے معاملات کو اسباب قرار دیا ہے ان کے مسببات کا جیسا کہ بیع کو سبب بنایا کہ بیچنے والے کو فروخت شدہ چیز کی قیمت مل جائے اور خریدنے والے کو چیز کی ملکیت مل جائے اور رہن کو سبب بنایا مرتہن کے حق کو ثابت کرنے کا مرہونہ شئی پر تاکہ وہ مقدم ہو جملہ قرض خواہوں پر اسی طرح اور بھی معاملات ہیں جن کو جائز قرار دیا اور اس کو اسباب بنایا ہے اور بعض اوقات شارع سے ان معاملات کی ممانعت صادر ہوئی ہے جب کہ کوئی صفت اس سے متصل ہو جائے جیسے کہ سود میں کہ کسی چیز کی قیمت کو غیر معینہ مدت تک موخر کرنے میں تو کیا یہ معاملات مسببات کا سبب نہیں بن سکتے۔ اور وہ باطل ہو جاتے ہیں کہ ان کے ذریعہ نہ تو ملکیت منتقل ہوتی اور نہ کوئی حق ثابت ہوتا بعض فقہاء کی یہی رائے ہے لیکن امام ابوحنیفہ رح اور ان کے اصحاب نے اس میں بہت باریک بینی سے غور کیا ہے ان کی رائے ہے کہ عقد بیع مثلاً اس کو شارع نے مسبب کے لئے وضع کیا ہے اور وہ ملکیت کا منتقل ہونا ہے اور مکروہ صفت کے کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس قسم کی بیع حرام ہے مگر دونوں سببوں میں کوئی تناقض

نہیں ہے۔ تو ان میں سے ہر ایک کا اثر ساتھ ساتھ ظاہر ہو سکتا ہے اور اس نظریہ سے ایک ایسی بیع کا علم ہوتا ہے۔ جس سے ایک ہی وقت میں انتقال ملکیت بھی ہو جاتا ہے اور حرام بھی ہو جاتی ہے مگر انھوں نے ملکیت کے فائدہ مند ہونے کے لیے قبضہ کے حصول کی شرط لگائی ہے۔ اور اس شکل میں بیع کا نام "فاسد" رکھا ہے اور کہا کہ خرید و فروخت کرنے والے دونوں فریق پر یہ لازم ہے کہ نہی کے اثر کو زائل کرنے کے لیے بیع کو لوٹا دیں اور اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا اور خریدنے والے نے خریدی ہوئی چیز میں تصرف کر لیا تو دراصل وہ اپنی اس ملک میں متصرف ہے جس کو اس نے بیع سے حاصل کیا ہے اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ ہم نے صرف اپنی رائے سے یہ مسلک نہیں اختیار کیا ہے۔ بلکہ ہم نے خود شارع کو طلاق کے معاملہ میں اسی طریقہ کو اختیار کیے ہوئے پایا ہے کیونکہ طلاق ان تصرفات شرعیہ میں سے ہے جس سے عقد زوجیت ٹوٹ جاتا ہے اور شارع نے حکم دیا ہے کہ طلاق اس طہر میں ہونا چاہیئے جس میں شوہر نے عورت سے صحبت نہ کی ہو اس وجہ سے حایضہ عورت کی طلاق ممنوع ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت ابن عمر رضہ نے جب ایسا کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی بیوی سے رجعت کا حکم دیا اور اس طلاق کا اعتبار کیا جو بیوی کے حایضہ ہونے کی حالت میں دی گئی تھی اور یہ دلیل ہے۔ اس بات کی تصرف شرعی سے ممانعت کسی مکروہ صفت کے ساتھ ہونے کی بناء پر اس کی سببیت کو ختم نہیں کرتی ہے اور یہ ان لوگوں کے رد کے لئے بہت وقیع ہے جو ممنوع طلاق کا اعتبار کرتے ہیں۔ لیکن ممنوعہ بیع کا اعتبار نہیں کرتے کیونکہ دونوں واقعہ نظریہ کے اعتبار سے برابر ہیں لیکن اہل ظاہر کی مخالفت میں اس سے کام نہیں چلتا۔ کیونکہ جملہ تصرفات شرعیہ میں جب کہ اس سے منع کیا جائے تو قول کو رد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں اور اسی لیے حایضہ کی طلاق کا اعتبار نہیں کرتے کہ وہ ممنوع ہے اور اس کی صحت پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔ جو پہلے فریق یہ ثابت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طلاق کے اعتبار کرنے کا حکم دیا جو ابن عمر رضہ نے دی تھی۔

اس کی ایک مثال ہے کہ اللہ تعالے نے مدت والے قرض کی دستاویز لکھنے کا حکم

دیا ہے اور اس کی نہایت تاکید کی ہے جیساکہ ان آیت دین کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر فقہاء کی رائے ہے۔ کہ قرض کا لکھنا واجب نہیں اور وہ ایک ہدایتی حکم ہے تو جس نے اس پر عمل کر لیا اس نے اپنے نفس کی احتیاط کر لی اور جس نے نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اپنے نفس کے لئے احتیاط کو چھوڑ دیا اور ان کی یہ رائے اللہ تعالے کے اس قول سے ماخوذ ہے جو ختم آیت پر ہے۔

فان امن بعضکم بعضاً فلیؤد الذی اؤتمن امانتہٗ ؛ اور اگر دوسرے کا اعتبار کرتا ہو تو جس شخص کا اعتبار کر لیا گیا ہے اس کو چاہیئے کہ دوسرے کا پورا حق ادا کر دے۔

اور اہل ظاہر نے اس میں اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ قرض کی کتابت فرض ہے مثل اور واجبات کے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ جس نے نہیں لکھا وہ گناہگار ہے اور غالباً وہ اس کو اس وقت مقید کرتے ہیں جب کہ قرض خواہ قرضدار کو حکم نہ دے جیسا کہ آخری آیت سے ظاہر ہے۔

اور امر و نہی کے مسئلہ میں بحث اور اس پر جو خلاف مرتب ہوتا ہے استنباط میں اس قدر طویل دامانی رکھتا ہے۔ کہ جس کا استقصاء ممکن نہیں جس قدر کہ ہم نے یہاں بیان کر دیا یہ جاننے کے لئے کافی ہے کہ وہ نزاع کا میدان ہے اور اختلاف کے اسباب میں سے ایک سبب ہے اور یہی ان لوگوں کے درمیان فرق کو ظاہر کر دیتا ہے جن میں ایک فقہ کی روح کا خیال رکھتا ہے اور دوسرا فریق صرف نصوص کی عبارت و حروف پر نظر رکھتا ہے

اصول فقہ کی تدوین

احکام کے اصول میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء نے اصول فقہ مدوّن فرمائے اور یہ وہ قواعد ہیں جن پر ہر مجتہد احکام کے استنباط میں ان کا اتباع کرتا ہے اور حضرات ابویوسف و محمد بن حسن رحمہا اللہ کی تاریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے ان اصول کے بارہ میں

کوئی کتاب لکھی تھی ۔ لیکن افسوس کہ ان کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ہم کو دستیاب نہ ہو سکی ۔

لیکن جو کچھ ہم تک پہنچا اور جو اس علم کی صحیح بنیاد اور اس میں نظر کرنے والوں کے لئے دولت عظمیٰ ہے ۔ تو وہ رسالہ ہے ۔ جس کو محمد بن ادریس امام شافعی رح مکی مصری نے لکھوایا ہے ۔ جس میں درج ذیل امور سے بحث کی گئی ہے ۔

(۱) قرآن اور اس کے بیان سے (۲) حدیث اور قرآن سے اس کی نسبت کا جو مقام ہے ۔ (۳) ناسخ و منسوخ (۴) احادیث کی علتوں سے (۵) خبر واحد (۶) اجماع (۷) قیاس (۸) اجتہاد (۹) استحسان (۱۰) اختلاف

فصل اول میں قرآن پاک کی کیفیت اور اس کی مختلف اقسام بیان کی ہیں ۔

(۱) جس کو اللہ نے اپنی مخلوق کے لئے حکم قطعی قرار دیا جیسے جملہ فرائض ۔

(۲) جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں فرض قرار دیا اور اسکی کیفیت اپنے نبی کی زبانی بیان کی ہو جیسے نماز کی رکعات کی تعداد ۔

(۳) جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دیا جس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم قطعی نہیں ہے ۔

(۴) جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اس کے طلب میں اجتہاد فرض کیا اور اجتہاد سے انکی طاعت کی آزمائش ہو جیسے اور فرائض میں اطاعت کی آزمائش کی اور ہر قسم کی متعدد مثالیں دیں جو سمجھنے کے لئے کافی ہوں ۔

پھر بیان کیا کہ قرآن عربی میں ہے اس میں کوئی چیز زبان عرب کے سوا نہیں ہے اور ان لوگوں سے مناظرہ کیا ۔ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن میں عربی اور عجمی دونوں زبانوں کے الفاظ ہیں ۔

اور ان کے اس بات کو کو ثابت کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل عرب قرآن کو اسی طرح سمجھیں گے جیسے کہ عرب اپنے کلام سے اس کے معانی سمجھتے ہیں اور عربوں کی بول چال کا طریقہ یہ ہے کبھی ایسا لفظ بولتے ہیں جن کا ظاہر بھی عموم ہوتا ہے

اور اس سے مراد بھی عموم ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی مثال یہ ہے۔

اللہ خالق کل شئ فاعبدوہ و ھو علیٰ کل شئ وکیل ۞ — اللہ ہر چیز کا پیدا کرنیوالا تم لوگ اسکی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔

اور کبھی اس کا بظاہر عموم ہوتا ہے مگر اس سے خاص مراد ہوتا ہے اور اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم ۞ — یہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ لوگ تمہارے جمع ہوئے ہیں۔

تو نہ تو تمام لوگوں نے کہا نہ تمام لوگ جمع ہوئے، اور کبھی کلام کا ظاہر کسی خاص معنی پر دلالت کرتا ہے۔ اور سیاقِ کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد ظاہری معنی نہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد۔

واسأل القریۃ التی کنا فیھا والعیر التی اقبلنا فیھا ۞ — اور اس بستی سے پوچھ لیجئے جہاں ہم موجود تھے اور اس قافلہ والوں سے پوچھ لیجئے جس میں ہم شامل ہو کر آئے ہیں۔

تو سیاق سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سے مراد گاؤں والے اور قافلہ والے ہیں اور کبھی قرآن اور ظاہر تو عام ہوتا ہے اور سنت اس کے خصوص پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ آیت میراث میں ہے کہ ظاہراً تو عام معلوم ہوتا ہے لیکن سنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بعض والدین اور بچے اور شوہر و بیوی مراد ہیں یعنی وہ والدین اور بچے اور میاں بیوی جن کا دین ایک ہو اور ان میں سے قاتل اور غلام وارث نہ ہوں گے۔

اس کے بعد یہ بیان فرمایا ہے کہ سنت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے اتباع کے لئے فرض کی گئی ہے اور یہ حکمت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے

ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ۞ — اور انکو (آسمانی) کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیا کریں۔

اور یہ ارشاد

واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من — اور تم ان آیات الٰہیہ کو اور اس علم (احکام) کو یاد

آیات اللہ والحکمۃ ؁ دکھوں کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔

اور انھوں نے سنت کی حجیت پر تفصیلی دلائل قائم کئے ہیں۔ اور پھر فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اللہ عز وجل کی کتاب کے ساتھ دو طریقوں سے متعلق ہیں، ایک یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا اتباع اسی طرح کیا جس طرح اللہ تعالے نے اتارا ہے اور دوسری مجمل ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے تشریح بیان اور اس کی وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالے نے اس کو کس طرح فرض کیا ہے اور یہ کہ وہ خاص ہے یا عام ہے اور بتایا ہے کہ بندے ان پر کیسے عمل کریں لیکن ہر دو میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے کلام کا اتباع کیا ہے پھر فرمایا کہ حدیث کی ایک تیسری قسم وجہ بھی ہے یعنی وہ حدیثیں کہ جن کے متعلق قرآن مجید کا کوئی حکم صریح نہیں ہے اور اس میں اختلاف ہے بعض نے تو اس کو جائز قرار دیا ہے بعض نے کہا ہے کہ ان کی کوئی ایسی سنت نہیں ہے جس کی اصل قرآن مجید میں سے نہ ہو تو جو کچھ آپ نے حلال وحرام فرمایا وہ دراصل اللہ تع کے حکم کی تفصیل ہے جیسے نماز اور بعضوں نے کہا ہے کہ آپ کے پاس اللہ کا پیغام آیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حدیثوں کو مسنون فرمایا اور بعضوں نے کہا کہ تمام حدیثیں بذریعہ الہام آپ کے دل میں ڈالی گئیں امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہو بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت فرض کر دی اس کے بعد ناسخ ومنسوخ کے بارے میں آپ نے کلام کیا پھر ظاہر کیا کہ قرآن میں کبھی نسخ ہوتا ہے اپنے مخلوق پر رحم اور توسع کے لئے اور ان پر جو نعمت کی ابتداء کی گئی تھی اس میں زیادتی کے لئے۔ اور ظاہر کیا کہ قرآن مجید صرف قرآن ہی سے منسوخ ہوتا ہے حدیث سے قرآن کا نسخ نہیں ہو سکتا بلکہ حدیث قرآن کے تابع ہوتی ہے۔ کبھی بعینہ نص قرآن کا اتباع کرتی ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے مجمل کلام کے مرادی معنی کی تفسیر کرتی ہے اسی طرح حدیث بھی حدیث ہی سے منسوخ ہو سکتی ہے اور ان کی دلیل سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی رائیں جو حدیث سے کم درجہ پر ہیں حدیث کو منسوخ نہیں کر سکتیں مگر وہ قرآن سے منسوخ ہو سکتی ہیں بمگر اس کے ساتھ کوئی ایسی سنت بھی ہو جو ظاہر کرے کہ وہ منسوخ ہے اور وہ اس احتیاط کی بناء پر ہے کہ لوگ

عموم قرآن کو لے کر کہیں خاص سنتوں کو نہ چھوڑ دیں۔ اور یہ دلیل پیش کریں کہ عموم قرآن خاص سنت کا ناسخ ہے چنانچہ انھوں نے اس کی وضاحت کی ہے۔

پھر بیان کیا کہ کبھی سنت سے یہ دلیل لی جاتی ہے کہ ایک قرآنی آیت دوسری آیت سے منسوخ کر رہی ہے جیسا کہ وصیت اور میراث کی آیتوں میں۔

لا وصیۃ لوارث : وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔

اس حدیث سے دلیل لی گئی ہے کہ میراث وصیت کی ناسخ ہے لہذا والدین واقربا کے لئے وصیت کی ضرورت نہیں۔ مگر طاؤس رح اور ان کے ساتھ چند لوگوں کا خیال ہے کہ وصیت والدین کے لئے تو منسوخ ہے لیکن غیر وارث اقرباء کے لیے باقی ہے۔

آپ نے پھر کچھ مثالیں ان فرائض کی دیں جن کو اللہ تعالی نے بطور حکم کے نازل فرمایا اور پھر فرائض منصوصہ بیان کئے جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اور وہ فرض منصوص بھی ذکر کئے جس کے لئے سنت نے بتلایا کہ اس سے کوئی خاص چیز مراد ہے۔

پھر فقہاء کے اتفاق کے بارے میں بیان کیا کہ وہ قاتل کو مقتول کی وراثت باوجود عموم قرآن کے نہیں دلواتے یہ ایک ایسی دلیل ہے جو ان کو لازم کراتی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کسی چیز میں فرق نہ کریں۔ کیونکہ جب وہ اس درجہ پر ہو جس میں اللہ تعالے کا کوئی فرض منصوص ہے تو وہ اسبات کی دلیل ہے کہ وہ بعضوں کے لئے ضروری ہے اور بعضوں کے لئے نہیں تو اس کے مثل قرآن مجید کے اور فرائض کا بھی یہی حال ہوگا اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام بیان کئے ہیں۔ اور اس میں اللہ تعالی کا کوئی حکم منصوص نہیں ہے ان کا بھی یہی حال ہوگا اور مناسب یہ ہے کہ عالم اس کے لزوم میں کوئی شک نہ کرے اور جان لے کہ اللہ عزوجل کے احکام پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام مختلف نہیں ہیں اور دونوں ایک ہی طریقہ پر ہیں۔

اس کے بعد علل احادیث کا بیان کسی نامعلوم شخص کے اعتراض سے شروع کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سے بعض تو ایسی احادیث پاتے ہیں جس کے مثل قرآن مجید میں نص ہے اور بعض اسی کے مثل قرآن میں مجمل مخصوص ہیں۔ اور بعض احادیث وہ ہیں جو قریب قریب قرآن سے ماخوذ ہیں اور بعض احادیث ایسی ہیں جن کے متعلق قرآن میں کچھ نہیں ہیں اور بعض احادیث متفق الیہ ہیں اور بعض مختلف اور بعض ناسخ و منسوخ اور بعض مختلف کہ جس میں ناسخ و منسوخ کی کوئی دلالت نہیں ہے۔ اور بعض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں آپ نے جس چیز سے منع کیا ہے وہ حرام ہے اور بعض میں ممانعت ہے تو کہتے ہیں کہ آپ کی ممانعت اور حکم اختیاری ہے نہ کہ حرمت کے طریقہ پر پھر ہم دیکھتے ہیں کہ تم بعض مختلف احادیث کو لیتے ہو اور بعض کو چھوڑ دیتے ہو اور تم لوگ حضور کی بعض احادیث پر قیاس کرتے ہو اور تمہارے اس قیاس میں اختلاف ہو جاتا ہے اور بعض احادیث کو چھوڑ دیتے ہو اس پر قیاس نہیں کرتے تو قیاس کے کرنے اور نہ کرنے پر تمہارے پاس کیا حجت ہے پھر تم متفرق ہو جاتے ہو کہ تم میں سے کوئی حدیث میں سے کسی چیز کو چھوڑ دیتا ہے اور جس قدر چھوڑا اسی کے مثل لے لیتا ہے یا سند کے لحاظ سے اس سے ضعیف قبول کر لیتا ہے علل حدیث کی وضاحت کے بعد حضرت معصون علیہ الرحمۃ نے پھر سنت کے ناسخ و منسوخ سے بحث کی اور اس پر بہت سی مثالیں بیان کیں اور مختلف احادیث بیان کیں جو ظاہر ہیں تو اس کے اختلاف کی وجوہ بیان کیں اور یہ کہ مجتہد کا عمل کس طرح ہوگا۔ ان کی تطبیق یا ترجیح دینے کے بارہ میں۔

اس کے بعد خبر واحد کے ثبوت میں بحث کی ہے، اس کی حجت ہونے کے سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے۔

پھر اجماع کے مسئلہ میں بحث کی ہے اور اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے دلیل بیان کی ہے جن کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت مسلمین کے لزوم کی ترغیب دی ہے اور کہا کہ اس کے معنے بجز اس کے نہیں

ہیں کہ مسلمانوں کی جماعت جس چیز کو حلال و حرام کہتی ہے اسی کی اطاعت کرنی چاہیئے۔

پھر قیاس و اجتہاد پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ یہ دونوں ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں اور قیاس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ چیز اصل کے معنی میں رہے کہ اس میں قیاس مختلف نہ ہو دوسری یہ کہ ایک چیز کے اصول میں متعدد مشابہ چیزیں ہوں اس وجہ سے اس چیز کا قیاس اس سے کیا ہو جو اس سے زیادہ متعلق ہو اور اس سے مشابہ ہو اور اسی میں قیاس کرنے والے مختلف ہوتے ہیں، اور انھوں نے قیاس کی حجت بیان کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ وہ امور دین سے ہے اور اجتہاد سے جو اختلاف پیدا ہوا اس میں وسعت دی اور حضرت عمرو بن العاص کی حدیث روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حاکم نے حکم کیا اور اس میں اجتہاد کر کے صحیح فیصلہ کیا تو اس کو دو اجر ملیں گے اور اگر اجتہاد میں خطا کی تو اس کو ایک اجر ملے گا۔

پھر استحسان سے بحث کی اور اس کے قائلین کی تردید کی اور استحسان یہ ہے کہ جو حدیث و قیاس کے بغیر ہو اور یہ بھی بتایا ہے کہ کس کو قیاس کا حق ہے پھر فرمایا کہ قیاس کی کئی وجوہ ہیں۔ جس میں قوی تر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑا سا حرام بتائیں تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس کا قلیل حرام ہوگا۔ تو اس کا کثیر بھی حرام ہوگا کہ قلت پر شدت کی زیادتی سے وہ زیادہ حرام ہوگا اور اسی طرح جب تھوڑی سی طاعت کی تعریف اللہ تعالیٰ نے کی ہے تو زیادہ پر تو اس کی تعریف بدرجہ اولیٰ ہوگی اور اسی طرح جب زیادہ چیز جائز ہو تو اس سے اقل بھی چاہیئے کہ جائز ہو اور بعض اہل علم تو اس کو قیاس ہی نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالے نے جس چیز کو حلال یا حرام کیا اور تعریف کی یا برائی کی اس کا یہی مطلب کیونکہ اس میں داخل ہیں تو وہ بعینہ وہی چیز ہے دوسری چیز پر اس کا قیاس نہیں کیا جو چیز کہ حلال یا حرام کے معنی میں ہیں اور ان کو حلال یا حرام کر دیا اس کو بھی وہ قیاس نہیں کہتے قیاس صرف اس کو کہتے ہیں جس میں دو مختلف معنوں کی مشابہت ہو اور اس میں اس کا ثبوت دیا جائے کہ اس کا قیاس صرف ایک پر ہو سکتا ہے۔

دوسرے پر نہیں ہو سکتا ان کے علاوہ دوسرے اہل علم کہتے ہیں کہ کتاب وسنت کے سوا جو چیز ان کے معنے میں ہو وہ قیاس ہے۔

پھر اختلاف کے بارہ میں بحث کی ہے اور بیان کیا ہے کہ کس چیز میں اختلاف جائز نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس بات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حجت کے طور پر یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حکم صریح قرار دیا ہو تو اس میں اختلاف جائز نہیں اس کے لیے جو اس کو جان لے ___ اور جس میں اختلاف جائز ہے اور وہ وہ ہے جس میں تاویل کا احتمال ہے یا قیاس سے معلوم ہو سکتی ہے اور اس کے ساتھ بہت سی مثالیں دی ہیں کہ جن کے احکام انھوں نے قیاس سے مستنبط کئے ہیں اور جو لوگ قیاس میں ان کے مخالف ہیں ان سے مناظرہ کیا ہے جس سے ان کی قوت تعبیر اور کثرت اطلاع کا ثبوت ملتا ہے۔

امام شافعی رحہ کی تحریروں میں سب سے بڑی خوبی جو پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ جن سے مناظرہ کرتے ہیں ان کے اقوال پوری حجت کے اور واضح براہین کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور حتی الامکان پوری قوت کے ساتھ اس کی تفصیلات درج کرتے ہیں پھر ان کی دلیلوں کا رد کرتے ہیں اور حدیث سے لیتے اور اپنے مخالفین کے لئے ناقابل تردید دلیلیں بیان کرتے ہیں حالانکہ بعض متاخرین نے حدیث سے دلیل لانے میں صرف اس قدر لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ "حدیث ایک دینی ضرورت ہے" اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں علموں میں کس قدر فرق ہے۔

یہ رسالہ جیسا کہ ہم نے لکھا ہے اس عہد قدیم کے آثار قدیمہ سے ہے جس سے اس زمانہ کے لوگوں کی بہت سی عادات کا اندازہ ہوتا ہے مثلاً حسن کتابت، حسن ادب اور اپنے مخالفین کا مناظروں میں ادب واحترام اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مناظروں میں کتاب وسنت کے معاملہ میں وہ کس قدر حاضر الذہن رہتے تھے۔

اصطلاحات فقہیہ کا ظہور

قرآن شریف اس بات جس کی طلب مقصود تھی ان طریقوں سے طلب کرتا تھا جس

کی وضاحت ہم نے دور اول میں کی ہے اور کسی اسلوب کو دوسرے اسلوب پر قوت طلب میں کوئی فضیلت نہ تھی بلکہ سب اس معاملہ میں یکساں تھے اور اسی طرح سنت بھی اسی چیز کو طلب کرتی تھی جس کی طلب اس کو مقصود تھی فقہاء کی نظروں کے سامنے جب مطالبات متمائز ہونے لگے تو وہ اس کو اختیار کرنے پر مجبور ہوئے جو اس کی دلالت کریں اور وہ فرض۔ واجب سنت۔ مندوب۔ مستحب ہیں۔

فرض وواجب دو اسم ہیں اس بات کے جس کی طلب حتمی ہو۔ بجز اس کے کہ فرض حنفیہ کے نزدیک اس چیز کا نام ہے جس کی طلب دلیل قطعی سے ثابت ہو جیسے آیات قرآنیہ، اور جو حدیثیں نص ہونے کے ساتھ تواتراً یا شہرت سے ثابت ہوں اور واجب وہ ہے جس کی طلب ایسی دلیل کے ساتھ کی جائے جو نزدل یا دلالت یا دونوں طریقے سے ظنی ہو مثلاً ان کے نزدیک ہر نماز کی دو رکعت میں قرآن پاک کی کچھ تلاوت فرض ہے اور دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کی قرأت واجب ہے، فرض کے چھوڑنے پر نماز باطل ہوگی اور واجب کو اگر سہواً چھوڑا تو سجدہ سہو واجب ہوگا اور عمداً چھوڑنے پر نماز کا دہرانا وقت کے اندر واجب ہوگا۔ اور اگر وقت نکل گیا تو گنہگار ہوگا۔ لیکن غیر حنفیہ کے نزدیک فرض وواجب میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جو حتماً طلب کی گئی فرض وواجب ہے خواہ یہ دلیل قطعی سے طلب کی گئی ہو یا ظنی سے لیکن یہ لوگ ان دونوں کے درمیان حج کے مسائل میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس کو شارع نے طلب کیا اس کے نقصان کی تلافی کرنے والی کوئی چیز نہیں وہ فرض وقوف عرفہ اور طواف افاضہ ہے۔ اور جس مطالبہ کے ترک کی تلافی "دم" یعنے قربانی سے ہو سکتی ہے وہ واجب ہے جیسے احرام اور ان کے نزدیک ایک فرض ایسا بھی ہے جس کو فرض کفایہ کہتے ہیں اور وہ اس فعل کو کہتے ہیں۔ جس کو شارع نے طلب کیا ہے یعنی جس میں کرنے والا مقصود یا مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کو کوئی بھی مکلف شخص اگر ادا کر دے تو باقی تمام لوگوں کا فرض ادا ہو جائے گا اور اگر اس کو کسی نے بھی ادا نہیں کیا تو سب گناہگار ہوں گے۔

جس مامور بہ پر اس کا غیر موقوف ہو وہ اگر اس کی حقیقت سے خارج ہو تو اسکو

شرط کہتے ہیں جیسے نماز کے لئے قبلہ کی طرف رخ کرنا اور اگر وہ اس کا جزو ہو تو اس کو رکن کہتے ہیں جیسے نماز میں رکوع۔

اور حنفیہ کی اصطلاح میں سنت اس کو کہتے ہیں جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت کی ہو اور کبھی اس کو بلا عذر چھوڑ بھی دیا ہو اور مندوب و مستحب وہ ہے جس کی آپ نے پابندی نہ کی ہو بلکہ ترغیب دلانے کے بعد اس کو کیا بھی نہ ہو اور ایک دوسری اصطلاح ہے کہ سنت اور مندوب و مستحب ایک ہی معنیٰ میں ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس کا مطالبہ تاکیدی طور پر نہ ہو البتہ جس کو حنفیہ سنت کہتے ہیں۔ وہ اس کو سنت موکدہ اور وہ جس کو مندوب، و مستحب کہتے ہیں اس کو یہ لوگ غیر مؤکدہ کہتے ہیں۔

اور جس سے باز رہنے کا شارع نے مطالبہ کیا اس کو یہ حرام و مکروہ کہتے ہیں چنانچہ حرام حنفیہ کے نزدیک فرض کے مقابل میں ہے اور مکروہ تحریمی واجب کے مقابل میں ہے اور مکروہ تنزیہی سنت کے مقابلہ میں اور ان کے علاوہ دوسروں کے نزدیک حرام فرض و واجب کے مقابل ہے ان کے مترادف ہونے کی وجہ سے اور مکروہ تحریمی سنت مؤکدہ کے مقابلہ میں اور مکروہ تنزیہی سنت غیر مؤکدہ کے مقابلہ میں ہے۔

اور شارع نے جس کے متعلق نہ کرنے کا مطالبہ کیا ہو نہ باز رہنے کا اسکو مباح کہتے ہیں

بعض فقہاء کے نزدیک، فاسد و باطل بھی اصطلاحات فقہیہ ہیں اور وہ دونوں ایک ہی چیز کے نام ہیں اور وہ یہ ہے کہ جس چیز کا کرنا کرنے والے کے لئے کافی نہ ہو اور اس کے کرنے کا کوئی نتیجہ نہ ہو لیکن حنفیہ ان دونوں کے درمیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ باطل کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا اور فاسد کا اثر تو ظاہر ہوتا ہے لیکن ناقص اسطرح اور اصطلاحات ہیں جو کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہیں۔ یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان میں زیادہ تر اصطلاحات جدید پیدا شدہ ہیں۔

(۸) ان جلیل القدر فقہاء کا ظہور جن کی قیادت کو عوام نے تسلیم کر لیا

گذشتہ دونوں زمانوں کے فقہاء کی شہرت صرف اس حد تک باقی رہی کہ ان کے اقوال کتب اختلاف میں ذکر کئے جاتے رہے باوجودیکہ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اور ان کی شان بھی بڑی تھی ان فقہاء صحابہ میں تھے فقہاء تابعین بھی جن کا شریعت اسلامی میں بڑا اثر تھا کیونکہ وہی سلف صالح تھے اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے چراغ ہدایت تھے اس کے باوجود ان کے نام نہ کرکے رکھ دئے گئے اور ان میں سے کوئی بھی جمہور کا مقتدا نہیں مانا گیا کہ ان کے نقش قدم پر چلیں اور تمام رایوں میں ان کی تقلید کریں۔ لیکن اس دور میں ایسے مجتہدین ظاہر ہوئے کہ جمہور نے ان کو ائمہ تسلیم کیا ان کے نقش پر چلنے اور ان کی رایوں پر عمل کرنے لگے حتیٰ کہ ان کی رایوں کو کتاب وسنت کے احکام قطعی کا درجہ دینے لگے کہ کسی کو انسے تجاوز کرنا جائز نہ رہا اور ان کو یہ امتیاز حسب ذیل اسباب نے بخشا۔

(۱) ان کی تمام رائیں مدوّن کی گئیں اور یہ سلف میں کسی کے لئے نہیں ہوا۔

(۲) ان کے ایسے شاگرد پیدا ہوئے جو ان کے اقوال کو پھیلانے اور ان پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دینے اور انکی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے ہیئت اجتماعی میں ان کا ایک مقام تھا جس نے ان کی رائے کو قابل وقعت قرار دیا۔

(۳) عوام کی خواہش یہ چاہتے تھے کہ قاضی جس مذہب پر چل رہا ہے اس کا ان کو علم رہے تاکہ ان کی آزاد رائے کے متعلق یہ گمان نہ رہے کہ یہ فیصلہ میں خواہش نفسانی کی پیروی کر رہے ہیں اور یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا مذہب مدوّن نہ ہو۔

اب ہم ان فقہاء کے حالات بیان کرتے ہیں۔ جن کے مذاہب مدون ہوئے اور مختلف شہروں میں ان کے متبع موجود تھے۔ ان کی امتیازی شان کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۱۔ امام ابو حنیفہ رح نعمان بن ثابت زوطی ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے عالم شباب میں یعنی دوسری صدی کی ابتداء میں حماد بن ابی سلیمان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور اکثر علماء تابعین سے حدیث کی سماعت کی جیسے عطاء بن ابی رباح وحضرت ابن عمر کے مولی نافع، ابو حنیفہ رح نے بنی امیہ سے بنی عباس کی طرف خلافت کے منتقل ہونے کا

زمانہ پایا اور اس منتقلی میں کوفہ حرکت کبریٰ کا مرکز تھا۔ اور وہیں ابوالعباس سفاح کی بیعت مکمل ہوئی اور اس حرکت میں ان کا کوئی ذکر ہم نے نہیں سنا بجز اس کے کہ کہا جاتا ہے کہ یزید بن ہبیرہ نے جو مروان بن محمد کی طرف سے عراق کا والی تھا ان پر ولائت قضاء کا عہدہ پیش کیا تھا اور ان کے انکار پر ان کو سزا دی تھی ہم اگر اس کو تسلیم کرلیں کہ ایک شخص نے تولیت قضاء سے انکار کر دیا تو یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ اس پر اس کو سزا دی جا سکتی ہے کیونکہ کوڑے سے مارنا انتہاء کی حقارت آمیز سلوک ہے جس کو کوئی عاقل ایسا نہیں کر سکتا کہ کسی انسان کو ایسے منصب کے قبول کرنے کے لئے کہ جو امارت کے بعد اشرف ترین منصب ہے۔ یعنے منصب قضاء ایسی سزا دے کہ یہ اگر درست بھی ہو کہ وہاں انکار کے علاوہ کوئی بات نہیں تھی تب بھی ہم یہ گمان نہیں کرتے کہ ان کے انکار سے امیر کے دل میں اس قدر کینہ پیدا ہو گیا ہو کہ وہ اس سزا کے جاری کرنے پر مجبور ہو گیا ہو خصوصاً جب کہ کوفہ میں فقہاء کافی تعداد میں تھے تو ابن ہبیرہ کے لئے مشکل نہ تھا کہ ان میں سے کسی کا انتخاب کرے جو اس منصب کو قبول کرے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس پیش کش سے اس کی غرض ان کا امتحان لینا تھا کہ حکومت سے ان کی محبت کا اندازہ لگایا جا سکے کیونکہ علماء عام طور سے جس حکومت کو پسند کرتے تھے اس کا کوئی عہدہ قبول نہیں کرتے تھے تاکہ ان کا عمل حکومت کی تائید کا ذریعہ نہ ہو جائے اور یہی ہوا کیونکہ اس زمانہ میں کوفہ میں دو انقلابی شخص پیدا ہوئے ایک زید بن علی بن حسین جنہوں نے ۱۲۲ھ میں ہشام بن عبدالملک کی خلافت کے زمانہ میں یوسف بن عمر ثقفی کی امارت میں بغاوت کی عراق میں قتل ہوئے اور دوسرے عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر جنہوں نے ۱۲۷ھ میں جب کہ حکومت میں بدنظمی ہو رہی تھی بغاوت کی اور جیسا کہ ان کی سیرت نگاروں نے لکھا ہے ممکن ہے کہ یہی الفاظ انھوں نے عبداللہ بن معاویہ کے زمانہ میں دہرائے ہوں اس لئے ابن ہبیرہ نے ان کی آزمائش کرنی چاہی ہو کہ بنی امیہ سے ان کی محبت کس قدر ہے اسی لئے ان پر قضاء کو پیش کیا اور ان کے انکار پر ان کو سزا دی کیونکہ اس کو یقین ہو گیا کہ بنی امیہ سے وہ منحرف ہیں نہ اس درجہ کے کہ انھوں نے عہدہ قضاء سے انکار کیا۔

ابو حنیفہ رح کوفہ میں پارچہ کے تاجر تھے ریشمیں کپڑے فروخت کرتے تھے اور صدق

معاملہ اور معاملہ کے خلاف درزی کرنے سے نفرت کرنے میں مشہور تھے خوبصورت اور آداب مجلس سے واقف اور اپنے بھائیوں کے لیے بہترین رادی کرنے والے تھے میانہ قد۔ گفتگو میں نرم اور شیریں لہجہ رکھتے تھے جعفر بن ربیع کہتے ہیں کہ میں ابوحنیفہ رح کے پاس پانچ سال رہا ان سے زیادہ خاموش رہنے والا میں نے کسی کو نہیں پایا لیکن جب ہی فقہی مسئلہ ان سے پوچھا جاتا تو خوب خوب نکات بیان فرماتے اور دریا کی طرح بہنے لگتے۔ قیاس کے امام تھے، عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری سے پوچھا کہ امام ابوحنیفہ غیبت سے اس قدر دور رہتے ہیں کہ میں نے ان کو دشمن کی بھی غیبت کرتے کبھی نہیں سنا تو فرمایا کہ وہ بہت سمجھدار ہیں کہ اپنی نیکیوں پر کسی ایسے کو مسلط نہیں کرنا چاہتے جو اس کو ختم کردے، بہت سے طالبان علم ان کے پاس پہنچے اور ان سے علم حاصل کیا اور دقیق مسائل ہیں۔ اور ان کے جوابات میں ان کی مدد کی اور استنباط میں ان کا طریقہ جیسا کہ خود انھوں نے بیان کیا ہے یہ تھا۔ کہ میں اول اللہ تعالی کی کتاب کو لیتا ہوں اور اس میں سے الحکم حاصل کرتا ہوں اور جب اس میں نہ ملیں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحیح احادیث جو معتبر ذرائع سے لوگوں میں پھیل ہوں لیتا ہوں اور جب میں کوئی مسئلہ نہ اللہ کی کتاب میں پاتا ہوں نہ سنت رسول اللہ علیہ وسلم میں تو آپ کے اصحاب کے قول پر غور کرتا ہوں اور اس میں سے جس کو چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں ان کے قول کے علاوہ کچھ نہیں لیتا ہوں۔ لیکن جب معاملہ ابراہیم اور شعبی اور حسن اور ابن سیرین اور سعید بن المسیب تک۔ (اور کئی مجتہدین کے نام بھی لیجیے) پہنچتا ہے تو جیسا انھوں نے اجتہاد کیا مجھے بھی حق ہے کہ میں اجتہاد کروں

اور سہل بن مزاحم کہتے ہیں کہ

ابی حنیفہ کا امتیاز یہ ہے کہ وہ معتبر لوگوں کے کلام کو اختیار کرتے ہیں اور برائی سے دور رہتے ہیں اور یہ بھی ان کی خصوصیت ہے کہ لوگوں کے معاملات میں اور جس پر وہ قائم رہ سکیں نظر رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کے معاملات درست ہیں وہ مسائل میں قیاس کرتے ہیں لیکن جہاں قیاس میں کوئی برائی نظر آتی ہے تو استحسان پر فیصلہ کرتے ہیں اور جب استحسان سے بھی کام نہ چلے تو پھر اس چیز کی طرف رجوع کرتے ہیں جس پر مسلمانوں کا

عمل رہا ہے اور وہ پہلے حدیث مشہور کی سند جس پر سب کا اتفاق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے پھر قیاس کرتے جب تک کہ قیاس کام دیتا پھر استحسان کی طرف رجوع کرتے اور ان میں جو زیادہ قابل قبول ہوتا اس کو اختیار کرتے۔

محمد بن حسن رح کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح اپنے اصحاب سے قیاس کردہ امور میں مناظرہ کرتے اور لوگ ان سے بحث کرتے اور مقابلہ کرتے حتیٰ کہ جب وہ یہ کہدیتے کہ میں اس کو مستحسن سمجھتا ہوں تو کوئی ان میں ان کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ وہ استحسان میں بہت سے مسائل لاتے تھے، پس وہ ان کو چھوڑ دیتے اور ان کی اطاعت کرتے اور ابو حنیفہ رح اہل کوفہ کی حدیث و فقہ کو خوب جانتے تھے اور ان کے شہر میں لوگ جس طریقہ پر رہتے تھے وہ سختی سے اس کی پابندی کرتے تھے۔

ان کے زمانہ میں کوفہ کے تین بڑے فقہاء تھے جو حسب ذیل ہے۔

(۱) سفیان بن سعید ثوری جو اہل حدیث کے ائمہ میں سے ایک تھے لوگ ان کے دین اور ان کی پرہیزگاری وزہد وثقہ پر متفق تھے۔ اور وہ ان ائمہ مجتہدین میں سے ایک تھے جن کے لوگ مقلد تھے۔ سفیان بن عینیہ کہتے ہیں کہ حلال وحرام کو جاننے والا ثوری سے زیادہ میں نے کسی کو نہیں پایا۔ ۹۷ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۲) شریک بن عبد اللہ نخعی بخارا میں ۹۵ھ میں پیدا ہوئے عالم، فقیہ، زیرک، سمجھدار، ہوشیار تھے مہدی کے زمانہ میں کوفہ کے قاضی ہوئے پھر موسیٰ ہادی نے انکو معزول کر دیا وہ قضاء میں عادل تھے اکثر صحیح فیصلے کرتے حاضر جواب تھے ۱۷۷ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔

(۳) محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ ۷۴ھ میں ولادت پائی اصحاب رائے سے تھے کوفہ میں قاضی ہوئے اور (۳۳) سال تک حاکم رہے پہلے بنی امیہ کے زمانہ میں حاکم ہوئے پھر بنی عباس کے زمانہ میں فقیہ و مفتی ہوئے ثوری فرماتے ہیں کہ ہمارے فقہاء ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ ہیں ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔

اور ان تینوں فقہاء اور ابی حنیفہ رح میں برابر نوک جھونک ہوا کرتی تھی پہلے یعنی سفیان

سعید ثوری رح کے ساتھ تو اس لیے کہ اہل حدیث واہل رائے کے درمیان غلط فہمی تھی اور ابن ابی لیلیٰ سے اس لیے کہ قاضی شہر تھے اکثر اوقات وہ ان امور میں فتویٰ دیتے جن میں ابن ابی لیلی نے فیصلہ کر دیا ہو اور امام ابوحنیفہ رح ان کے خلاف فتوی دیتے جس سے ابن ابی لیلیٰ متاثر ہوتے حتیٰ کہ ایک مرتبہ امیر کو اس امر پر ابھارا کہ ابوحنیفہ رح کو فتوی دینے سے منع کر دیں اور انکے اور شریک کے درمیان صرف معاصرانہ چشمک تھی۔

جب ابوجعفر منصور نے شہر بغداد کی بنیاد ڈالی تو مختلف شہروں سے سرکردہ علماء کثیر تعداد میں وہاں پہنچے ابوحنیفہ رح بھی ان میں شامل تھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں پر بھی دوبارہ محکمۂ قضاء کی پیش کش ہوئی اور اس سے انکار پر ان کو سزا دی گئی ۱۵۰ھ میں وفات ہوئی اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرماوے۔

امام ابوحنیفہ کے شاگرد جنہوں نے ان سے تعلیم پائی جن کو مسائل کی شاخیں نکالنے اور اس کا جواب تیار کرنے میں مہارت کاملہ تھی ان میں مشہور شاگرد حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابویوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری کوفی ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور جب جوان ہوئے تو روایت حدیث میں مشغول ہو گئے اور ہشام بن عروہ اور ابواسحاق شیبانی اور عطاء بن سائب اور ان کے طبقہ حدیث کی روایت کی پھر فقہ کی طرف رجوع کیا اول ابن ابی لیلیٰ کے پاس ایک مدت رہے پھر ابوحنیفہ کے پاس بحیثیت شاگرد تشریف لائے اور ان کے جلیل القدر شاگردوں میں شمار ہوئے اور ان کے زبردست مددگار ہوئے۔ انھوں نے ہی سب سے پہلے ابوحنیفہ کے مذہب پر کتاب تصنیف کی اور مسائل کو لکھوایا اور اس کو شائع کیا اور ابوحنیفہ کے علوم کو اطراف عالم میں پھیلایا اور ابویوسف کی تعریف اکثر اصحاب حدیث نے کی ہے حالانکہ وہ اصحاب رائے کی تعریف کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں، یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ اصحاب رائے میں ابویوسف سے زیادہ نہ کوئی حدیث بیان کرنے والا ہے نہ رائے پر ثابت قدم رہنے والا، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ابویوسف صاحب حدیث و صاحب سنت ہیں ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔

(۲) زفر بن ہذیل بن قیس کوفی ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اولاً اہل حدیث تھے پھر ان پر

رائے غالب ہوئی اور اصحاب ابوحنیفہ میں وہ سب سے زیادہ قیاس کرنے والے تھے کہتے ہیں کہ ان سب میں حدیث کے زیادہ متبع ابویوسف تھے، اور اکثر مسائل میں تفریع کرنے والے محمدؒ اور سب میں زیادہ قیاس کرنے والے زفر تھے وہ دنیا کے جھگڑوں میں منہمک نہیں ہوئے بلکہ پوری زندگی علم اور تعلیم میں مشغول رہے ۱۵۸ھ میں وفات پائی، اصحاب ابوحنیفہ میں انھوں نے سب سے پہلے وفات پائی۔

(۳) محمد بن حسن بن فرقد شیبانی جو ان کے آزاد کردہ غلام تھے ان کے باپ حسن حرستی گاؤں کے رہنے والے تھے جو مضافات دمشق میں ہے۔ پھر وہ عراق آئے جہاں "واسط" میں ان کی پیدائش ۱۳۲ھ میں ہوئی اور کوفہ میں نشو ونما پائی پھر عباسیوں کے زیر سایہ بغداد میں رہے۔ بچپن سے طلب علم میں مشغول ہو گئے چنانچہ حدیث کی روایت کی اور ابوحنیفہ سے اہل عراق کا طریقہ سیکھا لیکن ان کے پاس زیادہ دن نہ رہے کیونکہ محمد ابھی نوخیز ہی تھے۔ کہ ابوحنیفہ کا انتقال ہو گیا، پھر طریقہ کی تکمیل ابویوسف کے پاس کی کیونکہ عاقل بہت سمجھدار تھے لہذا بہت ترقی حاصل کی اور ابویوسف کی زندگی میں ہی وہ اہل رائے کے مرجع بن گئے اور دونوں میں نوک جھونک ہونے لگی جو ایک زمانہ تک رہی حتیٰ کہ ابویوسفؒ کا انتقال ہو گیا۔

محمدؒ سے ہی ابوحنیفہؒ کا مذہب پھیلا ہے کیونکہ حنفیہ کے پاس بجز ان کی کتابوں کے اور کچھ نہیں ہے جیسا کہ تم فصل تدوین میں دیکھو گے شافعیؒ نے بغداد میں ان سے ملاقات کی اور ان کی کتابیں پڑھیں۔ اور اکثر مسائل میں ان سے مناظرہ کیا اور ان کے مناظرے مدون شکل میں موجود ہیں اور اکثر مناظرات کو خود شافعیؒ کی روایات یا ان کے اصحاب کی روایات سے ہم نے دیکھا ہے۔

محمد بن حسن کی وفات ۱۸۹ھ میں رے میں اس وقت ہوئی جبکہ وہ رشید کے ہمراہ تھے۔

(۴) حسن زیاد لولوی کوفی جو انصار کے آزاد کردہ غلام تھے وہ اولاً ابوحنیفہ کے شاگرد تھے پھر ابویوسف کے شاگرد ہوئے ان کے بعد محمدؒ کے اور ابوحنیفہ کے مذہب پر کتابیں لکھیں لیکن ان کی کتابوں اور روایوں کی وہ حیثیت نہیں جو محمد کی کتابوں و روایوں کی ہے، اور اہل حدیث میں ان کا درجہ کمتر ہے ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔

یہ چار وہ ہیں جن سے عراقیوں کا مذہب پھیلا اور لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا اور ابو یوسف رح اور خصوصاً محمد کو بنی عباس کے دربار میں جو امتیاز حاصل تھا اس نے دوسرے اہلحدیث پران کے اقوال اور آراء کو اولیت دینے میں مدد کی اور فقہی مسائل کے بتانے اور ان کے جواب دینے میں بھی ان کو بڑی فضیلت حاصل تھی۔ ابو حنیفہ کے ساتھ ان کی نسبت ایسی نہ تھی جیسی ایک مقلد سے ہو بلکہ ان کا تعلق شاگرد واستاد کا تھا باوجودیکہ وہ اپنے فتویٰ دینے میں خود اپنا ایک مقام رکھتے تھے اور استاد کے فتویٰ کی موافقت پر مجبور نہ تھے بلکہ اگر ان کو کوئی سبب اختلاف کا نظر آجائے ان کی تو اور مخالفت کرتے تھے اور اسی لئے احناف کی کتب میں دیکھو گے کہ ایمہ اربعہ کے اقوال ان کی دلیلوں کے ساتھ نقل کئے جاتے ہیں اور اکثر اوقات ایک ہی مسئلہ میں آثار یا معانی کے لحاظ سے چار اقوال ہوتے ہیں ایک ابو حنیفہؒ کا ایک ابو یوسفؒ کا ایک محمد رح کا ایک زفرؒ کا اور بعض حنفیہ نے یہ کوشش بھی کی ہے۔ کہ ان کے مختلف اقوال کو امام کے اقوال قرار دیں کہ ان سے رجوع کرلیا۔ لیکن یہ ان ائمہ کی تاریخ سے اور ان امور سے جو ان کی کتابوں میں درج ہیں سخت غفلت کا نتیجہ ہے کیونکہ ابو یوسف کتاب الخراج میں ابو حنیفہ رح کی رائے لکھتے ہیں پھر اپنی رائے صراحت سے لکھتے ہیں کہ وہ اس کے مخالف ہیں اور خلاف کا سبب بھی بتاتے ہیں اور اسی طرح اس کتاب میں لکھتے ہیں۔ جو ابو حنیفہ رح اور ابن ابی لیلیٰ کے خلاف میں لکھی ہے کیونکہ کبھی دونوں رایوں کے ذکر کے بعد ابن ابی لیلیٰ کے رائے کی موافقت میں لکھتے ہیں اور محمد رح اپنی کتاب میں امام کے اور ابو یوسف کے اور اپنے اقوال کو صراحت کے ساتھ اختلاف میں تحریر کرتے ہیں تو اگر ان لوگوں کی یہ رائے صحیح ہوتی جو بیان کرتے ہیں کہ یہ وہ رائیں ہیں جن سے ابو حنیفہ رح نے رجوع کرلیا تو یہ اختلاف روایت ہوتا اختلاف رائے نہ ہوتا۔ حالانکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ ابو یوسف رح اور امام محمد رح کو جب اہل حجاز کی احادیث کا علم ہوا تو امام ابو حنیفہ رح کی بہت سی آراء سے رجوع کرلیا۔ چنانچہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ جن ائمہ حنفیہ کا ذکر ہم نے ابو حنیفہ رح کے بعد کیا ہے وہ ان کے مقلد نہیں تھے اس لئے کہ تقلید تو مسلمانوں میں اس وقت تک رائج بھی نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ فتویٰ دینے میں مستقل مفتی تھے اور خود اپنے دلائل کی بنیاد پر فتویٰ دیتے

تھے اور اپنے دلائل ہی کی روشنی میں وہ اپنے اساتذہ کی مخالفت یا موافقت کرتے تھے۔ اور ابو یوسف رح و محمدؒ کی نسبت ابو حنیفہ کے ساتھ ایسی ہی تھی جیسی شافعی رح کی مالک رح کے ساتھ۔

اور ابو حنیفہؒ کے اصحاب کے وہ شاگرد جنہوں نے ان کی کتابیں نقل کی وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابراہیم بن رستم مروزی جنہوں نے محمد بن حسن سے فقہ حاصل کیا اور مالک رح سے احادیث سنی جن کے بہت سے نادر مسائل ہیں۔ جن کو انھوں نے امام محمد رح سے سُن کر لکھا ۲۱۱ھ میں وفات پائی۔

(۲) احمد بن حفص جو ابی حفص کبیر بخاری کے نام سے مشہور ہیں محمدؒ بن حسن سے فقہ حاصل کیا اور ان کی کتابیں ان سے روایت کیں اور محمد رح کی کتاب مبسوط جس کو میں نے دیکھا ہے وہ انہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

(۳) بشر بن غیاث مریسی جنہوں نے ابو یوسفؒ سے فقہ حاصل کیا اور ان کے مخصوص صحاب میں سے تھے۔ اگرچہ وہ زاہد و متورع تھے لیکن علم فلسفہ میں ان کی شہرت کی وجہ سے لوگ ان سے اعتراض کرتے تھے اور خود ابو یوسف رح ان کی مذمت کیا کرتے تھے اور ان سے منہ پھیر لیا کرتے تھے۔ ۲۲۸ھ میں وفات پائی ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ امام ابو یوسفؒ سے بہت روایتیں انھوں نے لکھی ہیں اور مذہب میں انھوں نے بڑی عجیب و غریب باتیں لکھی ہیں جن میں سے گدھے کے کھانے کا جواز ہے ان کے اور شافعی رح کے درمیان اکثر مناظرے ہوا کرتے تھے انہیں کی طرف مرجیہ کا ایک فرقہ بھی منسوب ہے جس کو مریسیہ کہا جاتا ہے۔

(۴) بشر بن ولید کندی، جنہوں نے ابو یوسف رح سے فقہ حاصل کیا اور ان سے ان کی کتابوں کی اور انکی املا شدہ کاغذات کی روایت کی، معتصم کے زمانہ میں قضاء بغداد کے والی ہوئے ۲۳۸ھ میں وفات پائی، محمدؒ بن حسن سے بغض رکھتے تھے اور حسن بن مالک ان کو اس سے منع کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ محمدؒ نے تو بہت کتابیں تصنیف کیں تم ایک مسئلہ تو بتا دو، اچھے فقیہ اور عبادت گذار تھے۔

(۵) عیسی بن ریان بن صدقہ قاضی احمد رح اور حسنؒ بن زیاد سے فقہ حاصل کیا اور محدث تھے

سنہ ۲۲۱ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

(۶) محمد بن سماعہ تمیمی، لیث بن سعد اور ابو یوسف و محمد رحمہم اللہ سے حدیث کی روایت کی اور آخر الذکر دونوں حضرات اور حسن بن زیاد سے فقہ حاصل کیا اور ابو یوسف رح و محمد رح سے نادر مسائل لکھے سنہ ۱۳۰ھ میں ولادت ہوئی اور سنہ ۲۳۳ھ میں وفات پائی۔ مامون کے زمانہ میں بغداد کے قاضی ہوئے اور جب انتقال ہوا تو یحیٰی بن معین نے کہا کہ اہل رائے سے فقہاء کا پھول چلا گیا۔

(۷) محمد بن شجاع ثلجی، حسن بن زیاد سے فقہ حاصل کیا اور علم میں کمال حاصل کیا اپنے وقت میں فقیہ عراق اور فقہ و حدیث میں سب سے مقدم متورع و عابد تھے۔ سنہ ۲۶۷ھ میں انتقال ہوا ان کی کتاب تصحیح الآثار، اور کتاب النوادر اور کتاب المضاربہ وغیرہ تھی مذہب معتزلہ کی طرف مائل تھے اہل حدیث کے نزدیک وہ ضعیف الروایۃ تھے اور ان پر بہت جرح کی ہے۔

(۸) ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان جوزجانی، محمد رح سے فقہ حاصل کیا اور مسائل اصول و امالی کی کتابیں لکھیں سنہ ۲۰۰ھ کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

(۹) ہلال بن یحیٰی بن مسلم الرائے بصری، وسعت علم اور کثرت فہم کی بناء پر ان کا نام ہی رائے پڑ گیا جیسے کہ ربیعۃ الرای کہا جاتا ہے ابی یوسف رح و زفر رح سے فقہ حاصل کیا ان کی ایک تصنیف شروط اور احکام وقف میں ہے سنہ ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) ابو جعفر احمد بن عمران قاضی دیار مصریہ، محمد بن سماعہ سے فقہ حاصل کیا ابی جعفر طحاوی کے استاذ ہیں سنہ ۲۸۰ھ میں وفات پائی ایک کتاب تصنیف کی جس کو "حج" کہا جاتا ہے۔

(۱۱) احمد بن عمر بن مہیر المشہور بہ خصاف اپنے باپ سے علم حاصل کیا انھوں نے حسن بن زیاد سے علم حاصل کیا علم فرائض کے ماہر حساب داں امام ابی حنیفہ رح کے مذہب کے عالم تھے مہدی باللہ کے لئے "کتاب خراج" تصنیف کی اور ایک کتاب کتاب الحیل ہے ایک کتاب کتاب الوصایا اور ایک کتاب کتاب الشروط و کتاب الوقف وغیرہ ہے سنہ ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) بکار بن قتیبہ بن اسد الثقفی مصری، بصرہ میں ۱۸۲ھ میں ولادت ہوئی اور ہلال الرائے سے فقہ حاصل کیا اور مذہب میں اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے بڑے فقیہہ تھے کتاب شروط، کتاب محاضر، سجلات، کتاب الوثائق والعہد تصنیف کی۔ اور ایک بہت بڑی کتاب امام شافعی رح کے رد میں اس کتاب کے جواب میں لکھی جو انھوں نے امام ابو حنیفہ رح پر اعتراض میں لکھی تھی ۲۹۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) ابو خازم عبد الحمید بن عبد العزیز قاضی، عیسیٰ رح بن ابان اور ہلال رح سے فقہ حاصل کیا اور انکی تصانیف میں کتاب محاضر، اور سجلات ہے اور ایک کتاب ادب القاضی اور کتاب الفرائض ہے ۲۹۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) ابو سعید احمد بن حسین بردعی، اسمٰعیل رح بن حماد بن ابو حنیفہ سے فقہ حاصل کیا انھوں نے اپنے باپ سے انھوں نے ان کے دادا سے حاصل کیا تھا نیز ابی علی دقاق سے جنہوں نے موسیٰ بن نصیر سے فقہ حاصل کیا اور انھوں نے محمد رح سے واقعہ قرامطہ میں حجاج کے ساتھ ۳۱۷ھ میں مقتول ہوئے، داؤد بن علی امام اہل ظاہر سے ان کا ایک مناظرہ ہوا تھا۔

(۱۵) اس زمانہ کے متاخرین کے امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ ازدی طحاوی بہت بڑے امام ہیں ۲۳۴ھ میں ولادت ہوئی اولا مزنی سے تعلیم پائی جو امام شافعی رح کے شاگرد اور ان کے ماموں ہیں پھر ابی جعفر احمد بن ابی عمران قاضی کے پاس گئے۔ اور ان سے فقہ حاصل کیا پھر شام میں ابو حازم سے ملے جو وہاں کے قاضی القضاۃ تھے اور احادیث واخبار میں امام تھے اور اپنی تصانیف کی وجہ سے اپنے معاصرین پر فائق ہو گئے تھے عنقریب ان کا ذکر کیا جائے گا۔

امام ثانی مالک رح ان کا اسم گرامی مالک بن انس ابن مالک ابن ابی عامر ہے ان کا نسب یمن کے ذی اصبح قبیلہ تک پہنچتا ہے آپ کے اجداد میں سے ایک صاحب مدینہ آئے اور وہیں مقیم ہو گئے آپ کے دادا ابو عامر اصحاب رسول اللہ میں سے تھے۔ جو بجز بدر کے آپ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے۔ امام مالک مدینہ میں ۹۳ھ میں پیدا ہوئے تھے،

علماء مدینہ کے پاس آپ نے طالب علمی کی اور سب سے پہلے وہ عبدالرحمٰن بن ہرمز کی خدمت میں گئے اور ان کے ساتھ ایک مدت طویلہ تک رہے اور ان کے سوا اور کسی سے نہیں ملے اور حضرت ابن عمر کے مولیٰ نافع اور ابن شہاب زہری سے علم حاصل کیا، فقہ میں آپ کے شیخ ربیعہ بن عبدالرحمٰن ہیں جو ربیعہ الرائے کے نام سے مشہور ہیں۔ اور جب آپ کے شیوخ نے ان کو حدیث و فقہ کی شہادت دے دی تو روایت اور فتویٰ کی مسند پر بیٹھے امام مالک فرماتے ہیں کہ میں اس وقت تک اس منصب قضا پر نہیں بیٹھا جب تک کہ ستر اہل علم شیوخ نے میرے لئے یہ شہادت نہ دے دی کہ میں اس کا اہل ہوں۔

اس پر تمام لوگ متفق ہیں کہ آپ حدیث میں امام اور اپنی صدق روایت کی بناء پر ثقہ ہیں اپنے اساتذہ و ہمعصروں اور ان کے بعد آنے والوں کے نزدیک قابل اعتبار ہیں حتیٰ کہ بعضوں نے تو یہ تک کہہ دیا کہ سب سے زیادہ صحیح احادیث ہیں جو مالک رح، نافع سے روایت کریں اور وہ ابن عمر رضؓ سے یا مالک رح زہری رح سے اور وہ سالمؒ سے وہ ابن عمر رضؓ سے پھر مالک رحؒ کی ابی الزناد رح سے وہ اعرج رح سے وہ ابی ہریرہ رح سے۔

واقدی وغیرہ نے کہا ہے کہ امام مالک رح کی مجلس وقار وہم کی مجلس تھی صاحب ہیبت تھے رعب وداب والے تھے ان کی مجلس میں شور وشغب ہوتا تھا نہ ہنگامہ اور نہ آواز بلند ہوتی جب کسی بات کا آپ سے سوال کیا جاتا تو سائل کو جواب دے دیتے اور وہ سائل یہ تک نہ پوچھتا تھا کہ اس مسئلہ کا ماخذ کیا ہے آپ کے پاس ایک کاتب حبیب نامی تھے جو آپ کی کتابیں لکھتے اور لوگوں کو پڑھ کر سنایا کرتے تو حاضرین میں سے کوئی نہ ان کے قریب آتا اور نہ ان کی کتاب میں دیکھتا اور نہ کوئی ان کی ہیبت کی وجہ سے کچھ دریافت کرتا البتہ اگر حبیب کہیں غلطی کرتے تو خود امام مالک رح ان کو بتاتے اور ان کی عادت تھی کہ وہ اپنی کتابیں کسی کو پڑھ کر نہیں سناتے تھے۔ لیکن یحییٰ بن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے مؤطا امام مالک رح سے چودہ بار سنی ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ اکثر مرتبہ تو خود امام مالک رح نے پڑھا ہے اور بعض مرتبہ خود یحییٰ بن بکیر نے پڑھا ہے۔

بڑے بڑے محدثین نے ان سے حدیث سُنی ہے اور کثیر تعداد میں فقہاء نے ان کا

اتباع کیا ہے کیونکہ امام مالک رح میں دو صفتیں تھیں ایک تو وہ محدث تھے دوسرے یہ کہ مفتی تھے اور مجتہد تھے پہلی صفت کی بناء پر تو خود ان کے بڑے بڑے شیوخ نے ان سے روایت کی ہے جیسے ربیعہ اور یحیٰی بن سعید اور موسیٰ بن عقبہ وغیرہ ہم نے تو ان سے ان کے ہمعصروں نے روایت کی ہے جیسے سفیان ثوری اور لیث اور اوزاعی اور سفیان بن عیینہ اور ابو یوسف شاگرد امام ابو حنیفہ رح اور ان کے بڑے شاگردوں نے جیسے محمد بن ادریس شافعی رح اور عبداللہ بن مبارک اور محمد بن حسن شیبانی وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

اور دوسری صفت کی بناء پر ان سے ان کے مذہب کے بڑے علماء نے ان سے مسائل کو لیا ہے عنقریب ان کا ذکر آئے گا۔

امام مالک رح اپنے فتاویٰ میں اولاً اعتماد کرتے تھے۔ کتاب اللہ پر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ان کے نزدیک ثابت ہو اور اس بارہ میں ان کا اعتماد علماء حجاز کے بڑے محدثین پر تھا اور اہل مدینہ کو جس چیز پر عمل کرتے ہوئے پاتے اس کو بڑی اہمیت دیتے خصوصاً ائمہ کے تعامل کو جن میں مقدم عمران تھے اور کبھی حدیث کو اس بناء پر چھوڑ دیتے تھے کہ اس پر عمل نہیں ہوا اس بارہ میں اکثر شہروں کے فقہاء نے ان سے بحث کی ہے اور ہم نے اس سلسلہ میں اس سے قبل لیث بن سعد کا خط ان کے نام درج کر دیا ہے اور امام شافعی رح نے اپنی کتاب "ام" میں اور اسی طرح ابو یوسف شاگرد امام ابو حنیفہ رح نے ان کی تردید کی ہے پھر وہ قیاس پر اعتماد کرتے تھے جب کہ کتاب یا سنت کی نص نہ ہو ان کی طرف "مصالح مرسلہ پر عمل" منسوب کیا گیا ہے۔ جیسے حنیفہ کی طرف استحسان کا قول منسوب ہے اور انہی مصالح مرسلہ کو استصلاح بھی کہتے ہیں اور مصالح مرسلہ کا مطلب وہ مصلحتیں ہیں جن کی شریعت سے نہ بطلان کی کوئی دلیل ملتی ہے اور نہ باعتبار نص کے کوئی اعانت ملتی ہے اور اس پر عمل کرنا اس وقت موجب نزاع ہو سکتا ہے جب کہ وہ کسی دوسری دلیل سے ٹکرائے یا کسی نص اور قیاس کے مخالف ہو۔ اور اس کی مثال چوری کا اقرار کرنے کے لئے کسی شخص کو سزا دینے کی ہے جس کے جواز کے امام مالک رح قائل ہیں۔ لیکن دوسرے

لوگ ان مخالفت کرتے ہیں کیونکہ یہ ایسی مصلحت ہے کہ جس کی دوسری مصلحت معارض ہے
اور وہ اس شخص کی مصلحت ہے جس کو مارا جائے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ بری ہو اور گناہگار
کو مارنا ایک بری شخص کو مارنے سے آسان ہے کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس طرح مال برآمد کرنا دشوار
ہوگا تو اس طرح ایک بری کو سزا دینے کا دروازہ کھل جائے گا اور اسی طرح مفقود الخبر کا مسئلہ ہے
کہ جب اس کے موت و حیات کی خبر معلوم نہ ہو اور وہ کئی سال انتظار کر لیا اور شوہر کی علیحدگی
سے نقصان اٹھایا اور وہ عورت جس کا حیض کئی سال سے بند ہے اور نکاح سے لئے اس کی
عدت رک گئی اور نکاح نہ کر سکی تو امام مالک رہ نے ان دونوں صورتوں میں حضرت عمر رضی کی رائے
کو لے لیا کہ مفقود الخبر کی بیوی خبر نہ ملنے کے چار سال کے بعد نکاح کرے اور دوسری عورت
مدت حمل گزرنے کے بعد تین ماہ عدت میں بیٹھے جو نو ماہ ہیں تو مجموعہ ایک سال ہوا، پہلی صورت
میں بیوی کی مصلحت کا خیال رکھا اور بغایت شوہر کی مصلحت کا خیال نہ رکھا اور دوسری
میں بھی زوجہ کی ہی مصلحت کا خیال رکھا باوجودیکہ یہ اس نص صریح کی مخالفت ہے۔
اللہ تعالے کا یہ قول ہے۔

والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء ؕ	مطلقہ عورتیں ایام ماہواری تک انتظار کریں۔

اور وہ ابھی سن یاس کو نہیں پہنچی کہ مہینوں کے حساب سے عدت کرے۔

خلاصہ یہ کہ مصلحۃ مرسلہ ایسی مصلحت ہے جو مقصود شرعی کی حفاظت کی طرف رجوع
کرتی ہے۔ جس کا مقصود شرعی ہونا کتاب یا سنت یا اجماع سے معلوم ہو مگر یہ کہ کوئی اصل
معین اس کے اعتبار کی شہادت نہ دے اور اس کا مقصود شرعی ہونا کسی ایک دلیل سے نہیں
بلکہ جملہ ادلہ و احوال کے قرینوں اور متفرق علامتوں سے معلوم ہو اور اسی لیے اس کا نام
مصلحت مرسلہ رکھا گیا ہے اور اس کے اختیار کرتے میں اختلاف نہیں ہے بجز اس کے
کہ دوسری مصلحت اس کی معارض ہو اور ایسی صورت میں کسی ایک مصلحت کو ترجیح دینے
میں اختلاف ہوگا جیسا کہ ہم نے اس کو استحسان کے مسئلہ میں بیان کیا ہے (مصالح مرسلہ کی
بحث مستصفی غزالی میں دیکھو کہ اس میں بہت نفیس بحث ہے)

اور ہم کچھ مسائل امام مالک رحہ کے اس وقت ذکر کریں گے جب کہ ہم ان کے جب ہم امام مالک کی کتابوں پر بحث کریں گے۔ اس وقت ان کے مسائل کا ذکر کریں گے۔

امام مالک رحہ مدینہ میں قیام پذیر رہے۔ وہاں سے کسی دوسرے شہر کو نہ گئے اسی لیے ان کی اکثر حدیثیں وہی ہیں جن کو حجازیوں نے روایت کیا ہے اور اسی لیے موطا میں ان کو حجازیوں کے سوا اور لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے کم پاؤ گے۔ لوگ ان کے پاس آتے جاتے رہتے تھے ان سے علم حدیث اور مسائل سیکھتے تھے انھوں نے ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔

ان کے پاس جانے والوں میں اکثریت مصریوں اور مغربی یعنی اہل افریقہ واندلس تھے اور یہی لوگ پورے شمالی افریقہ اور اندلس میں ان کے مذہب کو پھیلانے کا ذریعہ بنے اس کے علاوہ بصرہ و بغداد و خراسان میں اُن علماء کے ذریعہ ان کا مذہب پھیلا جن کا ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

جو مصری ان کے پاس گئے اور ان کے مذہب کے ستون ثابت ہوئے تھے حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابو محمد عبداللہ بن وہب بن مسلم قرشی ان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ مالک رحہ اور لیث بن سعد اور سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری وغیرہم سے روایت کی جو امام مالک رحہ کے طبقہ میں تھے اور امام مالک رحہ و لیث رحہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور امام مالک رحہ کے پاس ۱۴۸ھ میں پہنچے اور ان کی صحبت میں ان کی وفات تک رہے اور امام مالک رحہ ان کو جب خط لکھتے "عبداللہ بن وہب فقیہ مصرابی محمد مفتی" وہ اس طرح کے الفاظ ان کے سوا اور کسی کو نہیں لکھتے تھے۔ اور ان کے بارہ میں فرماتے کہ ابن وہب بڑے عالم ہیں اور ابن عبدالحکم کہتے ہیں کہ وہ امام مالک رحہ کے مذہب میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور ثقہ ہیں اور وہ ابن القاسم سے زیادہ فقیہ ہیں۔ لیکن وہ تقویٰ کی وجہ سے فتویٰ نہیں دیتے تھے اور اصبغ کہتے ہیں کہ ابن وہب، امام مالک رحہ کے اصحاب میں سنن و آثار کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں لیکن انھوں نے ضعیف راویوں سے روایت کی ہے وہ دیوان علم کہلاتے تھے اور کوئی ایسا نہیں ہے جس کو امام مالک رحہ نے توبیخ نہ کی ہو بجز ابن وہب کے کہ وہ ان کی تعظیم کرتے تھے اور ان کو بہت عزیز رکھتے تھے اور ابن وہب نے کہا کہ اگر اللہ تعالےٰ

مجھے مالک رح اور لیث رح کے ذریعہ نجات نہ دیتا تو میں گمراہ رہتا، ان سے پوچھا گیا۔ یہ کیسے؟ تو کہا کہ میں نے کثرت سے حدیثیں روایت کی ہیں جس سے میں حیران رہ گیا لیکن میں یہ احادیث امام مالک رح اور لیث رح کے سامنے پیش کیا کرتا تو وہ کہا کرتے کہ اس کو اختیار کر لو اور اس کو چھوڑ دو ۱۲۵ھ میں ولادت ہوئی اور مصر میں ۱۹۷ھ میں وفات پائی

(۲) ابو عبداللہ عبدالرحمٰن بن قاسم عتقی جو ان کے آزاد کردہ غلام تھے امام مالک اور لیث اور ابن ماجشون اور مسلم بن خالد وغیرہم رحمہم اللہ سے حدیث کی روایت کی، ابن وہب کے پاس دس بارہ سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد امام مالک رح کے پاس گئے اور ان کی صحبت میں مدت دراز تک رہے اور امام مالک رح کے علم کو دوسروں کے علم سے مخلوط نہ ہونے دیا حتیٰ کہ وہ اس میں سب سے زیادہ ثابت قدم ہو گئے امام مالک رح سے ان کے اور ابن وہب کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ ابن وہب عالم ہیں۔ اور ابن القاسم فقیہ، ابن وہب نے ابی ثابت سے کہا کہ اگر تم امام مالک رح کی فقہ چاہتے ہو تو تم ابن قاسم کے پاس جاؤ کہ وہ اس میں منفرد ہیں اور ہم دوسرے اور امور میں مشغول ہو گئے، اور یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ابن القاسم ان سب سے زیادہ مالک رح کا علم جانتے ہیں اور ان سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں انھوں نے مصر میں ۱۹۱ھ میں وفات پائی۔

(۳) اشہب بن عبدالعزیز القیسی العامری الجعدی، امام مالک رح اور لیث رح وغیرہ سے حدیث کی روایت کی اور امام مالک رح اور مدنی مصری مشایخ سے فقہ حاصل کیا۔ سحنون رح سے دریافت کیا گیا کہ ابن قاسم اور اشہب میں سے کون سب سے زیادہ فقیہ ہے، امام شافعی رح کہتے ہیں کہ میں نے اشہب سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں پایا اور ابن قاسم کے بعد مصر کے وہی مقتدا ملنے گئے اور سحنون رح سے دریافت کیا گیا کہ ابن القاسم اور اشہب میں سب سے زیادہ فقیہ کون ہے تو فرمایا کہ وہ مثل ریس کے دو گھوڑوں کے ہیں کبھی یہ بڑھ گیا وہ رہ گیا اور کبھی وہ بڑھ گیا یہ رہ گیا اشہب ۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور مصر میں ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابو محمد عبداللہ بن عبدالحکم بن اعین بن لیث امام مالک رح اور لیث بن سعد رح نے

ابن عینیہ وابن لہیعہ وغیرہم سے حدیث سنی بہت ہی صالح ثقہ اور مذہب مالک رح کے محقق فقیہ اور استاذ عاقل وحلیم تھے اور اشہب کے بعد انہی کو مصر کی پیشوائی ملی، اور بنی عبد الحکم کو مصر میں وہ مرتبہ اور ترقی حاصل ہوئی جو اور کسی کو نہیں حاصل ہوئی تھی اور امام شافعی رح کے دوست تھے اور جب آئے تو انہی کے پاس ٹھیرے انھوں نے ان کی بڑی عزت اور خاطرداری کی انہی کے پاس ان کا انتقال ہوا امام شافعی رح سے حدیث کی روایت کی اور ان کی کتابیں اپنے اور اپنے بیٹے کے لئے لکھیں اور اپنے لڑکے محمد کو ان کی خدمت میں چھوڑا اور ابن قاسم وابن وہب واشہب نے ابن عبد الحکم کے لئے وصیت کی ۱۵۵ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۱۴ھ میں مصر میں وفات پائی۔

(۵) اصبغ بن فرج اموی ان کے آزاد کردہ غلام تھے مدینہ کا سفر کیا تاکہ امام مالک رح سے سماعت حدیث کریں لیکن جس دن وہ شہر میں داخل ہوئے عین اسی دن ان کی وفات ہوئی اس کے بعد ابن قاسم وابن وہب واشہب سے علم حاصل کیا۔ اور ان سے سماعت حدیث کی اور انہی سے فقہ حاصل کیا ان کا شمار ابن وہب کے بزرگ ترین اصحاب میں تھا اور ان کے کاتب اور مخصوص لوگوں میں تھے، اشہب سے پوچھا گیا کہ اپنے بعد ہمارے لئے کسے چھوڑے جاتے ہو تو اصبغ بن الفرج کو، اور ابن الباد نے فرمایا کہ مجھے فقہ کا راستہ اصبغ ہی کے اصولوں سے ملا اور اشہب اپنے اساتذہ کے ساتھ فتوی دیا کرتے تھے اور ابن معین فرماتے ہیں کہ امام مالک رح کی رائے کو اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ جاننے والے اصبغ تھے کیونکہ وہ ان کا ایک ایک مسئلہ جانتے تھے۔

(۶) محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم، انھوں نے اپنے والد اور ابن وہب و اشہب و ابن القاسم وغیرہم اصحاب مالک رح سے حدیث سنی اور امام شافعی رح کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے بہت کچھ حاصل کیا اور ان کی کتابیں لکھیں۔ ان کے والد نے ان کے پاس چھوڑتے وقت حکم دیا تھا کہ شافعی رح اور اشہب کے پاس رہ کر تعلیم حاصل کریں اور محمد رح ان دونوں کے علوم کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے ابن حارث کہتے ہیں کہ وہ علماء فقہاء میں کامل اہل نظر سے تھے اور جس بات کو وہ کہتے تھے اور جس مذہب کی وہ تقلید کرتے تھے اس پر وہ مناظرہ

اور حجت بیان کیا کرتے تھے اور ان کے پاس لوگ مغرب اور اندلس سے علم و فقہ حاصل کرنے آیا کرتے تھے اور مصر کے پیشوا مانے گئے مصر میں ۱۸۲ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۲۶۸ھ میں وفات پائی۔

(۷) محمد بن ابراہیم بن زیاد اسکندری المشہور بہ ابن مواز، ابن ماجشون اور ابن عبدالحکم سے فقہ حاصل کیا اور اصبغ پر اعتماد کیا اور ابن القاسم سے بچپن میں روایت کی، مصر میں ان کے قول پر اعتماد کیا جاتا تھا فقہ اور فتوی میں ان کو رسوخ حاصل تھا۔ ۱۸۰ھ میں ولادت ہوئی اور دمشق میں ۲۶۹ھ میں وفات پائی۔

افریقہ و اندلس میں امام مالکؒ کے حسب ذیل شاگرد تھے۔

(۱) ابو عبداللہ زیاد بن عبدالرحمٰن قرطبی الملقب بہ شبطون، امام مالکؒ سے موطا سنی اور فتاوٰی میں ان سے سن کر کتاب سماع پر سماع زیاد کے نام سے مرتب کی جو کافی مشہور ہے، وہ ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں جس میں لیث بن سعد اور ابن عیینہ شامل اور زیاد نے ہی سب سے پہلے اندلس میں موطا امام مالکؒ کو فقیہانہ حیثیت سے درس میں داخل کیا پھر یحیٰی بن یحیٰی نے ان کا اتباع کیا اہل مدینہ زیاد کو فقیہ اندلس کہا کرتے تھے امام مالکؒ کے پاس وہ دو مرتبہ سفر کر کے گئے تھے ۱۹۳ھ میں وفات پائی۔

(۲) عیسٰی بن دینار اندلسی حدیث کی سماعت کے لیے سفر کیا اور ابن القاسم کے پاس آئے ان سے تعلیم حاصل کی اور ان پر اعتماد کیا اور اندلس واپس گئے اور مشرق سے فتاوٰی انہی کے پاس جاتے تھے ان کے زمانہ میں قرطبہ میں ان سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا اور قرطبہ کی پیشوائی انہی کو ملی ابن القاسم ان کی تعظیم کرتے تھے اور ان کو جلیل القدر عالم سمجھتے تھے فقہ و ورع میں ان کی تعریف کیا کرتے تھے اندلس میں ان کے ہمعصروں میں کوئی فقیہ ان سے بڑھ کر نہیں تھا اور ابن امین کہتے ہیں کہ انھوں نے ہی ہمارے شہر یعنی اہل مصر کو مسائل سکھائے اور یحیٰی کی جلالت اور شان و شوکت کے باوجود وہ ان سے زیادہ فقیہ تھے اور جب وہ واپس لوٹنے لگے تو ابن القاسم نے ان کی تین کوس تک مشایعت کی لوگوں نے ان پر اعتراض کیا تو فرمایا کیا تم مجھ کو اس بات پر ملامت کرتے ہو کہ میں نے ایسے شخص کی...

مشایعت کی جس کے بعد اس سے بڑھ کر فقیہ اور اس سے زیادہ زاہد نہ ہوگا، طلیطلہ میں ۲۱۲ھ میں وفات پائی۔

(۳۳) یحیٰی بن یحیی کثیر اللیثی ان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ابتدا میں زیاد بن عبدالرحمٰن سے موطا امام مالک رح پڑھی پھر (۲۸) سال کی عمر میں سفر کیا اور امام مالک رح سے دوبارہ موطا پڑھی کتاب الاعتکاف کے چند ابواب میں ان کو کچھ شک پیدا ہوا تو اس کو زیاد سے روایت کیا امام مالک رح سے انھوں نے ۱۷۹ھ میں ملاقات کی اور یہی ان کے انتقال کا سال ہے اس کے بعد دوسرا سفر کیا جس میں صرف ابن القاسم سے ملاقات کی اور ان سے فقہ حاصل کیا اور اندلس علم کثیر لے کر واپس آئے عیسی بن دینار کے بعد فتاوی ان کی رائے اور یحیٰی کی رائے سے جاری ہوتے اور عیسیٰ رح کے ذریعہ ہی اندلس میں امام مالک رح کا مذہب پھیلا یحیٰی اپنے عمل سے ان کے علم پر فضیلت رکھتے تھے۔ اور ابن سبابہ نے کہا ہے کہ فقیہ اندلس عیسی ابن دینار ہیں اور اس کے عالم ابن حبیب اور اس کے عاقل یحیٰی ہیں علم میں اندلس کی پیشوائی انہی کو ملی ۲۳۴ھ میں وفات پائی۔

(۳۴) عبدالملک بن حبیب بن سلیمان سلمی، یہ طلیطلہ کے رہنے والے ہیں انکے دادا سلیمان قرطبہ چلے گئے تھے اور ان کے والد فتنۃ الربض میں بیرہ آگئے تھے اندلس ہیں تعلیم پائی اور ۲۰۸ھ میں سفر کیا، اور ابن ماجشون ومطرف وعبداللہ بن عبدالحکم اور اسد بن موسی وغیرہم سے سماعت حدیث کی اور ۲۱۶ھ میں اندلس گئے اور علم عظیم حاصل کیا پھر بیرہ آئے تو علم وروایت میں ان کا شہرہ ہوا جس پر امیر عبدالرحمٰن ابن الحکم نے ان کو قرطبہ بلایا اور وہاں کے مفتیوں کے طبقہ میں ان کو شامل کیا یہاں پر یحیٰی بن یحیٰی کے ساتھ جو وہاں کے مشاورۃ ومناظرۃ کے سردار تھے، رہے اور دونوں کے درمیان بہت اچھے تعلقات قائم ہوگئے یحیٰی کا انتقال ان سے پہلے ہوگیا ان کے بعد یہ اکیلے مقتدا بن گئے، عبدالملک رح امام مالک کے مذہب کی فقہ سے ماہر اور حافظ تھے مگر ان کو حدیث کا علم نہ تھا اور نہ وہ صحیح وسقیم حدیث سمجھتے تھے، فقہ میں امامت کے ساتھ ادب میں بھی ان کو معرفت حاصل تھی ابن مواز نے علم وفقہ میں انکی تعریف کی ہے کتاب واضحہ فی السنن والفقہ کے وہ مولف ہیں اور اس کے علاوہ بھی انکی اور مولفات ہیں

۲۳۸ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابوالحسن علی بن زیاد تونسی، امام مالکؒ و ثوری ولیث ابن سعد وغیرہم سے حدیث سنی ان کے زمانہ میں افریقہ میں ان کا مثل نہ تھا ان سے اسد بن فرات اور سحنون وغیرہ نے حدیث سنی امام مالک رحؒ سے موطا اور دیگر کتب سنیں اور فقہ میں وہ سحنونؒ کے معلم تھے افریقہ میں سحنون رحؒ سے کوئی بڑھ کر نہیں تھا اور قیروان میں اہل علم جب کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تو علی بن زیاد کو لکھتے تاکہ ان کو صحیح مسئلہ بتائیں، سحنون رحؒ فرماتے ہیں کہ اگر علی بن زیاد کو اتنی علم علم کی طلب ہوتی جتنی مصریوں کو ہے تو نہ کوئی ان میں سے چھوٹتا اور نہ کوئی ان کے ساتھ رہتا ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔

(۶) اسد بن فرات نیشاپور سے ایک خاندان سے تعلق رکھتے تھے نجران میں پیدا ہوئے جو دیار بکر سے تھا اور تونس میں جوان ہوئے پلے اور بڑے ہوئے وہاں علی بن زیاد سے فقہ حاصل کیا پھر مشرق کی طرف سفر کیا اور امام مالکؒ سے ان کی موطا سنی پھر عراق گئے اور ابوحنیفہؒ کے شاگردوں ابو یوسف اور محمد بن حسن اور اسد بن عمرو سے ملاقات کی اور ان سے فقہ حاصل کیا اور ابو یوسف رحؒ نے ان سے موطا امام مالکؒ پڑھی انہوں نے "مدونہ" کی تالیف کی جس کا عنقریب ذکر آئے گا، محاصرہ سرقوسہ میں ۲۱۳ھ میں وفات پائی جب کہ وہ اس کے امیر فوج اور قاضی تھے۔

(۷) عبدالسلام ابن سعید تنوخی ملقب بہ سحنونؒ اصل ان کی شامی ہے حمص کے رہنے والے ہیں ان کے والد حمص کی فوج میں شامل آئے تھے قیروان میں وہاں کے مشائخ سے علم حاصل کیا خصوصاً علی بن زیاد سے کیونکہ ان کے پاس تونس سے سفر کر کے گئے تھے پھر مصر گئے اور ابن القاسم و ابن وہب وغیرہما علماء مصر سے حدیث سنی جو امام مالکؒ اور بلاد مغرب کے طلبہ کے درمیان بڑا واسطہ تھے پھر مدینہ کی طرف سفر کیا اور امام مالک رحؒ کی وفات کے بعد وہاں کے علماء سے ملاقات کی اور ۱۹۱ھ میں افریقہ واپس لوٹے۔

ابوالعرب کہتے ہیں کہ سحنون رحؒ ثقہ حافظ علم اور اچھے فقیہ تھے ان میں کئی خصلتیں ایسی جمع ہو گئی تھیں جو ان کے علاوہ کسی میں نہیں تھیں، اچھا فقہ، سچا تقویٰ، اور حق میں جرأت اور دنیا

میں زہد اور کھانے پینے میں سادگی اور جوانمردی، سلطان سے کوئی چیز قبول نہ کرتے اور بسا اوقات وہ اپنے شاگردوں کو تیس تیس دینار یا اس کے مثل دیتے تھے اور ابن القاسم کہا کرتے تھے کہ افریقہ سے سحنونؒ کے مثل ہمارے پاس کوئی نہیں آیا اور جب وہ افریقہ آئے تو لوگوں نے ان کی طرف نظر کی اور ان کے گرویدہ ہو گئے نئی زندگی اور نئے زمانہ کا آغاز ہوا ان کے شاگرد اہل قیروان کے چراغ تھے انھوں نے ہی "مدونہ" تصنیف کی جس پر اہل قیروان کو اعتماد ہے ۲۳۴ھ میں افریقہ کے قاضی مقرر ہوئے اس وقت ان کی عمر ۷۴ سال کی تھی زندگی کے آخری لمحہ تک قاضی رہے اور لئے سلطان سے نہ کوئی روزینہ لیتے تھے نہ صلہ البتہ اپنے مددگاروں اور کاتبوں اور قاضیوں کے لئے اہل کتاب کے جزیہ میں سے لیتے تھے اور اگر کسی نے کسی شخص کو کسی بات سے اذیت پہنچائی یا گواہوں کو بھڑکایا تو اس کو سزا دیتے اور کہتے کہ جب گواہوں کو بھڑکایا گیا تو وہ کیسے گواہی دیں گے اور اگر فریق نے گواہ پر کوئی عیب لگایا یا جرح کی یا اس نے یہ کہا کہ مجھ سے گواہوں کے بارے میں دریافت کیجئے کہ وہ کیسے ہیں تاکہ وہ ان کی جرح کے بارے میں ان سے سوال کرے تو اس کو تنبیہ کرتے تھے اور مدعی سے فرماتے میں تجھ سے زیادہ اس بات کا خیال رکھتا ہوں اور وہ تجھ سے بڑھ کر میرے ذمہ ہے۔ طلاق و عتاق کے بارے میں ناجائز قسموں پر تادیب کیا کرتے تھے۔ تاکہ وہ اللہ عز وجل کے سوا کسی اور کی قسم نہ کھائیں اور فسق پر لوگوں کو تنبیہ کیا کرتے تھے اور جو اس کا مجرم ہوتا اس کو بازار سے نکال دیا کرتے تھے لوگ اپنے تمام نام رقعوں میں لکھ کر دے دیتے تھے جن کو وہ اپنے سامنے رکھ لیا کرتے اور ایک ایک کرکے نمبر وار ان کو بلاتے بجز اس کے کہ کوئی مجبور یا ستم رسیدہ آجاتا ۲۴۰ھ میں وفات پائی اللہ ان پر رحم کرے۔

یہ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے بلاد مغرب میں امام مالک کے مذہب کو پھیلایا لیکن بلاد مشرق میں کوئی ایسا شخص نہیں ہوا جس نے امام مالک کو دیکھا ہو اور ان سے فقہ حاصل کیا ہو البتہ ایسے لوگ تھے جنھوں نے امام مالک کو نہ دیکھا اور نہ سنا۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) احمد بن معذل بن غیلان عبدی فقیہ متکلم جو عبد الملک بن ماجشونؒ اور محمد بن مسلمہ کے شاگردوں میں سے بہترین ادیب۔ فصیح اور مناظر تھے مالکؒ کے مذہب کے فقیہ تھے صاحب

فضیلت وتقویٰ اور دین دار وعبادت گزار تھے امام مالکؒ کے لئے ان سے بڑھ کر، اور ان سے اعلیٰ درجہ کا اور اہل حجاز کے مذہب کا ان سے بڑھکر کوئی عالم نہ تھا اور انہی سے امام مالکؒ کا مذہب بلاد مشرق میں پھیلا۔

(۲) ابو اسحاق اسماعیل بن اسحاق بن اسماعیل بن حماد بن زید قاضی بصرہ میں نشوونما پائی اور بغداد کو وطن بنایا اور وہیں حدیث کی سماعت کی اور ابن معزل سے فقہ حاصل کیا وہ کہتے تھے کہ میں بصرہ میں دو شخصوں پر فخر کرتا ہوں، ابن المعزل پر جس نے مجھے سکھایا اور ابن المدینی پر جس نے مجھے حدیث سکھائی اور اہل عراق نے انہی سے فقہ مالکی حاصل کیا ابوبکر بن الخطیب کہتے ہیں کہ اسماعیل فاضل عالم ہر فن مولی مالکی مذہب کے فقیہ تھے ان کے مذہب کی شرح بیان کی ان کی طرف سے بحثیں کیں اور مسند وعلوم قرآن میں کئی کتابیں تصنیف کیں مالکؒ اور یحییٰ بن سعید انصاری اور ایوب سختیانی کی حدیثیں جمع کیں ابو الولید باجی مجتہدین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ مختلف علوم کے جامع تھے اور امام مالک رحؒ کے بعد اس درجہ پر بجز اسماعیل قاضی کے کوئی نہیں پہنچا، بغداد کے قاضی ہوئے اور ایک ہی وقت میں ان کے پاس تمام علوم جمع ہوئے ان سے قبل کسی کو یہ جامعیت حاصل نہ ہوئی وہ مداین اور نہروانات کے بھی قاضی ہوئے اور آخر میں قاضی القضاۃ ہو گئے، ابو عمرو دانی کہتے ہیں کہ اسماعیل (۲۲) سال منصب قضاء پر متمکن رہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پچاس یا کچھ زائد سال قاضی رہے ان کی کئی تالیفات ہیں جن میں سے بعض کا ذکر کیا جائے گا ۲۰۰ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۸۲ھ میں وفات پائی۔

اہل مدینہ میں امام مالک رحؒ کے بڑے شاگرد!

ابو مروان عبدالملک بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمۃ الماجشون جو قریش میں بنی تیم کے آزاد کردہ غلام تھے ماجشون یہ فارسی کلمہ ہے جس کے معنے "گلاب کے پھول یا گلابی کے ہیں" آپ کا یہ نام اس لئے پڑ گیا کہ ان کے چہرہ میں سرخی جھلکتی تھی عبدالملک فقیہ وفصیح تھے ان کے ابتداء زمانہ سے موت تک مسند فتویٰ پر رہے ان سے پہلے ان کے والد کے پاس تمام فتاویٰ آتے تھے جو اپنے زمانہ میں اہل مدینہ کے مفتی تھے اپنے باپ اور امام مالکؒ سے فقہ حاصل کیا، اور جب

امام شافعی رح اور وہ آپس میں مذاکرہ کیا کرتے تھے تو لوگ اکثر ان کی بات نہ سمجھتے تھے کیونکہ امام شافعیؒ نے دیہات میں ہذیل رح کے پاس ادب کی تعلیم پائی تھی اور عبدالملک نے اپنے ماموؤں کے پاس بنی کلب میں بدوؤں سے ادب کی تعلیم حاصل کی تھی یحییٰ بن اکثم کہتے ہیں کہ قاضی عبدالملک ایک دریا کی طرح ہیں جس کو ڈول مکدر نہیں کر سکتے اور سحنون نے ان کی تعریف کی اور فضیلت بیان کی ہے اور کہا کہ میں نے ارادہ کیا کہ ان کے پاس جاؤں اور ان پر ان کتابوں کو پیش کروں کہ وہ اجازت دیں اس کو جائز رکھوں اور جس کو وہ ادا کر دیں میں بھی رد کر دوں، اور ابن حبیب نے ان کی بہت تعریف بیان کی ہے عقل اور سمجھ میں اکثر اصحاب مالک پر ان کو بلند قرار دیتے تھے، ان سے ایک بڑی جماعت اور جلیل القدر ائمہ نے جیسے کہ احمد بن معذل اور ابن حبیب و سحنون نے فقہ حاصل کیا ۲۱۲ھ میں وفات پائی

یہ حضرات امام مالک رح کے جلیل القدر شاگرد اور ان کے مذہب کی اشاعت کرنے والے تھے ان کی نسبت امام مالکؒ کے ساتھ ایسی تھی جیسی شاگرد کی استاد کے ساتھ اور راوی کی استنباط کرنے والے کے ساتھ لیکن وہ ان کی مخالفت بہت کم کرتے تھے اور اگر کہیں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے تو وہ اختلاف خود امام مالکؒ کی روایت کے اختلاف کی بناء پر ہوگا یا ان سے روایت کردہ نصوص کے سمجھنے میں اختلاف کی بناء پر البتہ کبھی کبھی ابن وہب اور ابن قاسم ان سے اختلاف کرتے تھے لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا بہت کم امور ہیں۔

تیسرے امام امام شافعی رح

ان کا نسب، ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع شافعی مطلبی، بنی المطلب بن عبد مناف سے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی اور امام شافعی رح کی نویں پشت میں تھے امام شافعی رح کی ماں یمنی قبیلہ ازد سے تھیں اور فطرۃً بہت ذکی و ذہین تھیں۔

شافعی رح عسقلان کے مضافات میں غزہ میں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے غزہ ان کے اجداد کا وطن نہ تھا بلکہ ان کے والد ادریس وہاں کسی ضرورت سے گئے تھے وہیں ان کا انتقال ہوا اور وہاں ان کے لڑکے محمد پیدا ہوئے ان کے پیدا ہونے کے دو سال کے بعد ان کی ماں ان کے جدی

وطن مکہ لے آئیں اور وہیں اپنی ماں کے آغوش عاطفت میں بحالت یتیمی پرورش پائی اور بچپن میں قرآن حفظ کیا پھر دیہات میں ہذیل کے پاس گئے جو عرب کا فصیح ترین قبیلہ تھا وہاں ان کے اشعار خوب یاد کیے جب وہاں سے لوٹے تو فصاحت وادب میں خوب ماہر ہو چکے تھے پھر مسلم بن خالد زنجی جو حرم کے شیخ اور وہاں کے مفتی تھے ان سے علم حاصل کیا حتیٰ کہ انھوں نے ان کو اجازت دے دی کہ فتویٰ دیا کریں آپ نے ان سے درخواست کی کہ وہ امام مالک رحہ بن انس امام دار الہجرۃ اور وہاں کے دوسرے محدثین کو لکھیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کو خط لکھ دیا اس کو لے کر مدینہ منورہ پہنچے اور امام مالکؒ کے پاس حاضر ہوئے اور موطا کو حفظ کیا ان کو پڑھ کر سنایا امام مالک رحہ سن کر تعجب کرنے لگے اور بہت پسند فرمایا۔

امام شافعی رحہ نے اس مدت میں مسلم بن خالد سے فقہ اور دو عظیم المرتبت انسان یعنی سفیان بن عیینہ محدث مکہ اور مالکؒ بن انس محدث مدینہ سے حدیث کی تعلیم حاصل کی اور یہ ان کے سب سے بڑے شیوخ میں سے ہیں لیکن ان کے سوا اور لوگوں سے بھی روایت کی ہے۔

امام شافعی رحہ مالدار نہ تھے جس کی وجہ سے وہ ایسے کام کی تلاش پر مجبور ہوئے جس سے وہ رزق حاصل کر سکیں مصعب بن عبد اللہ قرشی قاضی یمن کی معاونت سے ایک کام میں لگ گئے اور اس میں ترقی حاصل کرتے رہے یہ خلیفہ ہارون رشید کا زمانہ تھا اور آل عباس اور آل علی کے درمیان سخت دشمنی تھی اور رشید علویوں کی اور ان کے معاونین کی حرکات سے بہت ڈرتا اور محتاط رہتا تھا۔ اور ان کو معمولی شبہ پر پکڑ لیتا تھا امام شافعی رح پر بھی تشیع کی تہمت لگائی گئی اور بلاد یمن اس وقت ان شیعوں کا مرکز بنا ہوا تھا جو بنی عباس کی گھات میں لگے ہوئے تھے اور افراد قوم میں شیعوں کی دعوت کو پھیلا رہے تھے چنانچہ ان شیعوں کا معاملہ ہارون رشید کے پاس پیش کیا گیا امام شافعی رحہ بھی ان کے ساتھ تھے ان کو بھی رشید کے پاس جانے کا حکم دیا چنانچہ وہ اس کے پاس بھیجے گئے یہ ۱۸۴ھ کا واقعہ ہے اور کہا جاتا ہے کہ ان پر یہ تہمت مطرف بن مازن قاضی صنعا نے لگائی تھی۔ حماد بربری والی یمن ان کو رشید کے پاس شہر میں لے گئے۔

امام شافعی رحہ کو اس تہمت سے شدید خطرہ لاحق ہوا مگر اللہ تعالے نے ان کی مدافعت کے لیے رشید کے دربان فضل بن ربیع کو کھڑا کر دیا اس نے ان کی طرف سے مدافعت کی حتیٰ کہ ان کی برأت

ثابت ہوگئی امام شافعی رح نے رشید سے اپنی شیعہ تہمت کی مدافعت میں جو کہا یہ تھا کہ کیا میں اس کو چھوڑ دوں گا جو اپنے کو ان کا چچازاد بھائی کہتا ہے (یعنے رشید) اور اس کو قبول کر لوں گا جو اپنے کو ان کا غلام کہتا ہے (یعنے امام شیعہ) اس کلمہ کا رشید کے دل پر بہت بڑا اثر پڑا ان کو چھوڑنے کا اور ان کو انعام دینے کا حکم کیا۔

اس فرصت میں امام شافعی رح محمد بن حسن شیبانی سے ملے جو ابی حنیفہ رح کے شاگرد تھے اور فقہاء عراق کی کتابوں پر مطلع ہوئے اور اس پر طریقہ اہل حدیث پر معلومات کا اضافہ کیا اور انھوں نے محمد بن حسن سے کئی مناظرات کئے جس کی اطلاع رشید کو ملی جس سے وہ بہت خوش ہوا اور شافعی کی کتابیں ان مناظرات سے بھری ہوئی ہیں، شافعی رح عراق سے حجاز کی طرف لوٹے اور مکہ ہی میں مستقل طور پر رہنے لگے۔ اور مدت دراز تک افادہ و استفادہ کا سلسلہ جاری رہا کیونکہ مکہ مکرمہ تمام ملکوں کے علماء کے آمد و رفت کا مقام تھا امام شافعی رح ان سے ملتے اور ان سے مناظرہ کیا کرتے تھے اور یہ ان سے حاصل کرتے اور وہ لوگ ان سے حاصل کیا کرتے حتیٰ کہ دوبارہ ۱۹۵ھ میں عراق آنے کا ارادہ کیا یہ رشید کی وفات اور عبداللہ الامین کی حکومت کا زمانہ تھا، چنانچہ وہاں پہ گئے اور اس مرتبہ ان کے آنے پر علماء عراق کی ایک جماعت نے ان سے علم حاصل کیا اور وہاں انھوں نے اپنی وہ کتابیں جو عراقی مذہب یا قدیم مذہب کے بارہ میں تھیں لکھوائیں اور اس مرتبہ جب وہ واپس آئے تو محمد بن ابی حسان زیادی کے پاس اترے اور دو سال تک وہاں مقیم رہے اس دوران محمد بن حسن کی وفات ہو چکی تھی۔ اور ابی حنیفہ کے شاگردوں میں اس وقت حسن بن زیاد موجود تھے لیکن امام شافعی رح جس طرح محمد بن حسن سے مناظر کیا کرتے تھے ان سے نہیں کیا پھر حجاز کی طرف لوٹے اس وقت تک بغداد میں ان کی شہرت پھیل چکی تھی اور وہاں کے اکثر علماء ان کا طریقہ قبول کر چکے تھے پھر ۱۹۸ھ میں تیسری مرتبہ عراق آئے اور وہاں کئی مہینے ٹھہرے اور عراق سے مصر کے لئے سفر کیا اور فسطاط میں عبداللہ بن عبدالحکم کے پاس معزز مہمان کی حیثیت سے ٹھہرے اس وقت وہاں امام مالک کا طریقہ تمام مصریوں میں پھیلا ہوا تھا اکثر علمائے مصر اس کے متبع تھے امام مالک رح کے شاگردوں میں سے جنھوں نے ان کا کلام سنا تھا عبداللہ بن عبدالحکم اور اشہب باقی رہ گئے تھے جو ان سے روایت کیا کرتے تھے۔

مصر میں امام شافعی رح کی قابلیت اور قدرت کلام کا خوب اظہار ہوا اور وہاں اپنے مصری شاگردوں کو اپنی جدید کتابوں کا املا کرایا اور یہ ان کا مصری مذہب یا جدید طریقہ تھا اور پھر وہ اپنی وفات تک وہیں رہے ۲۰۴ھ میں ان کی وفات ہوئی اور مقبرہ بنی الحکم میں مدفون ہوئے اور مصریوں نے ان کو زندگی میں اور وفات کے بعد جلیل القدر مانا اور حجازی ہونے کے باوجود وہ مصری شمار ہوتے تھے اور امام شافعی رح ہی وہ امام ہیں جنھوں نے بنفس نفیس اپنے مذہب کو پھیلانے کے لئے سفر کئے اور اپنی کتابیں اپنے ہاتھ سے خود لکھیں اور اپنے شاگردوں کو لکھوائیں اماموں میں ان کے سوا کسی کو یہ بات حاصل نہیں تھی۔

اور مذہب شافعی رح کی بنیادی باتیں ان کے رسالہ اصولیہ میں درج ہیں کہ اولاً وہ ظواہر قرآن سے حجت کرتے ہیں حتیٰ کہ کسی دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ اس سے ظاہر قرآن مراد نہیں ہے اس کے بعد وہ سنت کو لیتے ہیں اور خبر واحد پر عمل کرنے کے متعلق بہت کافی حمایت کرتے ہیں بشرطیکہ اس کا راوی معتبر اور ثقہ ہو اور حدیث کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو اس کے سوا انھوں نے کوئی عمل تائید حدیث کے لئے شرط قرار نہیں دیا جیسا کہ مالک رح نے شرط لگائی ہے اور نہ شہرت کی شرط جیسے اہل عراق نے لگائی ہے اور اس حمایت حدیث سے اہل حدیث کے نزدیک انھوں نے بڑا درجہ حاصل کر لیا حتیٰ کہ اہل بغداد ان کو "ناصر السنہ" کہنے لگے اور وہ سنت صحیحہ کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں جس نظر سے وہ قرآن کو دیکھتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک واجب الاتباع ہے حدیث کے بعد پھر اجماع پر عمل کرتے ہیں اور اجماع کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ اس کے خلاف کا علم نہ ہو اس لئے کہ ان کی نظر میں اجماع کا علم ناممکن ہے جیسا کہ ہم نے اس کے پہلے بیان کیا ہے اور جب کوئی منصوص دلیل نہ ملے تو پھر قیاس کی طرف رخ کرتے ہیں اور اس شرط پر عمل کرتے ہیں کہ اس کے لئے کوئی اصل معین ہو اور جس کو عراقی استحسان اور مالکی استصلاح کہتے ہیں۔ اس کی شدت سے تردید کرتے ہیں البتہ وہ استدلال پر اور جو اس سے قریب ہو عمل کرتے ہیں اور چونکہ شافعی رح حجازیوں اور عراقیوں کی فقہ کے اور بدوؤں کی فصاحت کے جامع تھے اس لئے وہ مناظرہ اور حسن تحریر میں یگانہ تھے ان کی تحریریں اس زمانہ کے بلیغ ترین شخص حافظ اور اس جیسے

لوگوں سے کم نہ تھی۔

شافعیؒ کے شاگرد اور انکے مذہب کے راوی!

شافعیؒ کے شاگرد عراق کے بھی ہیں۔ اور مصر کے بھی۔

عراقی شاگرد حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابوثور ابراہیم بن خالد بن یمان کلبی بغدادی ان کی فقہ کا مدار رائے پر تھا۔ اور شافعیؒ کے آنے سے قبل اہل عراق کے قول پر عمل کرتے رہے جب شافعیؒ بغداد آئے تو ان کے پاس آنے لگے اور ان سے علم حاصل کیا اور وہ ائمہ فقہاء شافعیہ میں گنے جانے لگے اگرچہ وہ شافعیؒ کی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ جب ان کو دلیل مل جاتی تو وہ ان کی مخالفت کیا کرتے تھے انھوں نے اپنے لئے چند آراء منتخب کر لی تھیں اور ان کا ایک خاص مذہب ہے اور ان کے ماننے والے بھی ہیں لیکن یہ مذہب زمانہ دراز تک باقی نہ رہا۔ ابوعمر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ وہ بالغ النظر اور انہی روایات میں ثقہ تھے لیکن بعض شاذ مسائل میں انھوں نے جمہور سے اختلاف کیا ہے لوگوں نے ان کو ائمہ فقہاء میں سے شمار کیا ہے اور وہ مسائل جن میں انھوں نے جمہور یا امام شافعیؒ سے اختلاف کیا ہے یہ ہیں۔

(۱) تمام فقہاء کے نزدیک دین وصیت پر مقدم ہے مگر ابوثور وصیت کو اللہ تعالیٰ کے ظاہر قول کی بناء پر مقدم رکھتے ہیں۔

من بعد وصية يوصى بها او دين ط وصیت یا قرض کے بعد۔

(۲) کسی عیب کی بناء پر چیز کے لوٹانے کا اختیار اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ کلام سے رضامندی یا ایسا فعل نہ ہو جس کو لغتہً "رضا" سمجھا جائے اور مذہب شافعیؒ میں رد بالعیب کا اختیار فوراً ہو جاتا ہے۔

(۳) جب کوئی دو شخص قبلہ کی سمت کے بارے میں اجتہاد کریں اور ایک کا اجتہاد دوسرے کے خلاف ہو تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کی اقتداء جائز ہے اور ہر ایک اپنے قبلہ کی طرف رخ کرے لیکن یہ ان کے علاوہ اور لوگوں کے مخالف ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے۔

ابوثور کا انتقال سنہ ۲۴۰ھ میں ہوا، ابن خلکان کے قول کے مطابق سنہ ۲۴۶ھ میں۔

(۲) احمد بن جنبل اور ان کا ذکر عنقریب ان کے ذکر میں کیا جائے گا۔

(۳) حسن بن محمد بن صباح زعفرانی بغدادی جو مذہب قدیم کے راویوں میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور ثقہ ہیں کتاب عراقی انہی کی طرف منسوب ہے اور شافعی رح کی مجلس میں قرائت کے ذمہ دار وہی ہوتے تھے اور انہی کی قرأت سے احمد اور ابوثور اور کرابیسی نے حدیث سنی وہ سواد کے ایک گاؤں کی طرف جس کا نام زعفرانیہ ہے سے منسوب ہیں پھر بغداد کے بعض راستوں میں بیٹھے تو وہ راستے ان کی طرف منسوب ہو گئے۔

زعفرانی نے سفیان بن عیینہ اور شافعی رح وغیرہ سے حدیث سنی ان سے بخاری وغیرہ ائمہ حدیث نے روایت کی ہے بجز مسلم کے، اور شافعی رح ان کی فصاحت کی بہت تعریف کرتے تھے حتیٰ کہ ان کے بارے میں یہ فرمایا کہ میں نے بغداد میں ایک ایسے بنطی کو دیکھا جو عربی معلوم ہوتا تھا اور میں اس کے مقابلہ میں بنطی سنہ ۲۶۰ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابوعلی حسین بن علی کرابیسی اولاً عراقیوں کے مذہب پر فقہ حاصل کیا پھر شافعی رح سے فقہ کی تعلیم حاصل کی ان سے اور ان کے علاوہ دوسروں سے بھی حدیث سنی اور ان کو شافعیؒ نے زعفرانی کے کتابوں کی اجازت دی اور لوگوں نے ان سے حدیث کی روایت کرنے سے پرہیز کیا ہے کیونکہ امام احمد بن جنبل نے ان پر طعن کیا تھا کیونکہ مسئلہ لفظ کی بناء پر یعنی ان کے اس کہنے پر کہ "میرا قرآن کے الفاظ" پڑھنا مخلوق ہے اور یہ عجیب ہے محمد بن عبداللہ مصری شافعی رح اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ عبرت پکڑو اس حسین قرابیسی اور ابوثور سے کہ حسین کے علم اور حفظ کے مقابلہ میں ابوثور دسواں حصہ بھی نہیں ہے لیکن امام احمدؒ نے ان کے بارے میں لفظ کی بناء پر طعن کیا تو وہ لوگوں کی نظر سے گر گیا اور ابی ثور کی تعریف کی تو وہ بڑھ گیا۔

(۵) احمد بن یحییٰ بن عبدالعزیز بغدادی متکلم جو شافعیؒ کے بڑے شاگردوں میں سے تھے پھر احمد بن ابی داؤد کے شاگردوں میں شامل ہوئے اور ان کی رائے کا اتباع کرنے لگے ابوعاصم نے کہا ہے کہ وہ ان حفاظ میں سے ایک تھے جو زاہد بھی زائد بھی تھے اور مفتی بھی اور شافعی رح نے ان کو اپنی کتابیں پڑھنے سے منع کر دیا تھا کیونکہ ان کی آنکھوں میں کچھ خرابی تھی، اور معتزلہ کے آراء کے

اتباع نے ان کے درجہ کو گرا دیا ابن سبکی نے کہا کہ وہ بہت سے قابل اعتراض مسائل کے قائل تھے چنانچہ وہ کہتے تھے کہ طلاق صفات سے نہیں پڑتی اور دلیل یہ تھی کہ جب نکاح متعہ اس لئے جائز نہیں کہ وہ ایسا عقد ہے جو ایک صفت سے متعلق ہے تو ایسی طلاق بالصفت بھی عقد متعلق ہے اس کے بعد ابن سبکی نے کہا کہ یہ قول بالکل باطل اور اجماع کے خلاف ہے اور وہ ظاہر یہ کے قول کے مثل ہے جیسا کہ ابن حزم نے محلی میں صراحت کی ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ جب مہینہ کی ابتدا ہو تو تجھ پر طلاق ہے یا کوئی اور وقت کا ذکر کیا تو اس کے اس کہنے سے نہ اس وقت طلاق ہوگی اور نہ جب مہینہ شروع ہوگا۔ غالباً یہ ان مسائل میں سے ایک ہے جس میں ظاہر یہ منفرد ہیں۔

اور شافعیؒ کے عراقی شاگرد جنھوں نے فقہ حاصل کیا

(۱) داؤد بن علی امام اہل ظاہر ہیں جن کا بیان ہم علیحدہ عنقریب کریں گے۔

(۲) ابو عثمان بن سعید انماطی جنھوں نے مزنی اور ربیع سے علم حاصل کیا اور یہ وہی ہیں جن سے بغداد میں امام شافعیؒ کی کتابیں مشہور ہوئیں اور انہی سے ابن سریج نے فقہ حاصل کیا ۲۸۸ھ میں وفات پائی۔

(۳) ابو العباس احمد بن عمر بن سریج، حسین زعفرانی وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی اور ابی القاسم انماطی سے فقہ حاصل کیا اور ان کو شافعیؒ کے تمام شاگردوں پر حتی کہ مزنی پر ترجیح دیتے تھے شیخ ابو حامد اسفرائنی کہتے ہیں کہ ہم ظاہر فقہ میں ابی العباس کے ساتھ چلتے ہیں لیکن دقائق فقہ میں نہیں اور وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مناظرہ کا دروازہ کھولا اور لوگوں کو جدال کا طریقہ سکھایا اور ان کی بہت سی تصنیفات ہیں جن کی تعداد (۴۰۰) تک پہنچتی ہے اور ان کے اور داؤد بن علی ظاہری کے اور ان کے لڑکے محمد کے درمیان بہت سے مشہور مناظرے ہوئے ۳۰۶ھ میں وفات ہوئی۔

(۴) ابو العباس احمد بن ابی احمد طبرانی جو ابن القاص کے نام سے مشہور تھے، ابن سریج سے فقہ حاصل کیا اور وہ صاحب تصانیف مشہور تھے جو تلخیص و مفتاح و ادب القاضی وغیرہ ہیں

اور اصول فقہ میں ان کی ایک تصنیف ہے امام جلیل تھے ۲۱۷ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابو جعفر محمد بن جریر طبری ہم عنقریب ان کا ذکر مخصوص طور پر علیحدہ کریں گے۔

امام شافعی رح کے مصری شاگرد حسب ذیل ہیں۔

(۱) یوسف بن یحیٰی بویطی مصری جو مصر میں شافعی رح کے بڑے شاگردوں میں سے تھے شافعی رح سے فقہ حاصل کیا اور ان سے اور عبد اللہ بن وہب وغیرہما سے حدیث روایت کی اور ان کی ایک مشہور کتاب مختصر ہے جس کو شافعی رح کے کلام سے مرتب کیا ہے' امام شافعی رح فتاویٰ میں ان پر اعتماد کیا کرتے تھے اور کوئی مسئلہ ان کے پاس آتا تو ان کے پاس بھیجا کرتے تھے اور اپنی موت کے بعد اپنے شاگردوں پر ان کو خلیفہ بنایا جن کی تعلیم و تربیت سے بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے جو مختلف شہروں میں پھیلے اور امام شافعی رح کا علم اطراف عالم میں پھیلایا فتنۂ خلق قرآن کے زمانہ میں بغداد میں قید کی حالت میں ۲۳۱ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابو ابراہیم اسمٰعیل بن یحیٰی مزنی مصری ۱۷۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور جب جوان ہو کر علم حاصل کیا اور حدیث کی روایت کی یہاں تک کہ جب امام شافعی رح ۱۹۹ھ میں مصر آئے تو ان سے فقہ حاصل کیا ابو اسحاق شیرازی کہتے ہیں کہ زاہد عالم مجتہد اور مناظر تھے صاحب حجت اور معانی دقیقہ پر غور کرنے والے تھے' انہی کے حق میں شافعی رح کہتے ہیں کہ مزنی میرے مذہب کا قاصد ہے اور انھوں نے ایسی کتابیں تالیف کیں جس پر شافعی رح مذہب کا مدار ہے اور انہی سے اکثر علماء خراساں و عراق و شام نے علم حاصل کیا ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

بعض اوقات مزنی اپنے استاد کی مخالفت بھی کرتے اور اپنے لئے نئی راہ اختیار کرتے لیکن شافعی رح حضرات ان اختیارات کو مذاہب میں جدید اقوال کی حیثیت نہ دیتے تھے اور یہ کچھ زیادہ بھی نہیں ہیں۔

(۳) ربیع بن سلیمان بن عبد الجبار مرادی ان کے آزاد کردہ غلام۔ جو جامع عتیق میں موذن تھے ۱۷۴ھ میں پیدا ہوئے امام شافعی رح کی خدمت میں رہے اور ان سے بہت علم حاصل کیا اور ان سے حدیث روایت کی اور یہ ان کی کتابوں کے راوی ہیں۔ اور ان سے جو روایتیں کرتے ہیں ان میں ثقہ اور قابل اعتماد ہیں حتیٰ کہ ان میں اور مزنی میں کسی روایت میں اگر تعارض ہو جائے تو

اصحاب امام شافعی رح ربیع کی روایت کو مزنی پر ترجیح دیتے ہیں اور اطراف عالم سے لوگ ربیع کے پاس امام شافعی رح کی کتابیں پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔

(۴) حرملہ بن یحییٰ بن عبداللہ التجیبی ۱۶۶ھ میں ولادت ہوئی جلیل القدر اور رفیع الشان امام تھے ان کی اکثر حدیثیں ابن وہب سے روایت کردہ ہیں اور شافعی رح سے فقہ حاصل کیا اور ان کے مذہب میں کتابیں لکھیں اور اشہب ان کے بارہ میں کہا کرتے تھے کہ یہ اہل مسجد کے بہترین لوگوں میں سے ہے ۲۴۳ھ میں وفات پائی۔

(۵) یونس بن عبدالاعلیٰ صدفی مصری ۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور سفیان بن عیینہ و ابن وہب وغیرہم سے حدیث سنی اور امام شافعی رح سے فقہ حاصل کیا۔ اور مصر میں علم کی پیشوائی حاصل کی امام شافعی رح سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مصر میں کوئی شخص یونس بن عبدالاعلیٰ سے زیادہ عقلمند میں نے دیکھا ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

(۶) ابوبکر محمد بن احمد المشہور بابن حداد ان کی ولادت مزنی کے انتقال کے دن ہوئی حفظ قرآن میں یگانۂ روزگار اور فقہ میں امام عصر لغت میں دریاء ذخار، معانی دقیقہ میں غور کرنے والے اور فروع کے لئے اس کے حسن استخراج میں کمال رکھنے والے اس پر لوگوں کا اتفاق ہے۔ کہ وہ ان علوم میں یکتائے روزگار تھے کوئی ان تک نہیں پہنچا اور ان کی ایک کتاب فقہ میں الباہر ہے اور ایک کتاب ادب القضاء ہے وہ مصر کی زینت اور علم قضاء میں ماہر تھے ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔

جن لوگوں کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ براہِ راست شافعی رح کے مشہور شاگردوں میں سے تھے اور جن سے لوگوں نے ان کی تالیفات وتصنیفات کے ذریعہ علم حاصل کیا ان کی بھی بہت بڑی تعداد ہے اور امام مالک رح کے شاگردوں کی طرح ان لوگوں نے بھی امام شافعی رح کی بہت کم مخالفت کی ہے۔

چوتھے امام احمد بن حنبل رح

احمد بن حنبل بن ہلال ذہلی شیبانی مروزی ثم البغدادی ہیں ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے بزرگ

محدثین میں سے ہیں اور ہشیم اور سفیان بن عیینہ کے طبقات اور بزرگ ائمہ سے حدیث سنی اور ان سے بخاری و مسلم اور ان کے طبقہ کے لوگوں نے روایت کی اور حدیث کے حاصل کرنے اور اس کے یاد کرنے میں خوب محنت کی تھی کہ اپنے زمانہ میں امام اہل حدیث ہوئے شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں بغداد سے نکلا تو وہاں کوئی شخص احمد بن حنبل سے بڑھ کر عالم و فقیہ و افضل عالم کسی کو نہیں چھوڑا، امام احمدؒ نے امام شافعی رح سے جس وقت وہ بغداد آئے علم فقہ حاصل کیا اور وہ ان کے بغداد کے شاگردوں میں سب سے بڑے شاگرد ہیں پھر وہ خود مجتہد ہو گئے اور یہ اہل حدیث کے ان مجتہدوں میں سے ہیں جو بلا شرط خبر واحد پر عمل کرتے ہیں جب کہ اس کی سند صحیح ہو جیسے شافعی رح کا طریقہ ہے اور اقوال صحابہ کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں اور احمد رح کا شمار علمائے حدیث کی بہ نسبت فقہاء میں زیادہ ہوتا ہے، مسند کی تصنیف کی جس میں تقریباً (۴۰) ہزار احادیث ہیں ان سے ان کے بیٹے عبداللہ نے روایت کی ہے اور اصول میں ان کی ایک کتاب "طاعت رسول" ہے اور ایک کتاب ناسخ و منسوخ ہے اور کتاب العلل ہے۔

امام احمد بن حنبل سے ان کے مذہب کی جن مشہور لوگوں نے روایت کی ہے وہ درج ذیل ہیں۔ ابوبکر احمد بن محمد بن ہانی ہیں جو "اثرم" کے نام سے مشہور ہیں اپنی کتاب سنن کو جو فقہ میں ہے امام احمدؒ کے مذہب پر تصنیف کیا ہے اور اس میں حدیث سے دلائل لائے ہیں اور اسحاق بن ابراہیم ہیں جو ابن راہویہ مروزی کے نام سے مشہور ہیں اور یہ امام احمد رح کے مشہور شاگردوں میں سے ہیں انھوں نے بھی فقہ میں کتاب السنن لکھی ہے۔

اور صرف امام احمدؒ بن حنبل ہی تھے جو خلق قرآن کے مسئلہ میں ثابت قدم رہے صرف کیونکہ اکثر اہل حدیث نے مامون رشید کی دعوت خلق قرآن کو قبول کر لیا تھا لیکن وہ ثابت قدم رہے اور لغزش نہ کھائی ۲۱۸ھ سے جس میں مامون کی دعوت شروع ہوئی ۲۳۳ھ تک جس میں متوکل نے اس دعوت کو ختم کر دیا اور لوگوں کو اپنے مسلک کے اختیار کرنے اور اپنے اعتقاد پر قائم رہنے کی اجازت و آزادی دی اس سے قطع نظر کہ ان کی رائے صائب تھی یا غلط یہ ثابت قدمی امام احمد بن حنبل کو بزرگی عطا کرتی ہے اور علماء کے سامنے ان کے درجہ کو بڑھاتی ہے کہ انھوں نے اپنے اعتقاد کی حفاظت کے لیے مصیبتوں کو اس خندہ پیشانی سے برداشت کیا جو انسان کے

شرف کا بہترین زیور ہے ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

یہ چاروں ائمہ جمہور اہل اسلام کا ائمہ ہیں جن سے ان کے مذاہب مشہور اور مدون ہوئے اور باقی رہے۔

ائمہ شیعہ

اس دور میں شیعوں کے دو مذہب مشہور ہوئے اور وہ شیعہ زیدیہ اور شیعہ امامیہ ہیں زیدیہ کی نسبت زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کی طرف ہوتی ہے جنھوں نے کوفہ میں ہشام بن عبدالملک پر خروج کیا اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے خلافت کی طلب میں بنی امیہ و بنی عباس کے خلاف بغاوت اور خروج کیا بعض نے بلاد طبرستان و بلاد یمن میں کچھ کامیابی بھی حاصل کی۔ اور اس مذہب کے اصول کی رو سے ان کے ائمہ میں اجتہاد کی شرط ضروری ہے اور اسی لئے ان میں ائمہ مجتہدین فقہ میں رائے رکھنے والے زیادہ ہوئے اور اس دور میں انکا سب سے بڑا مجتہد جو مانا گیا وہ داعی الی اللہ امام ناصر حق حسن بن علی بن زید بن عمر بن علی بن حسین بن علی ہیں جنھوں نے مذہب زیدیہ پر بہت سی کتابیں لکھیں جو فقہی ابواب پر مرتب ہیں جیسے کتاب الطہارۃ کتاب الاذان وغیرہ۔

اور انہی اماموں میں سے ایک امام داعی الی الحق حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن حسن بن علی ہیں۔ اور یہ حسن جید علماء میں سے تھے اور بلاد طبرستان میں انھوں نے بغاوت کی اور ۲۵۰ھ میں اس پر قابض ہو گئے اور وفات تک یعنی ۲۷۰ھ تک اس پر قابض رہے انھوں نے فقہ میں ایک کتاب الجامع اور کتاب البیان وغیرہ لکھی ہیں۔

اور انہی میں سے قاسم بن ابراہیم علوی یرسی صاحب صعدہ ہیں جو بلاد یمن میں سے ہے ان کا زمانہ ۲۴۲ھ سے ۲۸۰ھ تک ہے زیدیہ قاسمیہ انہی کی طرف منسوب ہے انکی تصانیف کتاب الاشربہ اور کتاب الایمان والنذور وغیرہ ہیں۔

اور انہی میں سے ہادی یحییٰ بن حسن بن قاسم بن ابراہیم امام صعدہ ہیں ۲۸۰ھ سے ۲۹۸ھ تک رہے انہی کی طرف زیدیہ ہادویہ منسوب ہیں ان کی ایک کتاب جامع فقہ میں ہے

اوراس دور کے بہت سے علماء اور محدثین مذہب زیدیہ کو امامت میں حق سمجھتے تھے ۔

اور بلاد یمن کی اکثریت شیعہ زیدیہ ہے اور یہ فرقہ شیعوں کے تمام فرقوں سے جمہور کے مذاہب کے زیادہ قریب ہے اس لئے کہ زیدیہ شیخین کی تنقیص نہیں کرتے اگرچہ یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ امامت کے معاملہ میں ان سے بہتر تھے ۔

شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کے اس زمانہ میں سب سے بڑے امام ابوعبداللہ جعفر صادق ہیں سادات اہل بیت میں سے تھے اور ہر بات سچ کہنے کی وجہ سے وہ صادق مشہور ہوئے ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ان سے امام مالکؒ بن انس اور امام ابوحنیفہ رح اور اکثر علماء مدینہ نے روایت کی ہے مگر امام بخاری رح نے ان سے کوئی حدیث نہیں لی ۔ اور ان کے والد ابوجعفر محمد باقر ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا اور ان دونوں بزرگوں پر ہی شیعہ امامیہ کے فقہ کا دارومدار ہے اور اس دور میں ان کے سب سے بڑے مؤلف ابوالنضر محمد بن مسعود عیاشی اور ابو علی محمد بن احمد بن الجنید ہیں اور جن کو شہرت عظیم حاصل ہے وہ زرارہ بن اعین ہیں جو فقہ وحدیث ومعرفت کلام اور تشیع کی بناء شیعہ حضرات میں سب سے بڑے امام ہیں جو ابی جعفر باقر کے شاگردوں میں سے ہیں اور ان کے لڑکے حسین بن زرارہ اور حسن بن زرارہ ہیں جو ابی عبداللہ جعفر صادق کے شاگردوں میں سے ہیں ۔

اس فرقہ کی بنیاد ان امور پر ہے کہ ائمہ معصوم ہیں اور علی رضی اللہ عنہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں کہ ان کو شریعت کا ظاہر اور مخفی سب کچھ بتادیا اور انھوں نے یہ سب باتیں ان کو پہنچادیں جو امامت میں ان کے جانشین تھے اور اسی لئے ائمہ کے اقوال ایسے ہیں جیسے شارع کے نصوص اور یہ کہ احکام رائے اور اجتہاد سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ امام معصوم کی طرف سے حاصل ہوتے ہیں اور اسی لئے ان کے یہاں اجماع تام اور قیاس کے اصول نہیں ہیں ، اجماع کا تو اس لئے کہ ان کے نزدیک اس شخص کے کہنے کا کوئی اثر ہی نہیں جو ائمہ میں سے نہ ہو اور قیاس اس لئے کہ وہ رائے کا نام ہے اور دین رائے سے حاصل نہیں ہوتا ہے اور یہ لوگ تقیہ کے قائل ہیں ۔ اور تقیہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اعتقاد کے سوا اور بات کا اظہار کرے اس شر سے بچنے کے لئے جو اس کو اس کے مخالفین سے پہنچنے کا اندیشہ ہو

اسی لئے ان کی کتابوں میں جب اماموں کی روایتوں میں اختلاف ہوتا ہے تو جو امور جمہور کی رائے کے موافقت میں اس کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ بیطور تقیہ کے کہا گیا ہے اور ایسا جب ہوتا ہے جب ان پر اعتراض کیا جاتا ہے۔

ان کے استنباط احکام میں سیاست نے جو اثرات ڈالے ہیں اس کا ثبوت یہ ہے کہ شیعہ امامیہ میراث کے بارے میں اس بات پر متفق ہیں کہ حقیقی چچازاد بھائی علاتی چچا پر مقدم ہے باوجود یکہ ان سب کا قول یہ ہے کہ وراثت کا مدار قربت پر ہے پس جس قدر انسان کا میت سے قریبی رشتہ ہوگا وہ میراث پانے کا دور کے قرابت والوں سے زیادہ مستحق ہوگا اور اسی لئے چچازاد بھائی وراثت میں ماموں سے متاخر ہے لیکن وہ اس کو چچا سے بڑھا دیتے ہیں اور یہ صرف اس لئے کہ حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت میں حضرت عباسؓ پر مقدم کرنا چاہتے ہیں، اسی طرح انکی اور رائیں جس میں وہ جمہور کی مخالفت کرتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) (بھانجی) کا نکاح اسی کی خالہ پر اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور خالہ سے نکاح بھانجی پر اس کی اجازت کے بغیر کیا جاسکتا ہے اسی طرح پھوپھی اور بھتیجی کا حال ہے۔

(۲) نصرانیہ اور یہودیہ سے نکاح حرام سمجھتے ہیں اور وہ نص جس سے یہ نکاح حلال ہے اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے منسوخ قرار دیتے ہیں۔

ولا تمسکوا بعصم الکوافر ؕ

(۳) مریض کو طلاق دینے کا حق نہیں لیکن اس کو نکاح کرنے کا حق ہے اور اگر اس نے نکاح کر لیا اور اس سے صحبت کر لی تو جائز ہو گیا اور اگر صحبت نہ کی حتیٰ کہ اسی مرض میں اس کا انتقال ہو گیا تو اس کا نکاح باطل ہو گیا اور اس عورت کو نہ مہر ملے گا نہ میراث۔

(۴) رضاعت کی حرمت اسی وقت ہو گی جب کہ ایک دن ایک رات دودھ پیا ہو یا ایک عورت جس نے ایک ہی مرد کے نطفہ سے بچہ جنا ہو اس سے پورے پندرہ مرتبہ اس طرح دودھ پیئے کہ اس بیچ اس کے سوا کسی عورت سے دودھ نہ پیئے۔

(۵) طلاق جس کا اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب میں حکم دیا اور اس میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابت ہے یہ ہے کہ جب عورت کو حیض نہ آئے اور اس کے بعد وہ اپنے حیض سے

پاک ہو تو اس سے صحبت سے پہلے اس کو دو عادل گواہوں کے سامنے ایک طلاق دے اس صورت میں جب تک کہ تین حیض پورے نہ ہوں اس سے رجعت کر سکتا ہے اگر اس نے اس کو لوٹا لیا یعنی رجعت کر لی تو وہ اس کے پاس رہے گی اس کے بعد اس کو پھر دو طلاق دینے کا حق حاصل رہے گا اور اگر تین حیض گزرنے تک رجوع نہیں کیا تو وہ اپنے نفس کی مالک ہے پھر اگر وہ منگنی کے اور خواستگاروں کے ساتھ خود بھی منگنی کا خواستگار ہو کرنا چاہے تو کرے اور اگر اس سے نکاح کر لیا تو اب اس کے پاس رہے گی اور اس کو دو طلاق کا حق رہے گا اور اس کے سوا طلاق کا کوئی طریقہ نہیں۔

(۶) جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے یا اس کو طلاق بائن یا طلاق بائنہ دی یا اس کو "بریہ" یا "خلیہ" کہا تو یہ سب کچھ نہیں بلکہ طلاق یہ ہے کہ اس سے عدت سے قبل جب کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے صحبت سے پہلے کہہ دے کہ تو مطلقہ ہے یا تو عدت کر اور اسے طلاق سمجھ اور اس پر دو عادل گواہی دیں۔

(۷) تین طلاق ایک مجلس میں ایک ہی سمجھی جائے گی۔ اس کے علاوہ اور بھی آراء ہیں جس کو وہ اپنے ائمہ کے اقوال کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

فنا شدہ مذاہب

فقہاء کے مذاہب میں بعض ایسے بھی مذاہب ہیں جن کے ماننے والے تھے اور ایک مدت تک اس پر لوگ چلتے رہے پھر ان پر اور مذاہب کا اثر پڑنے سے ختم ہو گئے اور اس کے ماننے والے رخصت ہو گئے ان مذاہب کے مشہور ائمہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابو عمرو عبدالرحمٰن بن محمد اوزاعی، اور اوزاع یمن کے قبیلہ ذی الکلاع کی ایک شاخ ہے پاکر دمشق میں ایک گاؤں ہے جو باب الفرادیس کے راستہ پر واقع ہے ان میں آکر ابو عمرو نے قیام کیا تھا ورنہ ان کا اصل خاندان یحییٰ بن الشر سے تعلق رکھتا ہے اور وہ خود بعلبک میں ۸۸ھ میں پیدا ہوئے اور جب جوان ہو کر حدیث پڑھنا شروع کیا چنانچہ عطا بن ابی رباح اور زہری اور ان دونوں کے طبقہ سے حدیث پڑھی اور خود ان سے اکابر محدثین نے حدیث

کی روایت کی اوزاعی انشاپرداز ادیب تھے اور ان کے رسائل بہت مشہور ہیں، ولید بن مرثد نے
کہا ہے کہ میں نے کوئی بہتر کلمہ ایسا نہیں سنا کہ اس کے سننے والے کو اس کی سند ان سے لینے کی
احتیاج نہ ہوئی ہو اور میں نے ان کو کبھی قہقہہ مارتے ہوئے ہنستے نہیں دیکھا اور یہ انہی کا قول ہے
کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو ان پر جنگ و جدل کا دروازہ کھول دیتا ہے اور
عمل سے ان کو روک دیتا ہے، اور یہ بھی انہی کا قول ہے کہ وہ فقہاء قابل افسوس ہیں جو عبادت کے
علاوہ، دوسرے مقاصد کے لئے فقہ حاصل کرتے ہیں اور شبہ کی وجہ سے جو چیزیں حرام ہیں انھیں
حلال کر دیتے ہیں اور ان کی مشہور استقامت وہ گفتگو ہے جو عبداللہ بن علی سے انہوں نے کی جب
کہ وہ شام آئے اور بنی امیہ کو قتل کیا اور یہ وہ وقت تھا کہ وہ اپنی فوج میں تھے جن کی تلواریں برہنہ
تھیں اس وقت اوزاعی کو بلاکر ان سے پوچھا کہ بنی امیہ کے قتل کے بارے میں تمہارا کیا فتویٰ ہے
آپ نے جواب دیا کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ تھا جس کا پورا کرنا تم کو لازم تھا تو اس
نے کہا تجھ پر افسوس ہے ایسا فتویٰ دے فرض کیجئے کہ ان کے اور ہمارے درمیان کوئی معاہدہ
نہ تھا کہتے ہیں کہ مجھے کچھ ڈر ہوا اور قتل ہو جانے سے گھبرایا مگر پھر میں نے اللہ کے سامنے اپنے
کھڑے رہنے کا خیال کیا اور زبان سے کہدیا کہ "ان کے خون تجھ پر حرام ہیں" اس پر وہ غضب
ناک ہوا اور اس کی آنکھیں اور رگیں پھول گئیں اور کہنے لگا تو ہلاک ہو یہ کیوں ؟ تو میں نے
کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان آدمی کا خون بجز تین صورتوں کے
جائز نہیں ایک یہ کہ شادی شدہ شخص زنا کرے دوسری یہ کہ جان کے بدلہ میں جان لینا اور تیسری
یہ کہ کوئی شخص دین کو چھوڑ دے اس نے کہا کہ تجھ پر افسوس ہو کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ ہماری حکومت
دینی ہے میں نے کہا[۲] اگر ان کے لئے وصیت کی ہوتی تو دونوں حکم اس کا فیصلہ نہ کرتے"
اس پر خاموش ہو گیا حالانکہ غصہ سے بھرا ہوا تھا اور مجھے اندیشہ ہو رہا تھا کہ عنقریب میرا سر
تن سے جدا کر دیا جائے گا پھر اس نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کر کے حکم دیا کہ اس کو
نکال دو، تو میں نکال دیا گیا۔

امام اوزاعی رح ان اصحاب حدیث میں سے تھے جو قیاس کو برا سمجھتے تھے اور اہل شام ان
کے طریقہ پر عمل کرتے تھے اور اوزاعی قاضی شام تھے پھر اوزاعی رح کا مذہب بنی امیہ کی نسلوں کے

---

[۲] وہ کیسے ؟ تو کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضہ کے لئے وصیت نہیں کی تھی میں نے کہا

ساقط اندلس میں منتقل ہوگیا پھر شام میں امام شافعی رح کے مذہب کے مقابلے میں اور اندلس میں امام مالک رح کے مذہب کے مقابل سامنے تیسری صدی کے نصف میں اوزاعی کا مذہب ختم ہوگیا، اوزاعی رح کا انتقال ۱۵۷ھ میں ہوا۔

(۲) ابو سلیمان داؤد بن علی بن صف اصبہانی جو ظاہری کے نام سے مشہور تھے کوفہ میں ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور اسحاق بن راہویہ اور ابی ثور وغیرہما سے علم حاصل کیا یہ امام شافعی رح کے بڑے حامی تھے اور ان کے فضائل اور تعریف میں دو کتابیں لکھیں۔ اور بغداد میں انہی کو علم کی مقتدائیت ملی پھر انھوں نے اپنے لئے ایک خاص مذہب بنالیا جس کی بنیاد ظاہر کتاب وسنت پر عمل کرنا ہے جب تک کہ ان دونوں سے یا اجماع سے کوئی دلیل ایسی نہ مل جائے جس سے ظاہر کے سوا اور کوئی چیز مردانہ ہو اور جس بات میں کوئی نص نہ پائی جائے اجماع پر عمل کیا جائے گا اور قیاس کو بالکل چھوڑ دیا اور کہتے تھے کہ کتاب وسنت کی عام نصوص میں ہر ایک کا جواب موجود ہے۔

داؤد نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بعض کتابیں ان کے فقہ میں ہیں اور بعض اصول میں ایک کتاب تقلید کے رد میں اور ایک کتاب قیاس کے رد میں۔ ایک کتاب خبر واحد کتاب الخبر موجب العلم۔ کتاب الحجہ، کتاب خصوص وعموم، کتاب مفسر ومجمل وغیرہ انکے لڑکے محمد فاضل ادیب شاعر اخباری اور ظریفوں اور مستورین میں سے تھے اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے انھوں نے اپنے باپ سے علم حاصل کیا اور ان کے مذہب پر چلے۔

داؤد کے متبعین میں۔ اور ان کے مذہب کے مطابق تولیفین میں ابوالحسن عبداللہ بن احمد ابن محمد بن المغلس تھے اور ان کے زمانہ میں داؤدیوں کی ریاست انہی کو ملی اور ان کے بعد ان کا کوئی مثل نہیں نکلا فاضل عالم جید ثقہ سچے اور تمام لوگوں کے نزدیک مقدم تھے ۳۲۴ھ میں وفات پائی۔

داؤد کا مذہب پانچویں صدی کے نصف تک چلتا رہا پھر وہ مضمحل ہوگیا اور ان کی بہت سی رائیں ہیں جن میں انھوں نے جمہور کی مخالفت کی ہے جو قیاس رائے کے چھوڑنے اور ظاہر کتاب وسنت پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے اور میں نے ابی محمد علی بن احمد ابن سعید ابن حزم الاندلسی

(جو ۴۵۶ھ میں فوت ہوئے) کی کتاب محلی میں اس قسم کے مسائل بہت سے دیکھے ہیں جن میں سے یہاں چند ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۱) طلاق تین الفاظ اور ان کے مشتقات سے پڑتی ہے۔ طلاق۔ تسریح۔ فراق جب کہ اس سے طلاق کی نیت لی جائے اور اگر وہ ان میں سے کوئی لفظ کہہ کر یہ کہے کہ میں نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا تو فتویٰ میں اسی کا کہنا مانا جائے گا اور طلاق اور اس کے مشتقات کے متعلق قضاء میں اعتبار نہ ہوگا۔ اور ان تمام میں قضاء میں بھی اعتبار ہوگا اور ان الفاظ کے سوا اور الفاظ سے طلاق واقع ہی نہ ہوگی مطلقاً اس سے طلاق کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو نہ فتاویٰ میں نہ قضاء میں جیسے کہ کہہ دے تو خلیہ ہے بریہ ہے میرا تہ ہے میں نے تجھ کو بری کر دیا، تیری رسی تیری گردن پر ہے، میں نے تجھے تیرے خاندان کو ہبہ کر دیا یا غیر خاندان کا ذکر کرے اور تحریم و تملیک میں۔

(۲) طلاق میں وکالت جائز نہیں۔

(۳) کسی غائب شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو طلاق نہ ہوگی اور وہ اس کی اسی طرح بیوی رہے گی جیسے پہلے تھی اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور تمام زوجیت کے حقوق دونوں میں برابر رہیں گے اس سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو تین طلاق دے یا کم یہاں تک کہ خبر اس عورت کے پاس پہنچ جائے جب خبر اس کے پاس پہنچ جائے اور وہ تصدیق کرے یا اس کی گواہی فیصلہ میں قبول ہو جائے تو اس وقت اس پر طلاق واقع ہوگی خواہ وہ حاملہ ہو یا اس طہر میں جس میں اس کے ساتھ صحبت کی ہو۔

(۴) جس شخص نے طلاق دے دی لیکن اس کا قصد طلاق کا نہ تھا محض زبان کی غلطی سے ایسا کہہ دیا اگر اس پر گواہ قائم ہو گئے تو طلاق کا فیصلہ کیا جائے گا اور اگر گواہ قائم نہ ہوں بلکہ وہ فتویٰ طلب کرنے آیا تو اس کو طلاق لازم نہ ہوگی۔

(۵) طلاق کے لیے قسم لازمی نہیں چاہے پورا کرے یا نہ کرے اس سے طلاق واقع نہ ہوگی طلاق صرف اسی طرح ہوگی جس طرح کہ اللہ عزوجل نے رسول اللہ کے ذریعہ حکم دیا ہے اور قسم بھی وہی ہے جیسے کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حکم دیا ہو۔

(۶) طلاق بالصفت بھی طلاق بالیمین کے مثل ہے اور ان سب سے طلاق نہیں ہو سکتی طلاق اسی طرح ہوگی جس طرح کہ اللہ عزوجل نے اس کا حکم دیا اور اس کی تعلیم دی اور وہ یہ ہے کہ طلاق کا ارادہ کیا جائے اس کے سوا سب باطل ہے اور حدود اللہ سے تجاوز ہے۔

(۷) جس نے اپنی عورت سے کہا کہ جب مہینہ کی ابتدا ہوگی تو تجھ کو طلاق ہے یا اور کسی وقت کا ذکر کیا تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی نہ اب اور نہ اس وقت جب مہینہ کی ابتدا ہوگی۔

(۸) جس نے اپنی عورت کو اس کا اختیار دے دیا کہ وہ خود کو طلاق دے لے تو اس کو طلاق دینا لازم نہ ہوگا اور خواہ وہ اپنے کو طلاق دے یا نہ دے اس کو طلاق نہ ہوگی۔

(۹) جب عورت کو اپنے شوہر سے ناگواری ہو اور اس کو خوف ہو کہ وہ اس کا حق پورا نہ کرے گا یا اس کا خوف ہو کہ وہ اس سے بغض رکھے گا اور بوجہ بغض گے اس کا حق پورا نہ کرے گا تو اس کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ فدیہ ادا کر کے اس سے علیحدہ ہو سکتی ہے اور اگر شوہر راضی ہو تو وہ اس کو طلاق دے سکتا ہے ورنہ طرفین کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان دونوں کی رضامندی سے (یہ) معاملہ طے ہو سکتا ہے اور فدیہ بجز دونوں مذکورہ وجہوں میں سے کسی ایک کے یا دونوں وجہوں کے جائز نہیں اگر ان کے علاوہ کسی اور وجہ سے ہو تو وہ باطل ہے اور جو اس عورت سے مرد نے لیا ہے وہ اس کو واپس کیا جائے گا اور وہ اسی طرح اس کی بیوی رہے گی جیسے پہلے تھی اور فقط شوہر کو اس پر ظلم سے منع کیا جائے گا اور اس کو حق حاصل ہے کہ اپنے جمیع مال سے فدیہ ادا کرے اسی طرح طلاق رجعی ہوگی بجز اس کے کہ وہ تین بار طلاق دے یا تین کے آخری ہو یا اس سے صحبت نہ کی ہو اور اگر عدت میں اس سے رجوع کر لے تو جائز ہے۔ وہ پسند کرے یا نہ کرے اور جو کچھ مرد نے اس عورت سے لیا ہے وہ اس عورت کو واپس کر دے۔

(۱۰) طلاق اور رجوع بغیر دو عادل گواہوں کی گواہی کے صحیح نہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغداد میں رائے اور استنباط کی علماء کو پوری آزادی تھی اور وہ اس سے پوری طرح فائدہ اٹھاتے تھے اور ان کو اپنے علاوہ دوسرے فقہاء کی مخالفت سے کوئی ایذا نہیں پہنچتی تھی، لیکن اندلس میں علماء کو یہ آزادی نہ تھی اسی لئے ابن حزم کو ان کے شہر کے فقہاء کی ناراضگی کی بناء پر جو اکثر ان کی جو

سے ان کے مذاہب کی مخالفت میں تھی تکلیف پہنچی اور انھوں نے امراء کو ان کی مخالفت پر ابھارا اور ان سے امراء کو ڈراتے تھے تو امراء نے ان کو دھمکایا لیکن وہ کسی سے نہ ڈرے نہ اپنی رائے سے ہٹے کیونکہ وہ ایک عظیم المرتبت انسان تھے اور عظیم المرتبت انسان اپنے معتقدات کے سلسلے میں بڑی سے بڑی مصیبتوں کو جھیل لیتا ہے لیکن ہم یہاں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ ان کی رائے صحیح تھی یا غلط بلکہ ہم گزشتہ زمانوں کی ایک تصویر آپ کو دکھا رہے ہیں۔

میں نے ابن سبکی کی طبقات شافعیہ میں ایک فصل ظاہریہ کے آراء کی دیکھی ہے کہ فروع میں ان کی رائے کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں تین قول نقل کئے ہیں ایک تو یہ کہ مطلقاً ان کا اعتبار کیا جائے گا اور وہی صحیح ہے اور دوسرا یہ کہ مطلقاً ان کا اعتبار نہ کیا جائے اور استاذ ابو اسحاق نے اس رائے کو جمہور کی طرف کیا ہے اور تیسرا یہ کہ اعتبار کیا جائے بجز ان امور کے جن میں قیاس جلی کی مخالفت ہو اور ابن سبکی نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ وہ قیاس جلی کا انکار نہ کرتے تھے بلکہ صرف خفی کا انکار کرتے تھے اور ابن سبکی نے داؤد کے ایک رسالہ سے جس کا نام اصول تھا ایک عبارت نقل کی ہے جو حسب ذیل ہے۔

" اور قیاس سے حکم لگانا واجب نہیں اور استحسان ناجائز ہے۔ پھر کہا اور جائز نہیں کہ جس کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حرام کہہ دیا ہو تو کوئی شخص اسی کے مشابہ کسی چیز کو حرام کر دے اور جس کو آپ نے حرام نہ کیا ہو بجز اس کے کہ وہ یہ بتا دے کہ اس کی حرمت کی علت کیا ہے مثلاً یہ کہہ دے کہ گیہوں کے بدلے گیہوں اس لئے حرام ہے کہ وہ تولا جاتا ہے اور اس کپڑے کو دھو اس لئے کہ اس میں خون ہے یا اس کو مار ڈال کہ یہ سانپ ہے تو اس سے معلوم ہو گا کہ جس وجہ سے حکم دیا ہے وہ بتا بھی دیا اور جو حکم ایسا نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی تعمیل ضروری ہے اور جو اس سے تجاوز کر جائے تو اس سے خاموشی اختیار کی گئی اور وہ معافی کے باب میں داخل ہے گویا جس کلمہ کی علت بیان کر دی گئی اس کو قیاس نہیں کہتے۔

---

(۳) ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید طبری، ۲۲۴ھ میں طبرستان کے علاقہ آمل میں پیدا ہوئے علم حاصل کیا اور شہروں کی خوب سیاحت کی اور اس قدر علوم جمع کئے جس میں ان کے زمانہ والے ان کے شریک فن نہ ہو سکے۔ حافظ قرآن اصحاب اور تابعین کے اصول سے واقف لوگوں کا

زمانہ اور ان کی تاریخ سے واقف تھے ان کی تصانیف میں ان کی مشہور تاریخ ہے عربی تاریخوں میں سے بہتر کوئی تاریخ نہیں اور ان کی ایک کتاب تفسیر ہے جس کی مثل کوئی تفسیر نہیں ان کی ایک کتاب تہذیب آثار ہے جس کو وہ مکمل نہ کر سکے اور ان کی ایک کتاب اختلاف فقہا ہے۔ ان کا ایک حصہ مصر کے کتب خانہ میں ہم نے محفوظ دیکھا تھا جو ان کے وسیع علم اور زیادتی عقل کی دلیل ہے۔

ابتداءً انھوں نے مصر میں مذہب شافعی رح کے مطابق ربیع بن سلیمان سے فقہ حاصل کیا اور مالک رح کی فقہ یونس بن عبدالاعلی اور بنی عبدالحکم رح سے حاصل کیا اور رے میں ابی مقاتل سے اہل عراق کا فقہ سیکھا یہاں تک کہ ان کا علم اس قدر وسیع ہوا کہ اجتہاد نے انہی کتب فقہیہ میں اپنا ایک مستقل مذہب اختیار کر لیا ان کی تصانیف میں ایک کتاب لطیف القول ہے اور اس میں ان کے منتخب اقوال درج ہیں ایک کتاب خفیف ہے جس کو مکتفی وزیر کی فرمائش پر لکھا اس کے بعد کتاب بسیط لکھنا شروع کی جس میں کتاب الطہارۃ اور اکثر احکام نماز لکھے اور اسی میں کتاب الحکام ومحاضر وسجلات مرتب کیں۔

اور ان کے شاگرد جنھوں نے ان کے منصب کے مطابق فقہ حاصل کیا حسب ذیل ہیں۔

(۱) علی بن عبدالعزیز بن محمد بن دولابی ہیں جن کی متعدد تصانیف ہیں ان میں سے ایک کتاب داؤد بن مفلس جو داؤد کے شاگرد ہیں کے رد میں لکھی اور ایک کتاب افعال النبی صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔

(۲) محمد بن احمد بن محمد بن ابی الثلج کاتب ہیں۔

(۳) ابوالحسن احمد بن یحیی منجم متکلم ہیں ان کی تصانیف المدخل الی مذہب الطبری ونصرۃ مذہبہ اور کتاب الاجماع فی الفقہ علی مذہب الطبری اور کتاب الرد علی المخالفین ہیں۔

(۴) ابوالحسن دقیق حلوانی ہیں۔

(۵) ابوالفرج معافی بن ذکریا نہروانی ہیں جو ابوجعفر کے مذہب اور ان کی کتابوں کے حفظ کرنے میں یگانہ روزگار ہیں اور ان علوم کے علاوہ بہت سے علوم میں ماہر و یکتا ہیں اور انتہائی ذکی اور بہتر بن حافظ اور حاضر جوابی میں مشہور ہیں فقہ میں بہت سی کتابیں طبری کے مذہب

پر لکھی ہیں۔

اور یہ مذہب پانچویں صدی کے نصف تک مشہور اور معمول بہ رہا۔

یہ وہ مشہور مذاہب ہیں جن پر ایک زمانہ تک عمل ہوتا رہا پھر اس کے بعد ان کے جاننے والے ختم ہو گئے اور صرف کتابوں میں ان کا نام باقی رہ گیا۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ائمہ ہیں کہ وہ خود اجتہاد کرتے تھے لیکن ان کے مذاہب کے پھیلانے والے ان کو میسر نہ ہوئے جیسے لیثؒ بن سعد امام اہل مصر اور امام مالک رح کے دوست جن کے بارے میں امام شافعی رح کا قول ہے کہ وہ امام مالک رح سے زیادہ فقیہ ہیں لیکن ان کے شاگردوں نے ان کو بلند نہیں کیا اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ ہیں جن کے حالات لکھنے کی یہ کتاب متحمل نہیں۔

اور خلاصہ یہ کہ یہ دور اجتہاد کا دور تھا اس میں تقلید کا کچھ اثر نہ تھا اور خصوصاً طبقہ اولیٰ کے ائمہ کے شاگردوں کے دور میں تقلید بالکل نہ تھی بعد کے طبقات میں تقلید شروع ہو چکی تھی لیکن اجتہاد استنباط کے مقابلہ میں جلد ہی ختم ہو جاتی تھی اس زمانہ میں آزادی رائے وسعت سے تھی ہم عنقریب ایک فصل میں چاروں طریقہ کی اشاعت اور جمہور اسلام کا ان پر عمل کے اسباب بیان کریں گے۔

مسائل کی جزئیات

اس دور سے پہلے فقہ بالکل سادہ تھی۔ کیونکہ جن مسائل کا روزمرہ واسطہ رہتا تھا انہی پر حکم لگانے تک محدود تھی اور فقہاء فرضی مسائل پر اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا کرتے تھے۔

لیکن اس دور میں فقہاء نے کثرت سے مسائل ایجاد کئے اور ان کے احکام مرتب کئے اس معاملہ میں اہل عراق سب سے آگے تھے کہ انھوں نے قوت تخیل پر اعتماد کر کے لوگوں کے لئے ہزارہا مسائل نکالے جن میں سے کچھ تو ایسے تھے جن کا وجود ممکن تھا اور بعض وہ ہیں کہ جن کے وجود کی اہمیت محسوس کرنے کے لئے مدتیں درکار ہیں مختلف شہروں کے وہ ائمہ جو قیاس کو فقہ میں ایک اصول سمجھتے تھے اس معاملہ میں وہ فقہاء عراق کے زیر نگرانی تھے۔

اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ انھوں نے تین موضوع کو سینکڑوں مسائل کی بنیاد قرار دیا۔ اور ان کے جوابات نکالنے میں بہت مشقت اٹھائی اور وہ تین جزو یہ ہیں غلام اور اس میں تصرف بیوی اور اس کی طلاق قسم اور قسم شکنی۔

چونکہ غلام ان کے پاس زیادہ تھے اس لیے ان کے خیالات و توجہات اس مسئلہ میں زیادہ مبذول ہوئیں اسی لئے تم الابواب معاملات میں کوئی باب ایسا نہ پاؤ گے کہ غلام اور لونڈی کے احکام پر مشتمل نہ ہوں بیع - اجارہ - شراکت - رہن - وصیت - آزادی وغیرہ سب ہی میں ان کے متعلق مسائل ضرور ہیں۔

لیکن بیوی اور اس کی طلاق کے مسائل کی اصل وجہ معلوم کرنے کے لیے کہ ان کے مسائل کی طرف کس بات نے ان کے افکار کو متوجہ کیا کہ طلاق کے مسائل انھوں نے وضع کئے بہت غور کے بعد بھی اصل وجہ معلوم کرنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ اور اگر یہ مسائل جن کے وقوع کا تصور اگرچہ کسی ہذیانی سے آدمی سے ہو سمجھ میں آتا تو ہم یہ سمجھتے کہ اتفاقیہ پیش آنے والے واقعات کا جواب دینے کی تیاری کرتے تھے تاکہ کسی مفتی یا قاضی سے اس قسم کا سوال کیا جائے تو وہ متردد نہ ہو، لیکن وہ ایسے مسائل ہیں جن کا تصور بھی مشکل ہے تو تعجب اور افسوس اور زیادہ ہوتا ہے اس وقت پر جو ان مسائل پر صرف کیا گیا۔

میں نے امام محمد بن حسن کی کتاب جامع کبیر میں پڑھا ہے " اگر کسی شخص کی تین بیویاں ہیں ان میں سے کسی سے صحبت نہیں کی ہے ان میں سے ایک کا نام زینب دوسری کا عمرہ اور تیسری کا حادہ ہے اور اس نے زینب سے کہا کہ اگر میں تجھ کو طلاق دے دوں تو عمرہ کو طلاق ہو جائے گی اور اس کے بعد عمرہ سے کہا کہ اگر میں تجھ کو طلاق دے دوں تو حمادہ کو طلاق ہو جائے گی اور حمادہ سے کہا اگر تجھے طلاق دوں تو زینب کو طلاق ہو جائے گی تو زینب کو تو اس کے طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جائے گی لیکن عمرہ کو طلاق اس کی قسم شکنی سے ہو گی اور ان دو کے سوا کسی پر طلاق نہ ہو گی۔ اور اگر اس نے زینب کو طلاق نہیں دی اور عمرہ کو طلاق دی تو عمرہ اس طلاق سے جو اس نے دی طلاق پائے گی اور قسم شکنی سے حمادہ کو طلاق ہو گی اور زینب کو مطلقاً طلاق نہ ہو گی اور اگر اس نے عمرہ کو طلاق دی لیکن حمادہ کو طلاق دی تو حمادہ کو وہ طلاق ہو جائے گی

جو اس نے دی اور زینب قسم شکنی کی وجہ طلاق پائے گی اور عمرہ کو بھی دوسری طلاق پڑ جائے گی قسم شکنی کی بنا پر کیونکہ اس نے زینب میں عہد شکنی کی تو عمرہ کو طلاق ہو گی زینب میں قسم شکنی کی بنا پر اور اگر اس نے اس میں سے کسی عورت کو طلاق نہیں دی لیکن یہ کہا کہ تم میں سے ایک کو طلاق ہے پھر قبل اس کے کہ وہ یہ بتائے کہ اس میں اس نے کس کو طلاق دی مرجائے تو عمرہ کو نصف مہر ملے گا اور اس کو میراث نہ ملے گی اور زینب وحادہ کو مہر ملے گا ایک مہر پورا اور چوتھائی جو دونوں میں نصف نصف تقسیم ہو جائے گا اور ان کو نصف میراث بھی ملے گی جو دونوں میں نصف نصف تقسیم ہو گی اور نصف میراث دوسرے ورثاء کو ملے گی کیونکہ عمرہ کو تو ہر حالت میں طلاق ہو گی اور زینب و حادہ کو ایک حال میں تو دونوں کو طلاق ملے گی اور ایک حالت میں ان میں سے ایک کو طلاق ملے گی تو ان دونوں کو ایک حالت میں تو مہر ملے گا۔ اور ایک حالت میں پورا مہر و نصف ملے گا اسی لئے ان کو پورا مہر اور نصف مہر ملے گا اور رہی میراث تو ایک حالت میں تو ان دونوں میں سے ایک کو ملے گی اور ایک حالت میں دونوں کو نہ ملے گی اسی لئے ان دونوں کو نصف میراث دی جائے گی جو ان دونوں میں نصف نصف تقسیم کی جائے گی۔

پھر دوسرے مسائلہ میں انہی بیویوں کا یہ حساب بھی کیا گیا کہ اگر وہ ان میں سے کسی کے ساتھ صحبت نہ کرے اور وہ چار ہیں تو حساب اور کسور کی اس میں زیادتی ہے۔

اور میں نے امام محمد بن ادریس شافعی کی کتاب الام میں دیکھا ہے۔

طلاق بالحساب

امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے ایک اس کے پہلے ایک ——— یا ایک اس کے بعد ایک، تو یہ دو طلاقیں ہوں گی، اور اگر اس نے کہا کہ میرا ارادہ صرف ایک طلاق کا تھا اور قبل یا بعد کی طلاق سے میں نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا تو حکم میں اس کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا اور اللہ تعالے اور اس کے درمیان اعتبار کیا جائے گا، اور اگر اس نے اس کو ایک طلاق دی پھر اس سے رجوع کر لیا پھر کہا تجھے طلاق ہے ایک اس کے پہلے ایک، پھر کہا میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اس کے پہلے ایک طلاق دے چکا تھا تو اس کو قسم دی

جائے گی اور فیصلہ میں اس کی بات مان لی جائے گی اور اگر کہا تجھے طلاق ہے ایک کے بعد ایک پھر خاموش رہا پھر کہا میں نے ارادہ کیا تھا اس کے بعد ایک طلاق تجھ کو دوں گا یا تجھ کو صرف اسی وقت کے بعد دوسری طلاق دوں گا تو فیصلہ میں اس کی بات نہ مانی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے اور اس کے درمیان مانی جائے گی، اور اگر مرد نے اپنی عورت سے کہا کہ تیرا بدن یا تیرا سر یا تیرا پاؤں یا تیرا ہاتھ یا اس کے جسم سے کسی عضو کا نام لیا یا اس کی انگلی یا اس کا ایک طرف تو اس کو طلاق ہے اور اگر یہ کہا کہ تیرے بعض حصوں کو طلاق ہے یا کہا کہ تیرے جزء کو طلاق ہے یا ہزار جزء میں سے ایک جزء کا نام لیا تو اس کو طلاق ہو جائے گی اور طلاق کے حصے نہیں ہوتے اور اگر عورت سے کہا کہ تجھے طلاق ہے نصف طلاق تو اس کو ایک ہی طلاق ہو گی بجز اس کے اس نے دو کا ارادہ کیا ہو یا کہے کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ نصف واقع ہو جائے اس کے حکم سے جو ہو گیا اور نصف اس کے حکم سے ہو گا جو بعد میں دے گا تو دو طلاقیں پڑ جائیں گی اور اگر اس سے کہا کہ تجھے ایک طلاق میں سے کہا کہ تجھے ایک طلاق میں سے تین تہائی طلاق ہے یا ایک طلاق میں سے چار تہائی طلاق ہے۔ تو ان میں سے ہر ایک ایک طلاق ہو جائے گی کیونکہ ہر ایک طلاق دو نصف یا تین تہائی یا چار چوتھائی کا مجموعہ ہوتی ہے الا اینکہ وہ اکثر کی نیت کرے تو لفظ کے ساتھ نیت کے اعتبار سے پڑے گی اور اگر اس نے کسی عورت کے ساتھ اپنی عورت کو دیکھا اور یہ کہا کہ تم میں سے ایک کو طلاق ہے تو مرد کا قول اس بارہ میں معتبر ہو گا اگر اس نے اپنی بیوی کا ارادہ کیا تھا تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور اگر اجنبی عورت کا ارادہ کیا تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہو گی اور اگر وہ کہے کہ میں نے اجنبی عورت کا ارادہ کیا تھا تو قسم دی جائے گی اور اس کی عورت اپنی حالت پر رہے گی اور اس کو طلاق نہ ہو گی اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے دو میں ایک تو اس سے پوچھا جائے گا کہ "دو میں" سے اس کی کیا مراد ہے اگر اس نے کہا کہ اس سے میری مراد کچھ نہ تھی تو اس کو صرف ایک طلاق ہو گی، اسی طرح اور خیالی نادر صورتیں ہیں حالانکہ کتاب الام کا اکثر حصہ خیالی مسائل سے دور ہے۔

اور کتاب المدونۃ جو امام مالکؒ سے منقول ہے طلاق کے معاملات اکثر ان مسائل سے بعید نہیں ہے کیونکہ اس کی اصل محمدؒ بن حسن کتب ہیں۔

اب رہا قسموں اور نذروں کا معاملہ تو وہ ایک دریائے ناپیدا کنار ہے اس میں ایسی اقسام نظر آئیں گی جن میں حیرت انگیز تنوع ہے گویا قسموں میں سے ہر وہ چیز جو خیال میں آسکتی ہے۔ فقہاء نے سامنے رکھ کر اس کا ذکر کیا ہے پھر اس کا جواب لکھا حالانکہ اس میں بہت سی اشیاء ایسی ہیں جس میں اختلاف بلاد کے لحاظ سے معمول مختلف ہوتا ہے۔ کاش میں سمجھ سکتا کہ قسموں اور آزادی اور طلاق کے بارے میں مسائل کی یہ کھینچا تانی کیوں ہوئی، ہو سکتا ہے کہ اس بیعت پر قسم لینے کا طریقہ کو جو قرن اوّل کے آخر میں پیدا ہوا یہ اسی کا اثر ہو، جیسا کہ قرن ثانی کے ایک معاہدہ میں ہے جس کا ایک نمونہ یہ ہے۔

"اگر تم نے ان معاہدوں میں سے کسی کو بدلا یا اس میں تغیر پیدا کیا یا معاہدہ کی خلاف ورزی کی یا تم نے اس حکم کے خلاف کیا جو تم کو امیر المومنین دیں یا تم پر اس خط میں میں جو ان کی طرف سے ہے تم پر مشروط کیا ہے تو تم سے اللہ کا اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ ختم ہو گیا اور تمام مومنین اور مسلمانوں کے ذمے ختم ہو گئے اور ہر وہ مال جو آج تمہارے ہر شخص کے پاس ہے یا وہ اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ وہ پچاس سال تک مسلمانوں پر صدقہ ہے اور تم میں سے ہر شخص پر بیت اللہ الحرام تک جو مکہ میں ہے پیدل پچاس حج نذر واجب ہیں کہ اللہ تعالےٰ اس کو بغیر پورا کرنے کے اس سے کسی چیز کو قبول نہیں کرے گا اور تم میں سے ہر شخص کا غلام یا جو آئندہ پچاس سال تک وہ کسی غلام کا مالک ہوگا آزاد ہے اور اسکی ہر عورت کو تین طلاق قطعی ہیں کہ جس میں کوئی استثناء نہیں ہے۔"

اسی طرح دوسرے اقرار نامہ کے یہ الفاظ تھے۔

کہ اگر میں بدل دوں الخ تو اللہ عزوجل سے اور اس کی ولایت سے اور اس کے دین سے بری اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بری ہوں اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کافر و مشرک ہونے کی حالت میں ملوں اور ہر وہ عورت جو آج میری ہے یا جس سے میں آئندہ تیس سال کی مدت تک شادی کروں اس پر طلاق ہے تین طلاق قطعی" الخ

کیا یہ امور بیوی اور غلام اور مال اور نذروں کو بیعت کے قسموں میں داخل کرنے کی وجہ ان ابواب میں زیادتی مسائل کے باعث نہیں ہیں، اس قسم کی قسمیں دلانے والوں نے جملہ ائمہ سے اپنے اغراض میں کوئی مدد نہیں پائی بلکہ امام مالک بن انس نے اور اہل حجاز نے تو یہ کہہ کر کہ "مجبور کردہ شخص پر قسم کا پورا کرنا واجب نہیں"، ان سے جنگ کی گو ابوجعفر منصور کے عہد میں ان کو سزا دی۔ گئی اور یہ یقینی ہے کہ ان کو مارنے کا اصلی سبب یہی تھا، اور امام شافعی رہ نے تو اپنے اس قول سے ان سے جنگ کی کہ کسی ایسی عورت کے طلاق دینے کی قسم جس سے اس نے نکاح نہیں کیا اسکا کوئی اثر نہیں اور ہم کو اس کا کوئی علم نہیں کہ ان کو اس کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچی ہو کیونکہ ان کے زمانہ میں ابی جعفر کے مثل کوئی ظالم نہ تھا اور داؤد نے تو ان سے یہ کہہ کر جنگ کی کہ غیر اللہ کی قسم کی نہ کوئی قیمت ہے نہ اس کا کوئی اثر اور دوسروں نے بھی یہ کہہ کر ان سے جنگ کی کہ قسم میں استثناء جائز ہے اگرچہ چند دونوں کے بعد ہی ہو اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ قسم کھانے کے بعد انشاء اللہ کہدے تو قسم کی پھر کوئی قیمت نہیں رہتی اور ایک وقت ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ منصور سے کہا گیا کہ ابوحنیفہ تمہارے دادا ابن عباس کی مخالفت کرتے ہیں اس استثناء کی تجویز میں جو قسم میں کی جائے تو ابوجعفر نے ان سے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ جو شخص قسم میں استثناء کو جائز رکھتا ہے وہ دراصل یہ کہتا ہے کہ اس کی گردن میں بیعت کا پٹہ نہیں ہے کیونکہ وہ تمہارے سامنے تو قسم کھاتے ہیں پھر وہ باہر نکل کر استثناء کر دیتے ہیں پھر ان کو قسم کا پورا کرنا لازم نہیں رہ جاتا ابوجعفر، ابوحنیفہ رہ کی اس بات سے بہت خوش ہوا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے بیعت کو دیکھو اور اس کلام سے مقابلہ کرو جس کا نام انہوں نے بیعت رکھا ہے تو امت کی دونوں زمانوں کی روح میں بہت فرق پاؤ گے کہ پہلے زمانہ میں صرف یہ کلمہ کہ "میں تم سے بیعت کر رہا ہوں" ہر چیز کو شامل ہوتا تھا اور بیعت کرنے والا اس کے بعد توڑنے کی مجال نہیں رکھتا تھا یا مخالفت کا تصور ہی نہیں کرتا تھا اس لئے کہ وہ شریف ہے اور اس نے اپنے شرف کو وفا پر رہن رکھ دیا ہے اور حجاج اور منصور کے زمانہ میں بیعت کرنے والے ایک ایسی قوم تھی کہ نہ ان کے عہد پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا نہ عقد پر بجز اس کے کہ ان کے اموال کے ضائع ہونے اور عورتوں کے طلاق اور

غلاموں کی آزادی سے مدد لی جائے اور اس کے باوجود عجیب وغریب بات یہ ہے کہ ان بیعتوں کا بڑا حصہ جس میں ان مسائل کو استعمال کیا گیا ان کے کرنے والوں نے پورا نہیں کیا اور اصحاب شرط کے ایسے حیلے ان کے پاس موجود تھے جو ان کو اس تنگی سے نکالتے جو ان کو تکلیف دے رہے تھے۔

تم ان مسائل کو دیکھو گے کہ عبادات کے ابواب تک پہنچے ہوئے تھے اس میں اکثر ایسی صورتیں پاتے ہیں جن کا عقل انکار کرتی ہے اور ان کے وجود کی تصدیق نہیں کرتی مگر انہوں نے اللہ ان پر رحمت کرے اپنے بعد والوں کو آرام دینے کی طرف توجہ کی کہ فکر میں نہ پڑیں تو انہوں نے ان کے لئے مسائل کا تصوّر کر کے ان کے جوابات لکھدئے۔

کتاب مبسوط جو محمد رحمہ اللہ کی ہے جو تقریباً چھ جلدوں میں ہے اور ہر جلد کے اوراق پانچ سو ہیں اور جو بڑی تقطیع پر ہے اور ان سب میں مسائل کی تفصیل ہے، تو غور کرنا چاہیئے تو اس کے مسائل کی کتنی تعداد ہو گی جب کہ مختصر قدوری میں جیسا کہ لوگ کہتے ہیں بارہ ہزار مسئلے ہیں تو مبسوط میں جس قدر مسائل ہوں گے حالانکہ مختصر قدوری اس کے دسویں حصہ کے برابر نہیں ہے حق تو یہ ہے کہ یہ بہت بڑی تعداد ہے اور اس سے ان حضرات کی کوشش اور جدوجہد کا پتہ چلتا ہے۔

میں نے امام محمد رح کی مبسوط اور امام شافعی رح کی کتاب ام کا ایک جز ایک ہی موضوع کے بارے میں اپنے سامنے رکھا اور دونوں کے ایک ایک نظر دیکھنے سے جو نتیجہ نکلا وہ میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں وہ شافعی رح لکھتے ہیں تو پڑھنے والوں سے یہ چاہتے ہیں کہ جس اصول سے استنباط کیا ہے وہ اس اصول کو سمجھیں اور ان باتوں کی مدافعت کے طریقے بتاتے ہیں جن پر مجتہد اپنے اجتہاد سے پہنچا ہے اسی لئے تم دیکھو گے کہ پڑھنے والا اس کے مطالعہ کی طرف زیادہ راغب رہتا ہے جب کہ اس کی غرض جواب کی معرفت نہیں رہتی اور بس لیکن امام محمد رح شاگرد کے لئے لکھتے ہیں اور اس کو مسائل کے جواب لکھواتے ہیں جس سے وہ فرعی مسائل کی معرفت میں دریا ذخار بن کر نکلتا ہے ان کے دل میں کسی طرح کا تصور نہیں آتا جس کو وہ لکھا ہوا نہ پائے اور اس کا جواب اس کی نظر سے نہ گزرے اور اسی لئے اس میں پڑھنے والے کا زیادہ وقت نہیں لگتا صرف اتنا ہی وقت لگتا ہے جس

میں جتنا کہ اس کے مسئلہ کا جواب مل جائے یہاں ان فقہی فروغ کی زبانی کے سلسلہ میں کسی پر صحیح یا غلط کا حکم نہیں لگا رہا بلکہ میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ مسائل کی شاخیں نکالنا اس دور کے خواص میں سے ایک خاصیت ہے اور یہ کہ یہ صحابہ کرام رضؓ اور تابعین رحؒ کی شان نہیں تھی اور وہ اس کو برا جانتے تھے کسی ایسے مسئلہ کے متعلق جواب دینا جس کا وقوع نہ ہوا ہو تم اس کا نتیجہ آنے والے دو دوروں میں دیکھو گے۔

مسائل الحیلؒ

تاریخ کا یہ عجیب و غریب واقعہ ہے کہ ایک مذہبی مسائل مرتب کرنے والا ایسے فرضی مسائل بنائے جس میں لوگوں کو بتائے کہ احکام شرعیہ سے کیسے چھٹکارا پاسکتا ہے، ایک وکیل کے متعلق جو انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کا پابند ہے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے، کیونکہ وہ مجرم کو چھڑانے کے لیے قانونی حیلوں سے ترکیب نکال لیتا ہے اور کبھی اس کو اسکا کمال سمجھا جاتا ہے لیکن جب اس میں اتنی وسعت ہو جائے اور لوگ قانونی حیلوں کے ذریعہ دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے لگ جائیں تو یہ اس وکیل کی ذمہ داری کے ضعف کی دلیل ہو گی لیکن وہ بھی ایسی چیز کے باطل کرنے کے لیے حیلہ نہیں کرے گا جس کو وہ دین سمجھ لے تو اس وقت ہمارا تاثر کیا ہو گا جب کوئی دیندار دین کے احکام کے ساتھ اس طرح کرے، اس دور میں ایک ایسا شخص بھی ہے جس نے لوگوں کے لیے کتاب الحیل کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی اہل حدیث نے اس کا نہایت سختی سے جس کا مقابلہ کیا اور اس کے مصنف کا نام شیطان تجویز کر دیا اور اس کو فاسق و فاجر کہا۔ لیکن اس مصنف کا اصل نام معلوم نہ ہو سکا۔ لوگوں نے یہ الزام اہل عراق میں سے کے بعض اصحاب الرائے پر لگایا لیکن وہ اس کا تعین نہ کر سکے کہ وہ کون ہے؟ اس کے بعض مسائل اس کے وضع کرنے والے کے ضعف دین پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ جو شخص زکوٰۃ جیسے فریضۂ دینی کے ترک کو آسان کر دے اور اس کو یہ سکھائے کہ جب سال گزرنے کے قریب ہو تو اپنا مال اپنے بیٹے یا اپنی بیوی کو تھوڑی دیر کے لیے دے دے پھر اس سے اس مال کو واپس لے لے کیونکہ سال کم ہو جائے گا اور زکوٰۃ واجب نہ ہو گی ایسے شخص کے متعلق آپ کیا رائے قائم کر سکتے ہیں مسائل حیل میں جرم کی

یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے اور اس میں ایسے ہی بہت سے مسائل ہیں اور شفعہ کا ساقط کرنے اور قسموں اور اس کے چھٹکارے کی مثالیں تو بہت ہی ہیں، خدا کی قسم ایک ایسا مذہب جو مطلقہ عورت کو وراثت دلاتا ہے جس کا شوہر حالت مرض میں اس غرض سے طلاق دیتا ہے تاکہ اس کو وراثت نہ ملے حیلہ وفریب سے بالکل علیحدہ ہے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ مسائل کی زیادتی اور اس کے وضع کرنے میں مختلف طریقے نکالنا ہی اس بات کا سبب ہوا کہ دین میں کمزور لوگوں کو کھڑا کرے کہ انھوں نے حیلے تراشے اور اس میں ائمہ کے کلام ہی سے مدد لی کہ وہ اپنے مسائل کو ان اغراض یا ان کے مشابہ کاموں کے لئے اہمیت استعمال نہیں کیا کرتے تھے، ہم اپنے مقصد یعنی تاریخ سے ہٹ گئے کیونکہ یہ ایک عجیب چیز تھی اور اس کو بیان کئے بغیر اس سے گزر جانا ہمارے امکان سے باہر تھا۔ اور ابن قیم جوزیہ نے اس موضوع پر اپنی کتاب موسوم بہ "اعلام الموقعین عن رب العالمین" میں خوب بحث کی ہے اگر چاہو تو وہاں دیکھ لو۔

(۱۰) احکام میں کتابوں کی تدوین!

یہ تمام ائمہ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے ان کی کتابیں مدون ہیں جن سے ان کے مستنبط شدہ احکام معلوم ہوتے ہیں اور اکثر کتابیں ان کے شاگردوں کے شاگردوں نے مدون کی ہیں اور خود ائمہ نے بھی بعض کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھوایا ہے یہاں ہم چند ان کتابوں کے نام لکھتے ہیں جو ان مذاہب کی بنیاد سمجھی جاتی ہیں۔

مذہب ابی حنیفہ رح کی کتب

ابوحنیفہ رح کے شاگردوں میں سب سے پہلے جس نے کتابیں لکھی ہیں وہ آپ کے عظیم شاگرد امام ابویوسف رح ہیں، ابن ندیم نے فہرست میں لکھا ہے کہ ان کتابوں میں سے اصول، اور امالی میں کتاب الصلاۃ اور کتاب الزکاۃ سے آخر کتب فقہ تک، اور ان کا ایک املاء ہے جو کہ قاضی بشر بن ولید کا روایت کردہ ہے اور ابویوسف رح کی تفریعات پر (۳۶) جلدوں میں ہے، اس کے علاوہ حسب ذیل کتابیں اور ہیں۔ کتاب اختلاف امصار۔ کتاب الرد علی مالک بن انس (یعنے مالک بن انس

کی ارو میں) کتاب الخراج الی الرشید (یہ کتاب بطور خط کے ہے جو انہوں نے ہارون رشید کے نام لکھا ہے۔

کتاب الجوامع (جس کو یحییٰ بن خالد کے لئے لکھا ہے جو چالیس کتابوں پر مشتمل ہے جس میں لوگوں کا اختلاف اور معمول بہ رائے کا تذکرہ ہے۔

لیکن ان کی کتابوں میں، ہم کو سوائے کتاب الخراج کے کوئی کتاب نہیں ملی یہ کتاب مصر میں چھپی ہے جس کے شروع میں لکھتے ہیں کہ

"امیر المومنین ایدہ اللہ تعالے نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں ان کے لئے ایک کتاب لکھوں جو خراج و عشور صدقات و جزیہ وغیرہ مسائل میں غور و فکر کر سکیں اور وصولیابی میں عمل کر سکیں اور اس سے امیر المومنین کا مقصود اپنی رعیت پر سے ظلم کا دور کرنا ہے اور ان کے حالات کا سدھارنا ہے اللہ تعالے امیر المومنین کو توفیق دے اور ان کو ٹھیک راستہ پر چلائے اور جس بات کے وہ متولی ہیں اس میں ان کی مدد کرے اور جس سے وہ ڈرتے ہیں اور احتیاط کرنا چاہتے ہیں اس سے ان کو بچائے، اور مجھ سے انہوں نے یہ بھی درخواست کی ہے کہ جس بات کی انہوں نے خواہش کی ہے اس میں سے جس پر وہ عمل کرنا چاہیں اس کی وضاحت کروں اور تفسیر اور شرح کروں چنانچہ میں نے اس کی تفسیر اور شرح کر دی ہے۔"

اور یہ کتاب ان کی جملہ کتابوں میں بہت عمدہ اور اچھی ہے اور وہ اس زمانہ کی یادگاروں میں سے ایک اچھا ذخیرہ ہے۔

اور ان کی کتابوں میں سے ایک کتاب ہم کو اور بھی ملی ہے جو کتاب اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ ہے جس میں بہت سے ان مسائل کا ذکر کیا ہے جس میں ان دونوں ائمہ نے اختلاف کیا ہے وہ خود کبھی ابو حنیفہ رح کی موافقت کرتے ہیں اور کبھی ابن ابی لیلیٰ کی رائے لیتے ہیں، اس کتاب پر امام شافعی رح نے بھی بحث کی ہے کہ تینوں ائمہ ابو حنیفہ رح۔ ابن ابی لیلیٰ رح۔ ابو یوسف رح کی رائے لکھنے کے بعد وہ اس میں سے جس رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔

---

[1] اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی دار الاشاعت کراچی[1] سے شائع کیا جارہا ہے ۱۲ منہ محمد رضی۔

لکھتے ہیں اور کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ انلوگوں کی رائے لکھنے کے بعد اپنی طرف سے کوئی اور رائے اسکے علاوہ بھی لکھ دیتے ہیں۔

اور اس کتاب سے چند مسائل ہم یہاں درج کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ استنباط جس کا مدار رائے پر ہے کیسے ہوتا ہے۔

کاریگر کا تاوان

(۱) ایک شخص نے درزی کو کپڑا دیا اور اس نے اس کی شیروانی سی دی کپڑے کے مالک نے کہا کہ میں نے تو تجھ کو قمیص سینے کے لئے کہا تھا اس پر درزی نے کہا کہ تو نے تو مجھے شیروانی سینے کو کہا تھا تو ابوحنیفہ رح کہتے ہیں کہ کپڑے کے مالک کا کہنا معتبر ہے اور درزی کو کپڑے کی قیمت کا تاوان دینا پڑے گا ابو یوسف رح بھی اسی رائے کو لیتے ہیں اور ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ درزی کا قول معتبر ہوگا۔

اور اگر کپڑا درزی کے پاس ضائع ہوگیا تو ابی حنیفہ رح کہتے ہیں کہ اس پر تاوان نہیں ہے اور نہ دھوبی اور رنگریز پر اور اسی طرح جتنے کاریگر ہیں بجز اس کے کہ اس میں خود ان کی غلطی ہو۔ اور ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ جو چیز ان کے پاس ضائع ہو جائے وہ اس کے ضامن ہیں اگرچہ انہوں نے غلطی نہ کی ہو اور ابو یوسف رح کہتے ہیں کہ وہ تاوان کے ذمہ دار ہوں گے لیکن ناگہانی صورت میں نہیں، امام شافعی رح کہتے ہیں کہ جو شخص مزدوروں سے تاوان دلواتا ہے تو اس سے عاریت پر بھی قیاس کر کے تاوان دلوایا جائے گا اور فرماتے ہیں کہ عاریت میں تاوان اس لئے ہے کہ اس میں عاریت لینے والے کا فائدہ ہے اس لئے وہ اس کا ضامن ہے حتیٰ کہ وہ اس کو صحیح سلامت واپس پہنچا دے اور وہ مثل قرض کے ہے اور قاضی شریح رح بھی دھوبی سے تاوان دلانے کی طرف گئے ہیں کہ انہوں نے اس دھوبی کو ضامن قرار دیا جس کا گھر جل گیا اور جب اس نے پوچھا کہ آپ مجھ سے تاوان دلواتے ہیں حالانکہ میرا گھر جل گیا تو شریح رح نے کہا کہ تم دیکھو کہ اگر اس کا گھر جل جاتا تو کیا تم اس کو اپنی اجرت چھوڑ دیتے (یعنی کپڑے والے کا گھر جل جاتا تو کیا تو اپنی مزدوری نہ لیتا) اور جس نے ان لوگوں کو ضامن نہیں قرار دیا۔ انہوں نے اس کا قیاس امانت پر کیا ہے اور عطاء رض سے ثابت ہے کہ کاریگر اور مزدور پر تاوان نہیں ہے اور مزدور اور کاریگر نے اگر

خود ضائع کر دیا ہو تو اس کے متعلق کوئی سوال نہیں ہے اور وہ ضامن ہے جیسے امانت رکھنے والا ضامن ہے جس کو خود اس نے ضائع کر دیا ہو اسی طرح یہ بھی ضمانت دیں گے اور غلطی کا جرم کسی سے معاف نہ ہوگا اسی طرح اگر انہوں نے تعدی سے کام لیا تو بھی ضامن ہوں گے، ربیع رح کہتے ہیں کہ جہاں تک میرا خیال ہے شافعی رح کا بھی مذہب یہی ہے کہ کاریگر پر تاوان نہیں ہے بجز اس کے کہ ان سے غلطی سرزد ہوئی ہو لیکن کاریگروں کے خوف سے وہ اپنی رائے ظاہر نہیں کرتے تھے۔

زمانۂ اختیار خریدار کے پاس فروخت شدہ چیز کا ضائع ہونا

(۳) اگر کسی شخص نے کوئی چیز اس طرح پر خریدی کہ بیچنے والے کو ایک دن تک واپس لینے کا اختیار ہے اور خریدنے والے نے وہ چیز لے لی پھر وہ چیز اس کے پاس سے ضائع ہو گئی تو امام ابو حنیفہ رح کہتے ہیں کہ خریدار قیمت کا ضامن ہے کیونکہ اس نے خریدنے کی نیت سے وہ چیز لی ہے ابو یوسف رح کی بھی یہی رائے ہے لیکن ابن ابی لیلیٰ رح فرماتے ہیں کہ وہ اس چیز کا امین ہے اور اگر اختیار خریدنے والے کو تھا اور چیز اس کے پاس ضائع ہوئی تو اس کا تاوان دونوں کے نزدیک اسی قیمت پر ہے جس قیمت پر اس نے خریدا اور شافعی رح کہتے ہیں کہ وہ اصل قیمت کا ضامن ہے ہم اس کو ثمن کا ضامن اس لئے نہیں قرار دیتے کہ اس میں بیع کی تکمیل نہیں ہوئی ہے اور تاوان اس لئے اس پر ہیں قرار دیتے کہ اس نے اس کو بیع پر ہی لیا ہے کہ خریدار سے اس کا عوض لے گا ہم فروخت شدہ چیز کا تاوان ہی دلوائیں گے اور اس میں اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کو امین قرار دیا جائے کیونکہ آدمی اس چیز کا امین ہو سکتا ہے جس کا مالک نہ ہو اور جس سے کوئی نفع خود کی بابت حاصل نہ کرے بلکہ وہ اس کا مالک ہے مالک کے فائدہ کے لئے نہ کہ اپنے نفع کے لئے اور خواہ اس میں اختیار بیچنے والے کا ہو کہ خریدنے والے کا کیونکہ اس میں بیع مکمل نہیں ہوئی اور چیز ضائع ہو گئی

بیع جبری

(۳) جب آدمی قرض کے بارے میں قید ہو گیا اور قاضی نے اس کو مفلس قرار دے دیا اور جیل میں اس نے کوئی چیز بیچی اور خریدی اور آزاد کیا یا کوئی صدقہ خیرات کیا یا کوئی ہبہ کیا تو امام ابوحنیفہ رح کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ جائز ہے اور کوئی چیز اس کے مال سے قرض میں نہیں لی جائے گی قاضی کے مفلس قرار دینے کے بعد اس پر کچھ واجب نہیں کیونکہ کچھ پتہ نہیں کہ انسان کب مفلس ہو جائے اور کب مالدار اور ابن ابی لیلی رح کہتے ہیں کہ تفلیس کے بعد نہ اس کی خرید و فروخت جائز ہے اور نہ ہبہ و صدقہ نہ آزاد کرنا کہ وہ کوئی مال بیچے اور قرضخواہوں کو دے اور ابو یوسف رح کا قول مثل قول ابن ابی لیلی رح کے ہے بجز آزاد کرنے کے اور شافعی رح کہتے ہیں کہ جب قرض دار پر دعوی کیا جائے اور اس پر کوئی چیز ثابت ہو ئی یا اس نے کسی چیز کا اقرار کیا تو قاضی کو چاہیئے کہ اس کا مکان روک دے اور کہہ دے کہ میں نے تیرا مکان اس وقت تک کے لئے روک دیا جب تک تو اس کا دین ادا کر دے اور قاضی اس کو مفلس قرار دے دے پھر اس کے مال کا حساب کرے اور اس کو حکم دے کہ وہ حصہ اس کو فروخت کر دے اور اس کو حکم دے جو اس کی قیمت لگائے پھر قاضی اسکو جس قدر زیادہ قیمت میں ممکن ہو فروخت کرے پھر اس سے اس کا قرض ادا کرے پھر مکان کی رکاوٹ اس سے اٹھالے۔

شفعہ کے مسائل

ایک شخص نے گھر خریدا اور اس میں کچھ عمارت بنائی پھر شفیع آیا اور اس کا شفعہ طلب کیا تو ابوحنیفہ رح کہتے ہیں کہ شفیع گھر سے لے گا اور عمارت بنانے والا کھنڈر لے گا اور یہی ابو یوسف رح کی رائے ہے اور ابن ابی لیلی گھر اور عمارت دونوں شفیع کو دلواتے ہیں اور عمارت کی قیمت اور گھر کی قیمت جس قیمت پر اس نے خریدا ہے اس پر لازم قرار دیتے ہیں ورنہ اس کو شفعہ نہ ملے گا اور شافعی رح کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص گھر کا ایک حصہ خریدے پھر اس میں تقسیم کرے اور نئی عمارت بنائے پھر شفیع نے شفعہ طلب کیا تو اس سے کہا جائے گا کہ اگر تو چاہتا ہے تو وہ قیمت جس

قیمت پر اس نے یہ حصہ مکان خریدا اور عمارت بنائی تو جو قیمت آج کی ہوگی وہ ادا کرے اور اگر چاہے تو شفعہ چھوڑ دے اسکے سوا کوئی صورت نہیں کیونکہ اس نے عمارت کے بنانے میں تعدی سے کلام نہیں لیا لہٰذا اس کی عمارت منہدم نہیں کرائی جا سکتی۔

پڑوسی کا شفعہ

(۴) امام ابوحنیفہ رح کہتے ہیں کہ شفعہ پہلے اس شریک کا ہے جس نے تقسیم نہیں کی ہے اس کے بعد اس کو ہے جس نے تقسیم کی ہے اور دونوں میں طریقہ ایک ہی ہے اس کے بعد اس پڑوسی کو جو متصل ہے اور اگر کئی پڑوسی جمع ہو جائیں اور ان کا اتصال برابر برابر ہو تو وہ سب شفعہ میں شریک ہوں گے اور ابن ابی لیلیٰ رح بھی ابوحنیفہ رح کی رائے سے متفق تھے مگر جب امیر المومنین ابوالعباس نے ان کو لکھا کہ شفعہ کا حق اسی شریک کو دیں جس نے تقسیم نہیں کی ہے تو انہوں نے اس قول کو اختیار کر لیا اور اس کے بعد وہ فیصلہ اسی شریک کے حق میں کرتے تھے جس نے تقسیم نہیں کی ہے یہی قول اہل حجاز کا ہے اور یہی شافعی رح کی رائے ہے۔

انکار کی صلح

(۶) ابوحنیفہ رح کہتے ہیں کہ جب مدعیٰ علیہ کسی بات کا انکار کر دے تو اس کے بعد بھی صلح جائز ہے اور ابویوسف رح کی بھی یہی رائے ہے اور ابن ابی لیلیٰ رح اس کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں، ابوحنیفہ رح کہتے تھے کہ کیوں جائز نہیں اور حالانکہ صلح انکار کی ہی حالت میں جائز ترین چیز ہے کہ جب اقرار ہو تو صلح کی ضرورت نہیں اور شافعی رح کہتے ہیں کہ قیاس تو یہ ہے کہ یہ صلح باطل ہو اس وجہ سے کہ ہم صلح اسی وقت جائز قرار دیتے ہیں جب کہ بیوع میں جائز ہو حلال و معروف قیمتوں کے بارے میں تو اگر یہ ہو تو ہمارے نزدیک اسی طرح ہوگی اور جس نے انکار کی حالت میں صلح کو جائز قرار دیا ہے تو یہ عوض ہوگا اور عوض کل کا کل قیمت ہے اور عوض اس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتا جب تک کہ عوض دینے والا اور عوض لینے والا اس پر متفق نہ ہو جائیں بجز اس کے کہ اس میں کوئی حکم ہو جو لازم ہو تو اثر قیاس سے اولیٰ ہے اور میری نظر سے ایسی کوئی حدیث نہیں گذری جو اس جیسی بات

کو لازم قرار دے[1]

کتبِ ظاہر روایت

ان میں پہلی کتاب جامع الصغیر ہے جس میں وہ مسائل درج ہیں جن کو امام محمدؒ سے ان کے شاگرد عیسیٰ بن ابان اور محمد بن سماعہ نے روایت کئے ہیں اور یہ مسائل کتب فقہ کی چالیس کتابوں میں ہیں جن میں پہلی کتاب الصلوٰۃ ہے اور اس کی ہر کتاب میں ابواب قائم کئے گئے تھے اور اس کتاب کو قاضی ابو طاہر محمد بن محمد دباس نے کر اس کی تبویب و ترتیب کی تاکہ پڑھنے والوں کے لئے اس کا یاد کرنا اور پڑھنا سہل ہو جائے امام محمدؒ اس کتاب کے مسائل ابی یوسفؒ سے روایت کرتے ہیں اور ابی حنیفہؒ سے اور اس کتاب میں دلائل سے کام نہیں لیا گیا ہے۔

۲۔ جامع کبیر وہ بھی پہلی جیسی ہے البتہ اس سے زیادہ طویل ہے۔

۳۔ کتاب مبسوط جو "اصل" کے نام سے مشہور ہے اور وہ محمدؒ کی تمام کتابوں میں بڑی اور طویل ہے جس میں ہزاروں وہ مسائل درج ہیں جن کے جوابات ابو حنیفہؒ کے استنباط کا نتیجہ ہیں جن میں سے بعض کی ابو یوسفؒ اور محمدؒ نے مخالفت کی ہے اور اس کتاب میں انہوں نے یہ روش اختیار کی ہے کہ وہ ابتداءً ایک مسئلہ کے متعلق جس قدر احادیث ہوتی ہیں وہ درج کر دیتے ہیں پھر اس کے مسائل بیان کرتے ہیں اور اکثر ان مسائل پر ختم کرتے ہیں جن میں ابو حنیفہؒ و ابن ابی لیلیٰؒ کا اختلاف ہے اور ان کے ایک شاگرد احمد بن حفص ہیں جنہوں نے ان سے اس کتاب کی روایت کی ہے۔ اس میں احکام کی علت بیان نہیں کی گئی ہے۔

۴۔ کتاب سیر صغیر یہ کتاب جہاد کے مسائل میں ہے۔

(۵) کتاب سیر کبیر اور یہ فقہ میں آخری تصنیف ہے اور اسی لئے اس کتاب کو ان سے ابو حفص احمد بن حفص نے روایت نہیں کیا ہے جو ان کی کتب کے راوی ہیں کیونکہ انہوں نے اس کتاب کو ابی حفص کے عراق سے جانے کے بعد تصنیف کیا ہے اور اسی لئے امام ابو یوسفؒ کا نام بھی

---

[1] اصل کتاب کے مصنف نے کئی صفحات میں کچھ اس قسم کے غیر دلچسپ اور طویل مسائل نقل کئے ہیں اس لئے یہاں چند صفحات کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ مترجم

اس کے کسی مسئلہ میں نہیں ہے کیونکہ یہ تصنیف اس وقت کی ہے جب ان دونوں میں سخت نفرت پیدا ہو چکی تھی اور جب کبھی ابو یوسف سے کسی روایت کی ضرورت پڑی ہے تو یوں لکھا ہے کہ مجھ سے معتبر شخص نے بیان کیا اور جہاں اس طرح کے الفاظ بولتے ہیں۔ اس سے امام ابو یوسف رح کی ذات مراد ہوتی ہے اور امام محمد رح سے ابو سلیمان جوز جانی اور اسمٰعیل بن ثوریہ نے اس کتاب کی روایت کی ہے۔

چوتھی صدی کے اوائل میں ابو الفضل محمد بن احمد مروزی المعروف بہ حاکم شہید نے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام "کافی" ہے جس میں محمد بن حسن کی کتابوں کے معانی و مطالب ہیں۔ اس میں سے مکرر مسائل کو حذف کر دیا یہ بہت عمدہ کتاب ہے جو کتب خانہ مصر میں قلمی موجود ہے۔

اور امام محمد رح بن حسن کی ایک کتاب ہمیں ملی جس میں اہل مدینہ پر رد کیا گیا ہے اس کتاب کی روایت امام شافعی رح نے کتاب "ام" میں کی ہے اور اس کے ہر مسئلہ پر یا تو اہل مدینہ کی مدد کے لئے اور یا ابی حنیفہ رح کے رائے کی موافقت کے لئے اعتراض کئے ہیں اس کتاب میں وہ مسائل درج ہیں جس میں ابو حنیفہ رح نے اہل مدینہ سے اختلاف کیا ہے جس کا ایک مسئلہ یہ ہے۔

باب اس شخص کے بارے میں جو کسی شخص کیلئے کسی شخص کو اسلیے پکڑے تاکہ وہ اسکو قتل کرے

ابو حنیفہ رح اس شخص کے بارے میں جو کسی شخص کو کسی شخص کے لئے اس لئے پکڑے کہ وہ ہتھیار سے اس کو قتل کر دے اور وہ اسی جگہ مر جائے کہتے ہیں کہ پکڑنے والے پر قصاص نہیں ہے بلکہ قصاص قاتل پر ہے لیکن پکڑنے والے کو سخت سزا دی جائے گی اور جیل میں رکھا جائے گا۔ لیکن اہل مدینہ کہتے ہیں کہ اگر اس نے اس کو پکڑا اور وہ جانتا ہے کہ وہ اس کو قتل کرنا چاہتا ہے تو اس کے بدلے میں دونوں قتل کئے جائیں گے۔

محمد بن حسن کہتے ہیں کہ پکڑنے والے کو کیسے قتل کیا جائے گا جب کہ اس نے قتل نہیں کیا ہے۔ اور جب کہ اس نے اس کو پکڑا اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس کو قتل نہیں کرے گا تو کیا تم

پکڑنے والے کو قتل کرو گے؟ اگر انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم تو اس کو اس وقت قتل کریں گے جب کہ وہ یہ گمان رکھے کہ وہ اس کو قتل کرنا چاہتا ہے، تو پھر ان سے کہا جائے گا کہ ایسی صورت میں تمہارے قول کے مطابق پکڑنے والے پر قصاص واجب نہیں ہے لیکن اس صورت میں کہ اگر اس کو گمان ہوا اور گمان کبھی خطا کرتا ہے کبھی ٹھیک ہوتا ہے مثلاً تمہارے خیال میں اگر کسی شخص نے کسی شخص کا پتا بتا دیا اور اس نے اس کو قتل کر دیا اور جس نے پتہ بتایا اس کو یقین تھا کہ وہ اگر اس پر قادر ہوگا تو اس کو قتل کر دے گا تو کیا تم پتہ بتانے والے کو اسی طرح قتل کر دو گے جیسے کہ پکڑے والے کو دیکھو اگر کسی شخص نے کسی کو کسی کے قتل کرنے کا حکم دیا اور اس نے اس کو قتل کر دیا تو کیا قتل کرنے والا اور حکم دینے والا دونوں پکڑے جائیں گے؟ یا اگر کسی شخص نے کسی عورت کو روک رکھا تاکہ وہ اس کے ساتھ زنا کرے تو کیا دونوں کو حد لگائی جائے گی یا صرف اسی کو حد لگائی جائے گی جس نے کہ فعل کیا اور اگر وہ دونوں شادی شدہ ہیں تو کیا دونوں کو رجم کیا جائے گا اسی طرح اس شخص کو جو یہ کہتا ہے کہ پکڑنے والے کو قتل کیا جائے گا یوں کہنا چاہیے کہ دونوں پر حد جاری کی جائے گی؟ یا اگر کسی شخص نے کسی کو شراب پلادی تو کیا دونوں پر شراب کی سزا جاری کی جائے گی یا صرف پینے والے پر حد جاری کی جائے گی؟ یا اگر کسی شخص نے کسی کو حکم دیا کہ کسی شخص پر بہتان باندھے اور اس نے اس پر بہتان باندھا تو کیا دونوں پر سزا جاری کی جائے گی یا صرف تہمت باندھنے والے کو سزا دی جائے گی؟ تمہارے قول کے مطابق تو دونوں کو سزا دی جانی چاہیے۔

ہم کو اسماعیل بن عیاش حمصی نے خبر دی کہ عبدالملک بن جریج نے عطاء بن ابی رباح سے روایت بیان کی وہ کہتے ہیں کہ علیؓ بن ابی طالب نے اس شخص کے بارے میں جس نے کسی شخص کو عمداً قتل کیا اور دوسرے شخص نے اسکو پکڑا تھا یہ فرمایا کہ قاتل کو قتل کیا جائے اور دوسرے کو جیل میں مرنے تک بند رکھا جائے۔

شافعی رح کہتے ہیں کہ اللہ کی حد لوگوں پر نفس فعل پر ہے اور اسی میں قصاص بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

کتب علیکم القصاص فی القتلی — مقتولین کے سلسلہ میں تم پر قصاص فرض کیا گیا

ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطاناً ؛ — جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہم نے اس کے ولی کو اقتدار عطا کر دیا۔

جو لوگ اس آیت سے مخاطب ہیں ان کے نزدیک یہ بات مسلم تھی کہ مقتول کے ولی کو صرف قاتل پر اقتدار حاصل ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت ہے کہ جس شخص نے کسی مسلمان کا خون بہا کر قتل کیا اس کا قصاص خود اس کے ہاتھ میں ہے اور اللہ تعالے نے ارشاد فرمایا ہے۔

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ ؛ — زانی اور زانیہ دونوں کو ایک ایک سو کوڑے مارو۔

اور ارشاد فرمایا۔

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ؛ — جو لوگ بغیر چار گواہ پیش کئے پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اُن کے اسی کوڑے مارے جائیں۔

لیکن میں نے مخلوق خدا میں کسی رہبر کو نہیں دیکھا کہ اس نے کسی ایسے شخص پر جس نے نہ وہ فعل کیا ہو نہ اقتدار اس کے باوجود حد جاری کی ہے تو اگر کسی شخص نے کسی کو پکڑ رکھا کسی شخص کیلئے پھر اس نے اس کو قتل کر دیا تو اس کے بدلہ میں قاتل کو قتل کیا جائے گا اور روکنے والے کو سزا دی جائے گی کیونکہ اللہ تعالے کے حکم میں یہ تبدیلی جائز نہیں کہ جب قاتل کو قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے تو پکڑنے والے کو بھی پکڑنے کے جرم میں قتل کیا جائے حالانکہ پکڑنا اور قتل کرنا دو الگ چیزیں ہیں اور جس نے اس کو قتل کیا تو اس نے اللہ تعالے کے حکم میں تبدیلی کر دی کیونکہ جب اللہ تعالی نے یہ فرما دیا کہ

کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ ۔ مقتولین کے بارے میں تم لوگوں پر قصاص واجب ہے

تو قصاص تو یہی ہے کہ آدمی کے ساتھ وہی کام کیا جائے جو اس نے کیا ۔ تو کیا اس نے قتل کیا ہے کہ اس کے بدلے میں قتل کیا جائے ۔ اس نے پکڑا ہے اور پکڑنا ایسا گناہ ہے جس میں قصاص نہیں ہے بلکہ اس میں تعزیر کی جائے گی خواہ اس نے اس لئے اس کو پکڑا ہو کہ اس

کو قتل کرے یا قتل نہ کرے۔ اور اگر پکڑنا قتل کا قائم مقام ہوتا جب کہ روکنے والا اس کی نیت کرے کہ محبوس قتل ہو تو کیا اگر اس نے اس کو قتل نہیں کیا تو ہم اس کو قتل کریں گے کیونکہ اس نے وہ فعل کیا ہے جو قتل کے قائم مقام ہے نیت کے ساتھ لیکن یہ قول ہمارے امام مالک رح اور امام محمد رح کے خلاف ہے اور امام محمد رح بن حسن رح نے جو ہمارے امام مالک رح بن انس رح پر اعتراضات کئے ہیں وہ عام طور پر خود ان پر وارد ہوتے ہیں لیکن امام محمد رح بھی دوسرے موقع پر غافل نہیں رہتے جس کی وجہ اکثر وہ باتیں انہی پر وارد ہوتی ہیں جو وہ ہمارے امام پر کرتے ہیں تو وہ تمام اعتراضات جو وہ اس جگہ ہمارے امام پر کرتے ہیں انہی پر وارد ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی شخص کہے کہ اس کی دلیل کیا ہے تو جواباً کہا جائے گا کہ امام محمد رح کا خیال ہے کہ اگر ایک جماعت نے ڈاکہ ڈالا اور قتل کیا اور ان کے مدد کرنے کے لئے ایک جماعت ہے جو آواز تو سنتی ہے لیکن ان لوگوں نے جو قتل کیا ہے اس کو نہیں دیکھتی تو قاتلوں کو تو قتل کرنے کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور مددگاروں کو اس لئے کہ ان کی قوت پاکر انہوں نے قتل کیا۔ شافعی رح کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد بن حسن رح سے پوچھا کہ کیا آپ نے اس بارہ میں کسی روایت کا ذکر کیا ہے تو انہوں نے کسی روایت کو نہیں بیان کیا۔ تو میں نے ان سے کہا کہ دیکھئے اگر کسی طاقتور آدمی کو کسی کمزور شخص نے قتل کا ارادہ کیا اور ایک طاقتور شخص سے کہا کہ اگر میں کمزور نہ ہوتا تو فلاں کو قتل کرتا اس نے کہا میں اس کو تیرے لئے پکڑ دوں گا پھر اس نے اس کو پکڑ دیا اور اس کے سینہ پر بیٹھ کر اس کے گلے کو اٹھایا تاکہ اس کے نرخرہ کو نمایاں کر دے پھر ضعیف کو چھری دی اور اس نے اس کو ذبح کر دیا تو کیا آپ کا خیال ہے کہ صرف ذبح کرنے والے کو قتل کیا جائے کیونکہ وہی قاتل ہے اور اس شخص کی مدد کا کچھ خیال نہ کیا جائے گا جو اس قتل کا سبب ہے کیونکہ سبب غیر فعل ہے اور اللہ تعالےٰ لوگوں کا فعل پر مواخذہ فرماتا ہے کیا یہ شخص اس کے قتل پر زیادہ مددگار تھا یا وہ زیادہ مددگار تھے جو راستہ سے گزر رہے تھے قتل پر پھر آپ ان مددگاروں کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو آواز کو نہ سنتے تھے لیکن وہ قاتلوں کو دیکھ رہے تھے اور ان کو قوت پہنچا رہے ہوں ان پر بجز تعزیر کے اور کچھ نہ ہوگا تو پھر ان پر حد کیوں جاری ہوگی جہاں سے وہ آواز سنتے ہوں تو امام محمد رح نے فرمایا کہ امام مالک رح بھی اس مسئلہ میں میرے ساتھی ہیں کہ وہ بھی مددگاروں کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ وہ قتل کئے جائیں گے میں نے کہا کہ تمہارے لئے

تواس سے تمہارے غیر پر حجت آجاتی ہے اگر آپ کا قول حجت نہ ہو تو کیا ہمارے استاد کا قول جس پر تم اعتراض کرتے ہو اس طرح حجت ہو گا؟ فرمایا تو پھر کیا تمہارا یہ قول نہیں ہے؟ میں نے کہا نہیں اور میں کسی عقلمند کو ایسا کہتے نہیں پاتا اور جس نے یہ کہا تو وہ قیاس معقول کے حکم سے نکل گیا اور اس پر بہت سے وہ اعتراضات وارد ہو جائیں گے جو تم کرتے ہو اور اگر تم نے کسی بارے میں استدلال کیا یا ان پر نکتہ چینی کی اور خود اس سے بچ گئے تو یہ ہو سکتا ہے۔

شافعی رح کہتے ہیں کہ علی رض بن ابی طالب سے مروی ہے کہ قاتل کو قتل کیا جائے اور روکنے والے کو قید میں رکھا جائے حتی کہ وہ مر جائے۔ لیکن امام محمد رح اس کو عمر قید کی سزا نہیں دیتے اس لیے یہ ان کے استدلال کے خلاف ہے۔

پوری کتاب اسی طرح دونوں فریقوں کے پُر زور دلائل سے بھری پڑی ہے اور وہ اس قابل ہے کہ قانون کے طالب علم اس کو پڑھیں اور امام محمد رح کی ایک کتاب "کتاب الآثار" ہے جس کا ابن ندیم نے ذکر نہیں کیا ہے اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ مصر میں موجود ہے جس میں وہ تمام حدیثیں جمع کر دی ہیں جس سے ائمہ احناف استدلال کرتے ہیں ان کی بہت سی کتابیں ہیں جو "نوادر" کے نام سے مشہور ہیں اور یہ کتابیں قابل اعتماد طریقوں سے مروی نہیں ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) امالی محمد فقہ میں اور یہ کیسانیات کے نام سے مشہور ہے۔

(۲) کتاب الزیادات۔

(۳) کتاب زیادۃ الزیادات۔

(۴) کتاب النوادر

(۵) روایۃ ابن رستم

اور امام محمد رح ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے موطا امام مالک رح بن انس کی روایت کی ہے اور اس میں ان احادیث کو بیان کیا ہے جن پر احناف کا موافق یا مخالفت عمل رہا ہے اور ان اسباب کو بھی بیان کیا ہے جس کی وجہ سے اختلاف ہے۔

اور امام ابی حنیفہ رح کے شاگردوں میں ایک مصنف حسن بن زیاد لؤلوی بھی ہیں۔ جنہوں نے کتاب "مجرد" لابی حنیفہ روایتہ" اور کتاب ادب القاضی۔ کتاب الخصال، کتاب النفقات،

کتاب الخراج، کتاب الفرائض، کتاب الوصایا، لکھی ہیں لیکن حسنؒ بن زیاد کی روایات اعتماد کے لحاظ سے محمدؒ بن حسن کی روایات سے متوخر ہیں کیونکہ امام محمدؒ بن حسن پر پورا بھروسہ کیا جاتا ہے۔

اور انہی میں سے ایک عیسٰی بن زبان ہیں جو امام محمد رہ بن حسن کے شاگرد ہیں انکی تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

(۱) کتاب الحج۔

(۲) کتاب خبر واحد۔

(۳) کتاب الجامع۔

(۴) کتاب اثبات قیاس۔

(۵) کتاب اجتہاد الرائے۔

اور انہی میں ایک ہلال بن امیہ جو ہلال الرائی کے نام سے مشہور ہیں اور ابو عبداللہ محمد بن سماعۃ ہیں جنہوں نے امام محمد بن حسن سے انکی کتابوں کی روایت کی ہے۔

اور انہی میں سے ایک احمد بن عمر بن مہید ہیں جو خصّاف کے نام سے مشہور ہیں جنہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور ان کی کتابوں میں سے بہترین کتاب اوقاف میں ہے اور وہی مشہور و متداول ہے۔

اور اس دور کا اختتام ایک ماہر امام کبیر اور مصنّف عظیم پر ہوا اور آپ کا نام نامی ہے ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمہ ازدی طحاوی مصری جنہوں نے اختلاف فقہاء میں ایک بہت بڑی کتاب لکھی ہے جس کو وہ تمام نہ کر پائے اور کتاب شرح مشکل احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے جو تقریباً ایک ہزار ورق کی ہے اور کتاب شرح معانی الآثار کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ وہ ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جس کو علم پر پوری دسترس حاصل ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا حافظ ہے اور اسی کے ساتھ فقہاء کے اختیار کردہ مذہب اور ان کے متعلق ان کے اقوال اور مسندوں سے پوری طرح واقف، انکی اور کتابیں بھی ہیں جن کی تفصیل ابن ندیم نے اپنی فہرست میں دی ہے۔

اس زمانہ میں بھی کتابوں کی تصنیف کا کام ہوا لیکن ان سب میں امام محمد رح کی کتابیں ہیں جو ابوحنیفہ رح اور ان کے اصحاب کے مذہب کی بنیاد ہیں اور انہی کتابوں کی علماء حنیفہ نے آخری زمانہ میں شرح اور تفسیر کی ہے اور اسی پر ان کا اعتقاد ہے اور اسی چشمہ سے وہ سیراب ہوئے۔

امام مدینہ مالکؒ بن انسؓ کے مذہبؒ کی کتابیں!

امام مالک رح نے اپنی کتاب موسومہ بہ موطا لکھی اور ان سے ان کے بہت سے شاگردوں نے اس کی روایت کی لیکن ان کی روایات میں کمی اور زیادتی اور اختلاف ہے موطا کی مشہور روایت یحیٰی بن یحیٰی لیثی کی ہے اور مصر کا چھپا ہوا یہ وہی نسخہ ہے جس کو آج کل ہم پڑھتے ہیں[۱] اور ایک موطا وہ ہے جس کی روایت امام محمد رح بن حسن کرتے ہیں یہ بلاد ہند کا مطبوعہ ہے۔

ایک کتاب میں امام مالکؒ کی عادت ہے کہ موضوع کے مقدمہ میں جو کچھ احادیث ہیں اس کو درج کرتے ہیں پھر اس میں صحابہ اور تابعین سے جو منقول ہے اس کو درج کر دیتے ہیں اور غیر اہل مدینہ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں اور کبھی اس پر اہل مدینہ کے عمل اور اہل مدینہ کے متفق علیہ کا بھی ذکر کرتے ہیں چنانچہ انکی کتابوں کا نمونہ یہ ہے۔

بیمار کی طلاق

مالک نے ابن شہاب سے روایت کی وہ طلحہ بن عبد اللہ بن عوف سے روایت کرتے ہیں جنہوں نے بیان کیا جو اس مسئلے کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور ابی سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف سے بھی روایت کرتے ہیں کہ عبد الرحمٰن بن عوف نے مرض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق قطعی دے دی تو عثمان رض بن عفان نے اس عورت کو اسکی عدت گزرنے کے بعد ان کا وارث قرار دے کر میراث دلائی۔

---

[۱] موطا امام مالکؒ کے متعدد اصل نسخے اور شروح وحواشی کے ساتھ ہند و پاکستان میں بھی شائع ہو چکے ہیں یہاں یہ زیادہ تر وہی رائج ہیں نیز اردو فارسی ترجمے بھی چھپ چکے ہیں ۱۲ منہ رضی۔

امام مالک رح نے عبد اللہ بن الفضل سے اور وہ اعرج سے روایت کرتے ہیں کہ عثمان رض بن عفان نے ابن مکمل کی عورتوں کو وارث بنایا حالانکہ انہوں نے بحالت مرض ان کو طلاق دے دی تھی۔

امام مالک رح کہتے ہیں کہ انہوں نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمن سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ عبدالرحمن بن عوف کی بیوی نے ان سے اپنی طلاق مانگی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تجھے حیض آئے اور پھر تو پاک ہو جائے تو مجھے اطلاع دینا لیکن ان کو حیض عبدالرحمن رض بن عوف کے بیمار ہونے کے وقت حیض آیا پھر جب وہ پاک ہوئیں تو انہوں نے ان کو اس کی خبر دے دی پھر انہوں نے ان کو طلاق قطعی دے دی یا وہ ایک طلاق دی جو ان کی اس عورت پر باقی تھی اور عبدالرحمن اس وقت مریض تھے تو عثمان بن عفان نے ان کو ان کی عدت پوری ہونے کے بعد ان کا ورثہ دلایا۔

امام مالک رح یحیٰی بن سعید سے روایت کرتے ہیں اور وہ محمد بن یحیٰی بن حبان سے کہ میرے دادا حبان کی دو بیویاں تھیں ایک ہاشمیہ ایک انصاریہ انہوں نے انصاریہ کو طلاق دے دی جو دودھ پلا رہی تھی اور اس پر ایک سال گزر گیا اس کے بعد وہ انتقال کر گئے لیکن اس وقت تک عورت کو حیض نہیں آیا اس لیے اس نے دعویٰ کیا کہ میں اس کا ورثہ لوں گی کیونکہ مجھے حیض نہیں آیا دونوں عورتیں عثمان بن عفان کے پاس گئیں آپ نے اس کے لئے ورثہ دینے کا حکم دیا اس پر ہاشمیہ نے عثمان کو ملامت کی تو آپ نے فرمایا یہ فیصلہ تو تیرے چچازاد بھائی کا ہے آپ نے اس سے اشارۃً ہماری طرف کیا یعنی علی ابن ابی طالب پر (جو ہاشمی تھے)

امام مالک رح کہتے ہیں کہ انہوں نے ابن شہاب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی شخص بحالت بیماری تین طلاق دیدے تو وہ عورت اس کی وراثت میں حصہ دار ہوگی۔

امام مالک رح کہتے ہیں کہ اگر اس نے بحالت مرض قبل صحبت طلاق دی ہے تو اس کو نصف مہر ملے گا اور میراث بھی ملے گی اور اس پر عدت واجب نہیں اور اگر صحبت کرنے کے بعد طلاق دی تو اس کو کل مہر بھی ملے گا اور میراث بھی ملے گی اور اس پر عدت نہ ہوگی۔ اور اگر اس کے ساتھ صحبت کی پھر اس کو طلاق دی تو اس کو کل مہر بھی ملے گا اور میراث بھی، اور اس معاملہ میں ہمارے نزدیک باکرہ ثیبہ دونوں برابر ہیں، موطا دراصل ان احادیث کا مجموعہ ہے جو امام مالک رح کے

کے صحیح ثابت ہوئیں اور وہ تقریباً پانچ سو احادیث کا مجموعہ ہے۔

لیکن جن مسائل کا انہوں نے جواب دیا ان کو ان کے شاگردوں نے مرتب کر دیا سب سے پہلے جس نے اس کو لکھا وہ اسدؒ بن فرات ہیں جنہوں نے ان مسائل کو مرتب کیا ہے جو انہوں نے امام محمدؒ بن حسن فقیہ عراق سے حاصل کئے جیسا کہ شیخ علیش نے متن خلیل پر جو شرح لکھی ہے اس میں درج کیا ہے پھر ان مسائل کے متعلق عبدالرحمٰن بن قاسم سے پوچھا تو انہوں نے مالک رہ کی رائے کے مطابق جواب لکھا پھر اس تحریر کو قیروان لائے تو اس کو ان سے سحنونؒ نے لکھا اور اس کا نام اسدیہ تھا پھر اس کو سحنونؒ ابن قاسم کے پاس ۱۸۸ھ میں لائے اور ان مسائل کو ان پر پیش کیا انہوں نے مسائل کی اصلاح کی اور پھر قیروان ۱۹۱ھ میں واپس لے گئے اور اس کو کتابی شکل میں تو سب سے پہلے اسدؒ بن فرات نے اس طرح جمع کیا تھا لیکن مسائل غیر مرتب شکل میں تھے اور عنوانات کی تفصیل بھی نہ تھی پھر سحنونؒ نے اس کے اکثر مسائل کو مرتب کیا اور سحنونؒ نے اس کے بعض مسائل پر ان احادیث کی رو سے اعتراض کیا جو موطا ابن وہب وغیرہ کی روایت سے ان کو ملے تھے اور اس میں کچھ ایسے حصے باقی رہ گئے جن کو سحنونؒ مکمل نہ کر سکے۔ (یہ سب کچھ قاضی عیاض نے لکھا ہے۔

اہل صلاح واہل بدعت کے پیچھے نماز کا مسئلہ!

(کہا) اور مالک رہ نے فرمایا کہ قوم کی امامت جو ان میں سب سے زیادہ عالم ہو اور اس کی حالت اچھی ہو اور فرمایا کہ عمر کا بھی کچھ حق ہے تو میں نے کہا جو ان میں سب سے اچھا قاری ہو وہ کیسا ہے تو فرمایا کبھی یہ قاری ایسا ہوتا ہے کہ جو نہیں (اس نہیں سے ان کا یہ مطلب تھا کہ اس کی حالت اچھی نہیں ہوتی) اور مالک رہ نے فرمایا اور کہا جاتا ہے کہ سواری پر آگے بیٹھنے کا مستحق سواری کا مالک رہ ہے اور امامت کا مستحق گھر والا ہے جب کہ اس کے مکان میں نماز پڑھیں البتہ اگر وہ اجازت دے دے تو دوسرا بھی امام ہو سکتا ہے میں نے امام مالکؒ کو دیکھا کہ وہ اسی کو پسند کرتے تھے میں نے ابن قاسم رہ سے کہا کہ امام مالکؒ کا قول اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو غلط قرآن پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے حالانکہ وہ خود اچھا پڑھ سکتا ہے تو کہا کہ امام مالک رہ نے

فرمایا کہ جب امام لوگوں کو نماز پڑھائے اور قرأت چھوڑ دے تو اس کی اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی بھی وہ نماز باطل ہوگئی دوبارہ نماز پڑھیں اگرچہ وقت چلا جائے اس کے بعد فرمایا تو جو شخص قرآن مجید اچھا نہیں پڑھتا اس کا معاملہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کہ کوئی اس کے پیچھے نماز پڑھے جو قرآن مجید کو اچھا نہیں پڑھتا پھر کہا کہ میں نے امام مالک رحہ سے پوچھا قدریہ فرقہ کے امام کے پیچھے نماز کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو فرمایا کہ اگر تم کو یقین ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو میں نے کہا اور نہ جمعہ! فرمایا اگر تجھے یقین ہو تو نہ جمعہ انہوں نے کہا اور میں مناسب جانتا ہوں کہ اگر تجھے اس سے ڈر ہو اور اس سے اپنے نفس کی حفاظت مقصود ہو تو اس کے ساتھ نماز پڑھ لے لیکن احتیاطاً ظہر بھی ادا کر لو امام مالک رحہ نے فرمایا کہ اہل بدعت بھی قدریہ کے شل ہیں۔ اور کہا کہ میں نے امام مالک رحہ کو دیکھا کہ جب اہل بدعت کے پیچھے نماز پڑھنے والے کو نماز کے اعادہ کے متعلق ان سے پوچھا گیا تو وہ توقف کرتے تھے اور اس کا کوئی جواب نہیں دیتے تھے، ابن قاسم کہتے ہیں کہ میں اس بارہ میں اسی وقت اعادہ کر لینا مناسب سمجھتا ہوں اور کہا کہ مالک رحہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو ابن مسعود کی قرأت سے پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے تو فرمایا کہ وہ نکل جائے اور اس کو چھوڑ دے اور اس کی اقتدا نہ کرے انہوں نے کہا کہ امام مالک رح فرماتے ہیں کہ اہل بدعت کے ساتھ نہ اپنی لڑکیوں کا نکاح کرے نہ ان کی لڑکیوں سے نکاح کرے اور نہ ان کو سلام کرے اور نہ ان کے پیچھے نماز پڑھے اور نہ ان کے جنازوں پر حاضری دے، اور کہا کہ امام مالک رحہ نے فرمایا کہ جو شخص ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھے جو ابن مسعود کی قرأت پڑھتا ہے وہ نکل جائے اور اس کو چھوڑ دے میں نے کہا کہ کیا اگر وہ اس کے پیچھے نماز پڑھے تو کیا اس پر اعادہ واجب ہے بقول امام مالک رح ابن قاسم نے کہا کہ جب انہوں نے یہ کہا ہے کہ نکل جائے تو میری رائے یہ ہے کہ وہ وقت میں بھی اور اس کے بعد بھی نکل جائے" مدونہ" کے مسائل چھتیس ہزار تک پہنچتے ہیں۔

اور یہی "مدونہ" امام مالک رحہ کے متبعین کے نزدیک علم کی بنیاد ہے اور امام مالک رحہ کے مقلدین میں سے لکھنے والے عبداللہ بن عبدالحکم مصری ہیں جنہوں نے مختصر کبیر تالیف کی ہے۔ جس کے ذریعہ سے کتب اشہب کا اختصار کیا اور مختصر اوسط اور مختصر صغیر لکھی اور صغیر کو تو صرف

موطا تک محدود رکھا اور اوسط کی دو قسمیں ہیں۔ جو قراطیسی کی روایت کردہ ہے اس میں آثار کی زیادتی ہے برخلاف اس کے جوان کے لڑکے محمد رح اور سعید رح بن حسان کی روایت سے ہے کہا جاتا ہے کہ مختصر کبیر کے مسائل کی تعداد (۱۸۰۰۰) مسئلوں تک پہنچتی ہے اور اوسط میں (۴۰۰۰) اور صغیر میں (۱۲۰۰)

اور انہی میں سے ایک اصبغ بن فرج ہیں جنہوں نے کتاب اصول تصنیف کی اور ابن القاسم سے اپنے سماع کی (۲۲) کتابیں لکھیں، اور محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم نے کتاب احکام القرآن اور کتاب الوثائق والشروط اور کتاب آداب القضاۃ اور کتاب الدعوی و البینات تالیف کی۔

اور محمد بن احمد عتبی قرطبی نے متخرجہ تالیف کی اور اس میں زیادہ تر وہ مسائل درج ہیں جو شاذ اور نادر ہیں اور ان کے پاس جب کوئی شاذ مسئلہ لایا جاتا اس میں جو مسئلہ ان کو پسند آتا فرماتے کہ اس کو متخرجہ میں داخل کر لو ابن وضاح کہتے ہیں کہ متخرجہ میں بہت اغلاط ہیں اور محمد بن حکم کہتے ہیں کہ اس کے مسائل اکثر جھوٹے ہیں اور ایسے مسائل ہیں جن کے کوئی اصول نہیں اور ابو محمد بن حزم ظاہری کے سامنے متخرجہ کا ذکر کیا گیا تو کہا کہ افریقیہ میں اہل علم کے نزدیک اس کا درجہ بلند ہے اور بڑی شہرت ہے، یحیٰی بن عمر کنانی نے اس کا اختصار کیا ہے اور اس کا نام منتخبہ رکھا ہے۔

اور محمد بن سحنون رح نے اپنی کتاب موسومہ "جامع" تالیف کی جس میں علم فقہ کی بہت سی شاخیں جمع کی ہیں اور اس میں بہت سی کتابیں ہیں جو تقریباً ساٹھ ہیں۔

اور محمد بن ابراہیم بن عبدوس نے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام مجموعہ ہے جو امام مالک رح اور ان کے متبعین کے مذہب کے مطابق ہے لیکن وہ اس کے مکمل کرنے سے قبل ہی انتقال فرما گئے۔

اور اس دور میں مذہب مالکیہ کے دو بڑے مصنفین تھے۔ مشرق میں قاضی اسمٰعیل بن اسحٰق ہیں جنہوں نے اپنی کتاب مبسوط فقہ میں لکھی اور ایک کتاب محمد رح بن حسن اور ابی حنیفہ رح اور شافعی رح کی رد میں لکھی اور دوسرے مصر میں محمد بن ابراہیم بن زیاد اسکندری المعروف بہ ابن

مورز ہیں جن کی کتاب فقہ میں بڑی زبردست کتاب ہے اور مالکی مذہب کی تمام کتابوں میں اسکو امتیاز حاصل ہے جس میں صحیح ترین مسائل درج ہیں جو کلام میں مبسوط ہے اور تمام مسائل پر حاوی ہے اور قالبی رح نے اسکو تمام اصولی کتابوں پر مقدم رکھا ہے۔

امام محمد بن ادریس شافعی رح کے مذہب کی کتابیں

شافعی رح ہی وہ امام ہیں جن کے متعلق یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ انہوں نے بذات خود کتابوں کی تصنیف کی لیکن جو ان کے مذہب کے ماننے والوں کے لئے بنیاد کا کام دیتی ہیں اور خود انہوں نے اس کو اپنے شاگردوں کو عراق و مصر میں لکھوایا اور عراق کی کتابیں ان کا مذہب قدیم ہیں اور مصر کی کتابیں ان کا معتدل جدید مذہب ہے اور ان کی کتابیں یہ ہیں۔

(۱) رسالہ اولہ احکام یہ اصولی رسالہ ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

(۲) کتاب الام اور یہ وہ عظیم کتاب ہے جس کے مثل اس کے زمانہ میں نہیں لکھی گئی عمدہ طرز تحریر، اور دقت تعبیر، اور قوت مناظرہ میں لاجواب کتاب ہے یہ کتاب ایسی نہیں ہے جس میں صرف مسائل بیان کرتے چلے جائیں جیسے کہ امام محمد رح کے کتابوں کا طرز ہے بلکہ وہ ہر مسئلہ کے ساتھ اس کی دلیل بھی بیان کرتے ہیں اور اکثر اپنے مخالفین کا ذکر کرتے ہیں اور ان پر دلیل قائم کرتے ہیں اور اس کتاب کا نام "قدیم" بھی تھا اس کی تحریر کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

نماز کے متعلق کلام

شروع میں تین حدیثیں مع ان کی سند کے روایت کرتے ہیں۔

(ا) عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ہم حبشہ جانے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سلام کیا کرتے تھے اور آپ اس کا جواب حالت نماز میں دیا کرتے تھے پھر جب ہم حبشہ سے واپس آئے میں آپ کے پاس بغرض سلام حاضر ہوا تو میں نے آپ کو نماز پڑھتے پایا اور میں نے آپ کو سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا تو میرے دل میں بہت سے نزدیک و دور کے خیالات پیدا ہونے لگے میں بیٹھا رہا حتیٰ کہ آپ نے نماز پوری کرلی پھر میں آپ کے پاس

آیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی اپنے حکم میں جو چاہے تبدیل فرما دیتا ہے اور انہی امور میں سے جو اللہ تعالٰی تبدیلی فرماتا ہے یہ بھی ہے کہ تم نماز میں بات نہ کیا کرو۔

(۲) ابی ہریرہ رضہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دو رکعت نماز پڑھ کر واپس ہوئے تو آپ سے ذوالیدین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ذوالیدین سچ کہہ رہا ہے تو لوگوں نے عرض کیا ہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور دو آخری رکعتیں پڑھیں پھر آپ نے سلام کیا پھر تکبیر کہی پھر آپ نے سجدہ کے مثل سجدہ کیا یا کچھ طویل سجدہ کیا پھر سر اٹھایا پھر تکبیر کہی پھر آپ نے سجدہ کے مثل سجدہ کیا یا کچھ طویل پھر سر اٹھایا اور ابی ہریرہ سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ عصر کی نماز تھی۔

(۳) عمران رضہ بن حصین سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی تین رکعتیں پڑھیں پھر کھڑے ہو گئے اور حجرہ میں داخل ہو گئے جس پر خرباق رضہ کھڑے ہو گئے جن کے ہاتھ چوڑے تھے اور انہوں نے آواز دی یا رسول اللہ کیا نماز کم ہو گئی تو آپ غصہ کی حالت میں اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے پھر آپ نے پوچھا تو آپ کو خبر دی گئی پھر آپ نے وہ رکعت ادا کی جو آپ نے چھوڑ دی تھی پھر آپ نے سلام پھیرا پھر دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا۔

امام شافعی رح کہتے ہیں کہ ہم ان سب احادیث کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لازمی ہے کہ کوئی شخص نماز میں عمداً کلام نہ کرے جب کہ اس کو یہ یاد ہو کہ وہ نماز کی حالت میں ہے اور اگر اس نے ایسا کیا تو اس کی نماز باطل ہو گئی اور اس کو دوسری نماز حدیث ابن مسعود رضہ کی بناء پر پڑھنا چاہیئے میرے علم کے مطابق کسی اہل علم نے اس مسئلہ میں مخالفت نہیں کی اور جس شخص نے نماز میں بات کر لی اور اس کا خیال یہ رہا کہ نماز پوری ہو گئی ہے یا وہ بھول گیا کہ وہ نماز میں ہے تو وہ اپنی نماز پوری کرے اور سجدہ سہو کرے کیونکہ ذی الیدین کی حدیث اسی کے مطابق ہے اور جس نے اس حالت میں بات چیت کر لی اور اس کا خیال تھا کہ وہ نماز کے علاوہ دوسری حالت میں ہے غیر نماز میں بات کرنا مباح ہے اور ابن مسعود رضہ کی حدیث ذی الیدین رضہ کی حدیث کی مخالفت نہیں ہے اور ابن مسعود رضہ کی حدیث کلام کے بارہ میں اجمالی ہے اور ذوالیدین کی حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عمداً کلام کرنے اور بھول کے کلام کرنے والے کے بارہ میں فرق کیا ہے

کیونکہ وہ نماز میں ہے یا بات کرنے والا جو یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے نماز کو پورا کر لیا۔

شافعی رح فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے نماز میں کلام کرنے کے بارہ میں ہم سے اختلاف کیا ہے اور اس مسئلہ میں ہمارے مخالف اس قدر دلائل جمع کئے ہیں کہ اس کے سوا بجز مسئلہ یمین کے مع الشاھد کے کسی مسئلہ میں اس قدر دلائل جمع نہیں کئے، چنانچہ میں نے ان کو یہ کہتے سنا ہے کہ ذوالیدین کی حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اس حدیث اور حدیث العجماء جبار سے زیادہ مشہور کوئی حدیث ثابت نہیں۔ لیکن ذوالیدین کی حدیث منسوخ ہے تو میں نے کہا کہ اس کو کس حدیث نے منسوخ کیا ہے تو کہا ابن مسعودؓ کی حدیث نے تو میں نے ان سے کہا کہ جب دو حدیثیں مختلف ہوتی ہیں تو ان میں سے آخری ناسخ ہوتی ہے۔ فرمایا ہاں تو میں نے ان سے کہا کہ آپ کو ابن مسعودؓ کی یہ حدیث یاد نہیں کہ ابن مسعود رضہ مکہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے آپ کو صحن کعبہ میں پایا تھا۔ اور ابن مسعود رضہ نے پہلے ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مکہ کی طرف لوٹے تھے پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے اور بدر میں حاضر تھے تو فرمایا ہاں تو میں نے ان سے کہا کہ جب ابن مسعود رضہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت سے پہلے آئے پھر عمرانؓ ابن حصین روایت کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد کے پچھلے حصہ میں ایک شہتیر کے پاس آئے تو کیا تم یہ نہیں جانتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد میں مکہ سے ہجرت کے بعد نماز پڑھی تو کہا کہ ہاں تو میں نے کہا تو عمران بن حصین کی حدیث تم کو یہ بتاتی ہے کہ ابن مسعود رضہ کی حدیث اور ذوالیدین کے حدیث کی ناسخ نہیں ہے۔ اور ابوہریرہ رضہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی تو فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ ابی ہریرہ رضہ کی صحبت کتنی ہے اس پر میں نے کہا کہ ہم اتنا ہی زمانہ بیان کرتے ہیں جو اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے کافی ہو جو عمران رضہ کی حدیث میں بیان ہوا ہے تاکہ تم کو مشکل نہ پڑے کہ ابوہریرہ رضہ خیبر سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں آئے اور خود ابوہریرہ رضہ کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں تین چار سال رہا (ربیع کو شک ہے)، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں کئی سال رہے سوا ان ایام کے جو مکہ میں ابن مسعودؓ کے آنے کے بعد آپ نے قیام کیا۔ ابوہریرہ رضہ کی صحبت سے پہلے تو کیا یہ جائز ہے کہ ابن مسعود رضہ کی حدیث اس کے بعد کے حدیث

ناسخ ہو تو فرمایا نہیں امام شافعی رح کہتے ہیں کہ پھر میں نے ان سے کہا کہ اگر ابن مسعود رض کی حدیث ابی ہریرہ رض وعمران رض بن حصین کے حدیث کی مخالف ہوتی جیسا کہ تم کہتے ہو اور اس حالت میں عمداً کلام کرنا کہ تم جانتے ہو کہ تم نماز میں ہو بعینہٖ ایسا ہو کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ گویا تم نے نماز پوری کر لی یا تم نماز کو بھول گئے تو ابن مسعود رض کی حدیث منسوخ ہو گی اور نماز میں بات کرنا مباح ہے لیکن نہ وہ ناسخ ہے نہ منسوخ بلکہ اس کی وجہ وہی ہے جو میں نے بیان کر دی اور وہ یہ کہ نماز میں یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ ہم نماز میں ہیں بات کرنا جائز نہیں ہے اور جب اس طرح ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر نسیان اور سہو سے بات کرے اور وہ سمجھتا ہے کہ بات کرنا جائز ہے اس طرح کہ وہ خیال کرے کہ نماز کو اس نے پورا کر لیا ہے یا اس میں بھول گیا تو نماز فاسد نہ ہو گی تو فرمایا اور تم جانتے ہو کہ ذوالیدین بدر میں شہید ہو گئے تو میں نے کہا تم اس کو جیسے چاہو بنا لو لیکن کیا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کا مدینہ میں عمران بن حصین کی حدیث میں ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ نے مدینہ میں نماز پڑھی تھی اور مدینہ میں ابن مسعود رض کی حدیث کے بعد ہے تو فرمایا کیوں نہیں تو میں نے کہا کہ پھر تمہارے لئے کس قسم کی حجت قائم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ بدر کا واقعہ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے کے چھ ماہ بعد ہوا تو فرمایا کہ ذوالیدین جس سے تم روایت کرتے ہو وہی ہیں جو بدر میں شہید ہوئے تو میں نے کہا نہیں عمران ان کا نام خرباق بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ چھوٹے تھے۔ یا بتلاتے ہیں کہ دراز دست تھے اور بدر میں جو شہید ہوئے وہ ذوالشمالین تھے اور اگر دونوں ذوالیدین ہوں تو گویا ایک ایسا نام ہوا جو ممکن ہے کہ رسم کے موافق ہو گیا ہو جیسے کہ بہت سے لوگوں کے اسماء ایک ہو جاتے ہیں تو جو لوگ ان کے مذہب کو اختیار کئے ہوئے ہیں ان میں سے ایک نے کہا تو ہمارے لئے ایک دوسری حجت ہے ہم نے کہا وہ کیا تو کہا کہ معاویہ بن حکم کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے نماز میں بات چیت کی تھی تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں انسان کی کوئی بات ٹھیک نہیں تو میں نے کہا کہ یہ دلیل تو تمہارے فائدہ کی نہیں بلکہ تمہارے نقصان کی ہے اور یہ بالکل ابن مسعود رض کی طرح روایت کرتے ہیں اور وجہ اس میں وہی ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔ تو فرمایا کہ اگر تم کہو کہ یہ اس کے خلاف ہے میں نے کہا تو یہ تمہارے حق میں مفید نہیں ہے اور ہم تم سے اس حدیث کی بناء پر کلام کرتے ہیں اگر معاویہ رض کا معاملہ ذوالیدین سے

پہلے ہو تو وہ منسوخ ہے اور تمہارے قول کے مطابق لازم آتا ہے کہ نماز میں بات کرنا ویسے ہی ٹھیک ہو جیسے غیر نماز میں خواہ اس کے ساتھ ہو یا اس کے بعد جیسا کہ تم بیان کرتے ہو انہوں نے بات کر لی اور ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ کلام کرنا نماز میں حرام نہیں ہے اور وہ یہ نہیں بیان کرتے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز دہرانے کا حکم دیا ہو تو وہ ذوالیدین کی حدیث کے مثل ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس لئے کہ انہوں نے اپنی حدیث میں بیان کیا کہ انہوں نے عمداً کلام کیا البتہ وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایسی حالت میں بات کی کہ ان کو معلوم نہ تھا بات کرنا نماز میں حرام ہے تو فرمایا کہ یہاں حدیث میں وہی ہے جو تم نے بیان کیا تو میں نے کہا کہ اگر جیسا کہ میں نے اس کو بیان کیا ہے ویسا ہی ہے تو تمہارے فائدہ کی نہیں بلکہ تمہارے نقصان کی بات ہے اگر ویسے ہی ہو جیسے کہ ہم نے بیان کیا وہ تمہارے لئے مفید نہیں تو فرمایا کہ پھر تم کیا کہتے ہو؟ تو میں نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ یہ ابن مسعود کی حدیث کے مثل ہے اور ذوالیدین کے حدیث کی مخالف نہیں ہے تو فرمایا کہ جس وقت تم نے ذوالیدین کی حدیث کی تفریع کی تو تم نے مخالفت کی میں نے کہا کیا ہم نے ان کی مخالفت اصل میں کی ہے؟ تو فرمایا نہیں لیکن فرع میں۔ تو میں نے کہا کہ پھر آپ نے تو نص میں ان کی مخالفت کی اور جس نے نص میں مخالفت کی تو آپ کے نزدیک اس کا حال اس سے برا ہے جس کی نظر کمزور ہو اور تفریع میں غلطی کرے انہوں نے فرمایا ہاں اور ہر ایک معذور نہیں ہے تو میں نے ان سے کہا کہ پھر آپ نے تو اصل و فرع دونوں میں ان کی مخالفت کی لیکن ہم نے تو اس کی فرع اور اصل میں ایک حرف کی بھی مخالفت نہیں کی تو اس کے اختلاف کی تم پر ذمہ داری ہے اور تم جو یہ کہتے ہو کہ ہم نے اس میں ان کی مخالفت کی حالانکہ ہم نے ان کی مخالفت نہیں کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں تم سے ایک سوال پوچھتا ہوں تاکہ مجھے علم ہو جائے کہ تم نے اس کی مخالفت کی یا نہیں؟ میں نے کہا پوچھئے تو فرمایا تم اس امام کے بارے میں کیا کہتے ہو جو دو رکعت پڑھ کر نماز ختم کر دے اور جن لوگوں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی ان میں سے کسی نے ان سے کہا کہ تم نے صرف دو رکعت نماز پڑھی اور اس نے دوسروں سے سوال کیا تو دوسروں نے بھی اس کی تصدیق کی تو میں نے کہا کہ جس مقتدی نے امام کو خبر دی اور جنہوں نے گواہی دی کہ اس نے سچ کہا ہے اور وہ اچھی طرح یہ جانتے ہیں کہ امام نے نماز پوری نہیں پڑھی تو انکی نماز فاسد ہے تو فرمایا کہ تم تو روایت کرتے ہو کہ

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی اور تم کہتے ہو کہ جو لوگ آپ کے ساتھ تھے انہوں نے بھی نماز پوری کی اگرچہ تم اس کا ذکر حدیث میں نہیں کرتے میں نے کہا ہاں تو فرمایا کہ پھر تم نے اس کی مخالفت کی میں نے کہا نہیں لیکن ہمارے امام کا حال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حال سے جدا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نماز اور امامت میں ان دونوں کا حال کس طرح جدا ہے؟ تو میں نے ان سے کہا کہ اللہ عزوجل کے فرائض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر یکے بعد دیگرے فرض ہوتے جارہے تھے تو جو چیز آپ پر فرض نہیں ہوتی تھی وہ آپ پر فرض فرماتا جاتا تھا اور بعض فرائض میں تخفیف فرما دیتا تھا انہوں نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے تو میں نے کہا کہ ہم اور تم اور کوئی مسلمان اس میں شک نہیں کرتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جب ہی ختم کی جب کہ آپ نے یہ سمجھ لیا کہ آپ نے نماز پوری کر لی تو فرمایا ہاں تو میں نے کہا جب آپ نے ایسا کیا تو ذوالیدین یہ نہ جان سکے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے کسی حکم کی بناء پر نماز کم ہوگئی یا آپ بھول گئے اور یہ بات ان کے سوال سے ہی ظاہر تھی۔ جب کہ انہوں نے کہا کہ نماز کم ہوگئی یا آپ بھول گئے اور یہ بات ان کے سوال سے ہی ظاہر تھی جب کہ انہوں نے کہا کہ نماز کم ہوگئی یا آپ بھول گئے تو انہوں نے فرمایا ہاں درست ہے تو میں نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ذوالیدین کا کہنا قبول نہیں کیا اسی لئے تو آپ نے ان کے غیر سے سوال کیا فرمایا بے شک اس پر امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا اور شخص سے پوچھا تو اس بات کا احتمال ہے کہ آپ نے اس شخص سے پوچھا ہو جس نے ان کا کلام نہ سنا ہو تو پھر تو اسی کے مثل ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے اس سے سوال کیا ہو جس نے ان کا کلام سنا ہو اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ سنا ہو اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اس کا اعادہ کیا ہو پس جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا اس نے آپ پر اعادہ کیا تو وہ ذوالیدین کے معنی میں ہوگا کہ اس نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی دلیل اپنے قول سے نہیں بتائی اور اس نے نہ جانا کہ نماز کم ہو گئی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھول گئے تو آپ نے اس کو جواب دیا اور اس کا معنی ذوالیدین کے معنے میں ہوں گے کہ ان کا فرض آپ کو جواب دینا تھا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو جب انہوں نے خبر دی تو آپ نے ان کے قول کو قبول کر لیا اور نہ آپ نے بات کی نہ انہوں نے بات کی بلکہ اپنی پہلی نماز پر ہی اس نماز کی بنیاد رکھی، اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال

ہوا تو اللہ تعالےٰ کے فرائض ختم ہو گئے کہ اس میں ہمیشہ کے لئے نہ زیادتی کا امکان رہا نہ کمی کا تو فرمایا
ہاں میں نے کہا یہی ہمارے اور ان کے درمیان فرق ہے تو جو لوگ ان کے پاس اس وقت حاضر تھے
کہنے لگے کہ یہ فرق بین ہے جس کو کوئی عالم رد نہیں کر سکتا فرمایا کہ تمہارے اصحاب میں سے بعض وہ ہیں
جو کہتے ہیں کہ جب آدمی خود نماز کے بارے میں کلام کرے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی تو میں نے کہا
کہ ہم پر اعتراض تو ہمارے ہی قول سے ہوتا ہے نہ کہ ہمارے غیر کے قول سے اور فرمایا اور میں نے
تمہارے اکثر شاگردوں سے گفتگو کی تو کسی نے اس سے استدلال نہیں کیا اور انہوں نے کہا کہ
عمل اسی پر ہے تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے تم کو بتا دیا کہ عمل کے کوئی معنی نہیں اور نہ ہمارے
خلاف تمہارے پاس کوئی دلیل ہمارے غیر کے قول سے ہو سکتی ہے انہوں نے فرمایا ہاں تو میں
نے کہا جس میں تمہارے پاس دلیل نہ ہو اس کو چھوڑ دو اور میں نے ان سے کہا کہ ذوالیدین کے حدیث
کی مخالفت میں تم نے غلطی کی حالانکہ اس کا ثبوت تھا اور تم نے اپنے اوپر ظلم کیا کہ تم نے خیال کیا کہ
ہم اور جو اس بات کے قائل ہیں ان کے نزدیک نماز میں کلام اور جماع اور کھانا حلال ہے حالانکہ ہم
نے اور انہوں نے اس میں سے کسی بات کو جائز نہیں قرار دیا حالانکہ تمہارا یہ خیال ہے کہ نمازی نے
جب نماز پوری کرنے کے پہلے سلام پھیر دیا اور اس کو یہ اچھی طرح یاد ہے کہ اس نے نماز پوری
نہیں کی ہے تو اس کی نماز فاسد ہوگئی کیونکہ تمہارا خیال ہے کہ سلام اس کے غیر محل میں کلام ہے اور
اگر اس نے اس خیال سے سلام پھیر دیا کہ اس نے نماز کو مکمل کر لیا ہے تو پھر اسی نماز کو پوری
کرلے تو اگر تمہارے مخالف اس کے سوا کوئی دلیل نہ ہو تو یہی دلیل تمہارے لئے کافی
ہے اور ہم اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ تم حدیث کے خلاف کرنے کو عیب سمجھتے ہو اور تم
اکثر اس کے خلاف کرتے ہو۔

اور یہ کتاب پوری کی پوری اسی انداز تشریح ونقد کی واضح تصویر قلب کے سامنے پیش
کرتی ہے اور اس زمانہ میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں اس کتاب سے زیادہ کوئی کتاب ہم کو اپنی طرف
عمیق مطالعہ کی دعوت نہیں دیتی۔

اس کتاب کے ساتھ چند اور کتابیں بھی ملحق کر دی گئی ہیں جس میں ایک کتاب وہ بھی ہے جس میں
امام ابوحنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ کے اختلافی مسائل درج ہیں اور اس کی اصل ابو یوسفؒ کی ہے جس کا ہم

کیا ہے

اور کتاب ام میں ذکر کیا ہے کہ اس کا نام "اختلاف علی رض وابن مسعود رض" رکھنا غلط ہے اور اپنی فہرست میں ابن ندیم نے اس کا نام یوں رکھا ہے" وہ مسائل جس میں عراقیوں نے علی رض وعبداللہ رض سے اختلاف کیا ہے" اور یہی ٹھیک ہے۔

اور اسی میں ایک کتاب" اختلاف مالک رح وشافعی رح ہے اور یہ کتاب عمل بالسنت سے ہے اس میں امام مالک رح کے شاگردوں سے مناظرہ ہے کیونکہ انہوں نے حدیث کی تائید کے لئے ائمہ کے عمل کو شرط قرار دیا ہے اور امام شافعی رح کی رائے کی تائید کی ہے کہ جب ثقہ نے ثقہ سے حدیث بیان کر دی حتیٰ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک اس کا سلسلہ پہنچا دیا تو وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو ہم اس وقت تک نہ چھوڑیں گے جب تک کہ ہم کو کوئی حدیث ایسی نہ مل جائے جس سے اس حدیث کا خلاف معلوم ہو اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث آپ سے اس کی مخالفت میں نہ ملے اور اس سے کمتر شخص کسی ایسی حدیث کی روایت کرے جو اس کے موافق ہو تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں کسی قوت کا اضافہ نہیں ہوتا وہ خود بنفسہ مستغنی ہے اور اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کم درجہ کے شخص کی حدیث ایسی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیث کی مخالفت کرتی ہے تو ہم اس کی مخالفت کی طرف توجہ نہیں کریں گے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور جس سے روایت کی گئی کہ اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف عمل کیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے تو میں انشاء اللہ اس کا اتباع کروں گا ــــــ اس کے بعد اس اصل کی مخالف انہوں نے اس کی تفصیل کی ہے کہ امام مالک رح نے اس اصل پر جو مخالفت کی ہے اس پر اعتراض کیا ہے اور ان سے اس بارہ میں بحث کی ہے۔

اور اسی میں سے ایک کتاب "جماع علم " ہے اور اس میں حدیث اور عمل بالحدیث کی تائید کی ہے۔

اور اسی میں کتاب "ابطال الاستحسان" ہے جس میں فقہاء اہل عراق پر ان کے قول " استحسان" کی تردید کی ہے۔

اور اسی میں سے ایک کتاب امام محمد بن حسن پر رد میں ہے اور اس کی اصل وہ کتاب ہے جس میں امام محمد بن حسن نے اہل مدینہ پر رد کیا ہے اور شافعی رح نے ان کی طرف سے جوابات دئے ہیں جس میں شافعی رح نے محمد رح بن حسن پر ان مناظرات میں جو ان دونوں کے درمیان اس کتاب میں درج ہیں یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ وہ ہمیشہ کتاب میں یہ لکھتے ہیں کہ "اہل مدینہ نے ایسا کہا" حالانکہ وہ قول تمام اہل مدینہ کا قول نہیں ہوتا بلکہ وہ امام مالک رح بن انس کا قول ہے اور اکثر اہل مدینہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

ایک کتاب سیر اوزاعی ہے اور اس کی اصل ابو یوسف رح کی وہ کتاب ہے جس میں اوزاعی رح پر انہوں نے اعتراض کیا ہے اور شافعی رح نے اوزاعی رح کی طرف سے جواب دیا ہے اس کتاب کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اور شافعی رح کی کتابوں میں عظیم الشان اور سب سے بڑی تصنیف "اختلاف الحدیث" ہے جس کو شافعی رح نے سنت کی حمایت میں عموماً اور خبر واحد کی حمایت میں خصوصاً لکھا ہے اور اس میں اختلاف حدیث پر بحث کی ہے اور یہ کتاب ان لوگوں کا مرکز ہے جنہوں نے مطلقاً سنت کو رد کیا ہے۔ یا حدیث پر عمل کرنے کے لئے راوی کے ثقہ ہونے کے علاوہ اور شرطیں لگائی ہیں اس کتاب میں امام شافعی رح نے اولاً اس اختلاف پر بحث کی ہے جو ہر مروی فعل کے مباح ہونے کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ وضو کیا اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے دو دو مرتبہ وضو کیا اور یہ بھی مروی ہے۔ کہ آپ نے تین تین بار وضو کیا ایسی حدیثیں بکثرت مروی ہیں پھر ان احادیث کا ذکر کیا جو ایک دوسری کی ناسخ ہیں اور وہ احادیث ذکر کی ہیں جو ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں اور بہت سی باتیں جو شریعت کے قواعد بنانے میں سنت کے معاملہ میں زیادہ مفید ہیں یہ کتاب بیش بہا مناظرات پر بھی مشتمل ہے جو انہوں نے اپنے مخالفین خصوصاً امام محمد بن حسن رح کے ساتھ جو مناظرے کئے ہیں وہ اس میں درج ہیں۔ ان کی ایک کتاب مسند ہے جس میں وہ احادیث درج ہیں جو "کتاب الام" کا ماخذ ہیں۔

اور حرملہ بن یحییٰ کی بھی ایک کتاب فقہ میں ہے جس کو امام شافعی رح نے لکھوایا ہے اور البویطی کی

ایک کتاب مختصر کبیر اور مختصر صغیر اور کتاب الفرائض ہے اور مزنی کے بھی دو مختصر ہیں ایک تو مختصر کبیر جو متروک ہے دوسری مختصر صغیر جس پر شافعی رح کے شاگردوں کا اعتماد ہے اور اسی کو پڑھا کرتے تھے اور اسی کی شرح کیا کرتے تھے اس کی مختلف روایات ہیں۔

اور انہی کی دو جامع ہیں ایک جامع کبیر دوسری جامع صغیر اور اس کے علاوہ اور کتب بھی ہیں۔

اور شافعی رح کے شاگردوں کے مقلدین میں جن لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں ان میں ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد مروزی شاگرد مزنی رح ہیں جنہوں نے مختصر مزنی کی دو شرحیں لکھی ہیں اور ان کی ایک کتاب فصول فی معرفۃ الاصول ہے اور کتاب الشروط والوثائق ہے اور کتاب وصایا وحساب الدور اور کتاب خصوص وعموم بھی ان کی تصانیف ہیں۔

اور ابن سریج نے ایک کتاب امام محمد بن حسن اور عیسی بن ابان کی رد میں لکھی ہے اور ان کی ایک کتاب التقریب بین المزنی والشافعی ہے اور ایک کتاب فقہ میں مختصر بھی ہے۔

اور ابی بکر محمد بن عبداللہ صیرفی (المتوفی ۳۳۰ھ) کی ایک کتاب البیان فی دلائل الاعلام علی اصول الاحکام ہے اور رسالہ شافعی کی شرح اور کتاب الفرائض ہے۔

اور جن شافعی رح حضرات نے اس اور اور میں کتابیں لکھی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں مگر ہم انکی کتابوں پر زیادہ واقفیت حاصل نہیں کر سکے۔

اور دوسرے مذاہب کی کتب کا ذکر ہم نے ان کے ائمہ کے اور ان کے قابل ذکر لوگوں کے ذکر کے ساتھ کر دیا ہے کیونکہ ہم نے اس میں سے کوئی کتاب نہیں دیکھی ہے۔

پانچواں دور

چوتھی صدی کی ابتدا سے سلطنت عباسیہ کے زوال تک!

یہ زمانہ خاص خاص مذاہب کی پابندی اور ان کی تائید اور مناظرہ وجدال کی اشاعت کا زمانہ ہے

سیاسی پس منظر

اس دور میں اسلامی سلطنتوں کے سیاسی تعلقات منقطع ہو گئے چنانچہ اگر تم مغرب سے اس کی ابتدا کرو تو اندلس میں بنی امیہ کو پاؤ گے جن کا پیشوا عبدالرحمٰن ناصر ہے جس نے دولت عباسیہ کی کمزوری کو دیکھ کر امیر المومنین کا لقب اختیار کر لیا، اور شمالی افریقیہ میں شیعہ اسماعیلیہ کو پاؤ گے کہ جنہوں نے ایک سلطنت کی بنا عبید اللہ مہدی فاطمی کے نام سے رکھ دی جو امیر المومنین کہلاتے ہیں اور جنہوں نے اپنا دارالخلافہ تونس کے قریب شہر "مہدیہ" کو بنایا اور مصر میں محمد اخشید کو پاؤ گے جو بنی عباس کے لئے دعوت دے رہا ہے اور موصل وحلب میں بنی حمدان کو پاؤ گے کہ وہ بھی اسی طرح بنی عباس کی دعوت دے رہے ہیں اور یمن میں شیعہ زیدیہ کو پاؤ گے جنہوں نے وہاں مضبوطی کے ساتھ قدم جمائے ہیں اور بغداد میں دولت دیلم پاؤ گے جو دولت بویہ کے نام سے مشہور تھی جو عملاً صاحب اختیار تو خود ہے لیکن بنی عباس کا صرف نام ہی نام ہے اور مشرق میں دولت سامانیہ کو پاؤ گے جو ایک عظیم الشان سلطنت تھی جس کا دارالخلافہ ماوراء النہر میں بخارا تھا اس طرح تمام عالم اسلامی کے جوڑ کٹے ہوئے ایک دوسرے سے الگ تھلگ تھے جن کی کوئی سیاسی شیرازہ بندی نہ تھی متغلبین میں سے ہر ایک فریق دوسرے کا دشمن تھا اور اس کے لئے مکروفریب سے کام لیتا تھا سب سے بڑے مکروفریب اور داؤ پیچ بغداد میں مغلوب بنی عباس کے اور فاطمین کے ساتھ ہوتے تھے جن کا مرکز شام اور مصر پر ان

کے قبضہ سے قوی ہوگیا تھا یہ لوگ تو اپنے مبلغین اطراف عالم اسلامی میں اپنی دعوت کے پھیلانے کے لئے نہایت مستعدی سے بھیجا کرتے تھے اور بنو العباس اپنی مجلسوں میں فاطمین کے نسب پر طعن کرتے اور شجرہ فاطمہ زہرا سے ان کو خارج کرنے کے لئے محضر نامے لکھوایا کرتے تھے جس پر اشراف اور علماء کے طوعاً و کرہاً دستخط کرایا کرتے تھے اور بنو بویہ صاحب اقتدار تھے اور اگرچہ شیعہ تھے لیکن انہوں نے بنی عباس کو باقی رکھا تاکہ ان کا اقتدار سلامتی سے باقی رہے کیونکہ اگر وہ خلافت کو علویین کی طرف منتقل کرتے ان کا اقتدار ختم ہوجاتا اس لئے کہ عقیدہ کے لحاظ سے ان کو علویین کے ماتحت رہنا پڑتا اور طرح سیاست عقیدہ پر غالب آگئی اور تھوڑا بھی زمانہ نہ گزرا تھا کہ مشرق سے آل سلجوق حرکت میں آئے جو اس بات کی نشانی تھی کہ اب حکومت ترکی عنصر کی طرف منتقل ہورہی ہے چنانچہ سلجوقیوں کے سامنے جس قدر متغلبین آئے انہوں نے ان کو پامال کردیا اور تمام مشرق پر قابض ہوگئے اور بغداد سے بنی بویہ کی حکومت ختم کردی اور ان کے قائم مقام ہوکر بنی عباس کو انہوں نے بھی قائم رکھا کیونکہ تشیع میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا پھر ان کا تسلط بغداد کے مغربی حصہ پر بھی ہوگیا پھر وہ جزیرہ اور وسط ایشیا پر قابض ہوگئے پھر انہوں نے فاطمیین سے ملک شام لے لیا اور تمام اسلامی ممالک میں علاوہ مصر کے اور اس کے عقب میں بلاد مغرب کے ان کا کلمہ بلند ہوگیا اور جب ان میں بھی اختلاف پھیلنے لگا تو وہ بھی آپس میں لڑنے لگے اور اختلاف ہی ان قدیم امراض میں سے ہے جو اجسام بیوت مالکہ کو لگا کرتا ہے اور مصریوں کے ساتھ بلاد شام میں یہی جنگ اور ضعف ان میں صلیبی ہوا پھیلنے کا سبب بنا کہ وہ پانچویں صدی کے آخر میں اٹھے اور بیت المقدس پر غالب ہوگئے اور وہ وہیں تک نہیں ٹھہرے رہے جیسا کہ ان جنگوں کی تاریخ میں مشہور ہے۔

بہر حال سلجوقیوں کی جماعت کے منتشر ہوتے ہی ان کے بعد دوسری ترکی حکومت قائم ہوگئی جو دولت اتابکیہ کے نام سے مشہور ہے اور وہ ان خاندانوں سے تھی جو سلجوقیوں کی طرف منسوب ہیں کیونکہ اس کے رؤساء سلجوقیوں کے محافظ اور ان کے لڑکوں کے مربی تھے اسی لئے ان کو اتابک کہا جاتا تھا۔ اور حکومت اتابکیہ مشرق و مغرب میں پھیل گئی اور انہی کی نسلوں میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر جس کا نام محمود نور الدین تھا دولت مصریہ فاطمیہ کا خاتمہ ہوا اور مصر پہ

دوبارہ دعوت عباسیہ غالب آگئی اور اس کے بعد ہی دولت صلاح الدین یوسف بن ایوب قائم ہو گئی جو محمود نورالدین کا سپہ سالار تھا۔

لیکن اقصیٰ مشرق میں چھٹی صدی کے آخر میں خوارزم شاہ کی حکومت قائم ہوئی اور اس قدر باعظمت ہوگئی کہ بغداد کے قریب تک پہنچ گئی۔ تھوڑے ہی زمانہ کے بعد یہ عظیم الشان دیوار بھی ٹوٹ گئی اور مغلوں کا بے پناہ سیلاب امنڈ آیا ان کا سالار اور وحدت تاتار کا بانی چنگیز خاں تھا اس تاتاری سیلاب نے ساتویں صدی کے شروع میں ہر اس طاقت کو جو ان کی راہ میں حائل ہوئی ختم کر دیا چنگیز خاں کو اس کی پوری پوری امیدیں لگی ہوئی تھیں کہ آخر کار پوری دنیا اس کے اور اس کی اولاد کے زیر نگیں آجائے گی اس لئے اس نے پوری دنیا کو چار حصوں میں اپنے چاروں لڑکوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔

لہٰذا اس نے اپنے ایک بیٹے شجطاتی کو مغربی حصہ دریا تک دے دیا اور دوسرے بیٹے تولی کو مشرقی حصہ چین تک دے دیا اور شمال اپنے تیسرے بیٹے جوجی کو دے دیا اور اپنی اصلی سلطنت اپنے بیٹے اوجطائی کو دے دی۔

اور اس طرح اس نے یہ حساب لگایا کہ اس کے بیٹے اقصیٰ مشرق میں سواحل چین سے اور اقصیٰ مغرب میں بحر روم کے سواحل تک مالک بن جائیں گے۔

اس پر زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا کہ ہلاکو خاں چنگیز خاں کا پوتا بغداد میں اس کی فوج کا سپہ اسلامی منبروں پر لیا جاتا تھا۔ قتل کیا اور تمام ہلاکت وخرابی کے بعد بغداد ایک ایسی حکومت کا دارالسلطنت بن گیا جس کا کوئی آسمانی مذہب نہیں تھا جس کے قوانین خود اس کے دادا چنگیز خاں کے وضع کئے ہوئے تھے جو "کاسہ" کے نام سے مشہور تھے اور یہ تاریخ اسلامی قدیم تاریخ اور تاریخ اوسط کے درمیان حد فاصل سمجھی جاتی ہے اور اس زمانہ میں مصر میں دولت ایوبیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا اور انکی جگہ صالح نجم الدین کی مدد سے ترکی نسل کے غلاموں نے لیلی تھی۔

چنانچہ ان کے چوتھے بادشاہ ملک ظاہر بیبرس بند قداری نے عباسیوں کی نسل میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کرلی جو اس کے زمانہ میں مصر سے آیا تھا اور اس نے اس کو عباسی خلیفہ تسلیم کیا اور اس خلیفہ نے اس کو مصر کا اور اس کے ملحقات کا بادشاہ قرار دیا اور اسی وقت سے

قاہرہ نے بغداد کی جگہ لے لی جس میں ایک برائے نام عباسی خلیفہ تھا اور ایک سلطان صاحب حکم تھا جیسا کہ بنی بویہ وآل سلجوق کے زمانہ میں بغداد کا حال تھا۔

اس زمانہ میں اسلامی سیاسی صورتِ حال کا یہ ایک مختصر ساڈھانچہ تھا۔ لیکن علمی حالت ان انقلابات میں سیاسی حالات کے تابع نہ رہے بلکہ وہ ترقی کرتے رہے خصوصاً مشرق میں سلجوقیوں کے زمانے میں اور مصر میں فاطمی حکومت کے زمانے میں کہ اس میں بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے اور عظیم الشان مفکر بیدار ہوئے اور شریعت اسلامی میں ان کے وہ کارنامے ہیں جن کو ہم آئندہ امتیازات کے سلسلہ میں تفصیل وار بتائیں گے۔ البتہ اس کا اعتراف ضروری ہے کہ شریعت میں استقلال کی رُوح سیاسی ضعف کی وجہ سے کمزور ہوتی گئی۔ اور وہ روح عالیہ جو امام ابی حنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ داؤد ابن علیؒ ومحمد بن جریر طبریؒ اور ان کے ساتھیوں میں کام کر رہی تھی۔ اس میں سے بجز معمولی اثرات کے کچھ باقی نہ رہا وہ روح جو ابی حنیفہؒ میں کام کر رہی تھی اور انہوں نے اپنے اسلاف کے متعلق یہ کہنا سکھایا تھا کہ وہ بھی آدمی تھے ہم بھی آدمی ہیں اور وہ روح جو مالکؒ میں کام کر رہی تھی جنہوں نے کہا کہ بجز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کوئی ذات ایسی نہیں کہ جس کے قول کو ہم قبول کریں یا رد کریں اور ان کے غیروں میں بھی جو روح کام کر رہی تھی جس کی بناء پر وہ اسی قسم کے اقوال کہتے تھے اسکی جگہ وہ روح آگئی جس کو ہم روح تقلید کا نام دیتے ہیں۔

ا۔ روح تقلید

تقلید سے ہماری مراد کسی معین امام کے احکام کو لینا اور اس کے اقوال کا ایسا اعتبار کرنا گویا کہ وہ شارع کے نصوص ہیں جس کا اتباع مقلد کے لئے لازمی ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ گذشتہ ہر دور میں مجتہد اور مقلد موجود تھے۔ مجتہد وہی فقہاء ہوتے تھے جو کتاب وسنت کو پڑھتے تھے اور ان کو اتنی قدرت ہوتی تھی کہ ظاہری نصوص یا اس کے مفہوم سے احکام کا استنباط کر لیتے اور مقلد وہ عام لوگ ہوتے جو کتاب اور سنت کی تعلیم میں ایسے مشغول نہ ہوتے جس سے وہ استنباط کے اہل ہو سکیں اسی لئے ان لوگوں کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو اپنے شہر کے فقہاء میں سے کسی ایک فقیہ کے پاس جانے پر مجبور ہوتے

جو ان کے پوچھنے پر فتویٰ دیتا لیکن اس زمانہ میں روح تقلید عام طور پر جاری ہوگئی اور اس میں جمہور کے علاوہ علماء بھی شریک ہوگئے۔ حالانکہ پہلے ایسا نہ تھا بلکہ جو فقہ کی معلومات حاصل کرنا چاہتا قرون بعید اور احادیث کی روایات پڑھنے کی کوشش کرتا جو استنباط کی بنیاد ہیں لیکن اس زمانہ میں معین امام کی کتابیں پڑھنے لگے اور اس کا وہ طریقہ معلوم کرنے لگے جس کے ذریعہ اس نے مذعومہ احکام کا استنباط کیا تھا۔ جب وہ اس کام سے فارغ ہو لیتا تو وہ علماء فقہاء سے ہو جاتا تھا اور ان میں سے بعض جوان ہمت لوگ اپنے امام کے احکام کی کتابیں بھی مرتب کرتے یا تو کتاب کا اختصار کرتے جو اس کے پہلے کسی نے لکھ دی یا اس کی شرح یا جو متفرق کتابوں میں ہے اس کا مجموعہ اور ان میں سے کوئی بھی اپنے کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ان مسائل میں سے کسی مسئلہ میں کوئی ایسا قول کہہ دے جو اس فتوے کے مخالف ہو اس کے امام نے دیا ہو گویا کہ حق اسی کے امام کی زبان اور دل پر اترا ہے یہاں تک کہ اس زمانے میں فقہاء حنفیہ کے سرگروہ اور بلا اختلاف ان کا امام یعنی ابو الحسن عبید اللہ الکرخی انہوں نے کہا کہ ہر وہ آیت جس کی ہمارے اصحاب مخالفت کرتے ہیں یا تو تاویل شدہ ہے یا منسوخ اور اس طرح سے انہوں نے اپنے سامنے اختیار کے دروازے بند کر دیے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس دور کے فقہاء میں جلیل القدر ائمہ بھی تھے جن میں سے بعض کا ذکر عنقریب آئے گا جن کے متعلق ہم یہ گمان نہیں کر سکتے کہ وہ اصول فقہ کے جاننے اور طریقہائے استنباط کے معلوم کرنے میں اپنے اسلاف سے کم تھے لیکن ان کے پاس وہ آزادی نہ تھی جس سے ان کے اسلاف نے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ امام شافعی رح کو یہ آزادی تھی کہ جو رائے وہ آج کہہ سکتے تھے تو کل اگر اس کے خلاف ان کو کوئی دلیل مل گئی تو اس کے بدلنے میں ان کو کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی طرح ان کے دیگر بھائی ائمہ اور اسی طرح ان کے اسلاف صحابہ و تابعین کا بھی یہی حال تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رض بن خطاب نے ایک سال یہ فیصلہ کیا کہ حقیقی بھائی اخیافی بھائی اور ماں اور شوہر کی موجودگی میں وراثت سے محروم ہیں تو دوسرے سال تمام بھائیوں کو ثلث مال میں شریک کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہی فیصلہ ہم نے کیا تھا جو پہلے حالات کے لحاظ سے صحیح تھا اور اب جو فیصلہ کر رہے ہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے صحیح ہے لیکن اس دور کے علماء نے ایک معین مذہب اختیار کر لیا ہے کہ وہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتا اور اس کو جو کچھ قدرت حاصل

ہے وہ اس مذہب کی مدد میں اجمالاً و تفصیلاً صرف کر رہا ہے ۔ باوجودیکہ وہی نونہالوں کے دل میں کسی امام کے متعلق اپنے اجتہاد میں معصوم ہونے کے ثبوت کا خیال بھی نہیں گذرا بلکہ خود یہ ائمہ ان سے خطا کے سرزد ہونے کا اعتراف کرتے تھے اور اس امر کو جائز سمجھتے تھے کہ ممکن ہے کوئی حدیث ایسی ہو جس پر وہ اطلاع نہ پا سکے ہوں حتیٰ کہ اکثر ائمہ سے یہ قول منقول ہے کہ جب حدیث صحیح مل جائے تو اس کو ہمارا مذہب سمجھو اور ہمارے قول کو دیوار پر مار دو لیکن اس کے باوجود کرخی کا یہ قول ہے کہ ہر وہ حدیث جس کی ہمارے اصحاب مخالفت کرتے ہیں یا تو تاویل شدہ ہے یا منسوخ اور میں نے ابن سبکی کے حالات میں دیکھا ہے جو ابی محمد عبد اللہ بن یوسف جوینی والد امام حرمین نے لکھا ہے کہ انہوں نے ایک کتاب شروع کی جس کا نام محیط تھا جس میں انہوں نے یہ عزم کیا تھا کہ کسی خاص مذہب سے بنو مقید نہ رکھیں گے ۔ صرف احادیث کے پابند ہوں گے اور اس سے تجاوز نہ کریں گے اور مذاہب میں سے کسی کی حمایت یا جانب داری اختیار نہ کریں گے اس کے تین اجزا حافظ ابوبکر بیہقی کو مل گئے تو اس پر انہوں نے تنقید کی اور چند اوہام حدیث پیش کر کے بتایا کہ حدیث پر عمل کرنے والے شافعی رہ ہیں اور یہ کہ جن احادیث کو شیخ ابو محمد نے پیش کیا ہے اس کو انہوں نے ان علل کی بنا پر چھوڑا ہے جس کو وہی شخص جان سکتا ہے جو محدثین کے فن سے اچھی طرح واقف ہو جب یہ رسالہ شیخ ابو محمد کو ملا تو فرمایا کہ یہ علم کی برکت ہے اور بیہقی کے لئے دعا کی اور تصنیف کو مکمل کرنے کا خیال ترک کر دیا پھر ابن سبکی نے بیہقی کے رسالہ کو پورا نقل کیا ہے امام شافعی رہ اس اعتراض پر توجہ کرتے تو اپنے لئے اجتہاد نہ کرتے کیونکہ وہ احادیث کی صحت میں ان رجال حدیث پر اعتماد کرتے تھے جو صرف اسی کے لئے مخصوص ہو گئے تھے جو اس کے صحیح اور سقیم میں فرق کر سکتے تھے اور جوینی نے جس کتاب کو شروع کیا تھا اس کے چھوڑنے کا سبب وہ نہیں ہو سکتا۔ جس کو بیہقی نے بیان کیا ہے جب کہ ان کو استنباط پر قدرت تھی اور ان کا نفس استقلال پر مطمئن ہو، لہٰذا اس روح تقلید کے سرایت کرنے کے لئے کچھ اسباب ہونے چاہئیں جن میں سے ہم جس قدر معلوم کر سکے اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں ۔

(پہلا سبب) شاگردان رشید مین، کسی عالم کی روح جمہور کے دلوں میں سرایت کرنے کا سبب اس سے زیادہ قوی نہیں ہو سکتا کہ اس کے شاگرد قوی ہوں اور اس کے طریقہ سے متاثر ہو چکے ہوں

اور جمہور کے نزدیک ان کی قدر و منزلت امام کے طریقہ سے متاثر ہونے کی اس طرح پر ہو
کہ ان کو تعجب کی حد تک پہنچا دے اس کے احکام کی تدوین کرتے ہوں اور اس کی طرف سے مدافعت
کرتے ہوں اور جمہور کے پاس ان کا درجہ ایسا ہو کہ ان سے احکام کے قبول کرنے اور ان کے فتاوی
پر عمل کرنے کی دعوت دے کیونکہ جمہور اس بات کے لئے مجبور ہیں کہ ان کے ایسے ائمہ ہوں
جن پر وہ اعتماد کر سکیں اور وہ ان سے احکام شریعت حاصل کر سکیں اور ان مشہور ائمہ کو جن کے
مذاہب باقی ہیں ان کو یہ موقع مل گیا کہ ان کے شاگرد اونچے درجہ کے ہوئے اور واضح حجت والے
تھے اور قوم وملت اور بادشاہوں کی نظروں میں وہ اعلیٰ مراتب رکھتے تھے انہوں نے اپنے ائمہ
سے جن احکام کو حاصل کیا ان کو مدون کیا اور ان سے ان کے شاگردوں کی کثیر تعداد نے حاصل کیا۔
جس کو انہوں نے ان لوگوں میں پھیلا دیا جو ان سے فتویٰ طلب کرنے والوں میں ثقہ تھے اور ان
ائمہ کے شاگردوں پر بادشاہوں کے اعتبار نے ان کو قضاء کا متولی بنا دیا کہ قضاۃ کے لئے ان کو
مشورہ دیتے تھے اور وہ بجز ان کے جن پر ان کو اعتبار تھا اور کسی کے متعلق رائے نہ دیتے تھے اور
سب سے زیادہ قابل بھروسہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو تم سے متاثر ہو اور اس کی رائے تمہاری رائے
کے موافق ہو، اس لئے یہ معاملہ بڑا موثر رہا مذہب کی بنیاد مضبوط کرنے کے لئے جس مذہب کو
اس قسم کے شاگرد ملے انہوں نے اس مذہب کی بنیاد مضبوط کر دی اور ان ائمہ کے ذریعہ جمہور
کے قلوب میں اعتبار راسخ ہو گیا تو پھر اس کے بعد یہ مشکل ہو گیا کہ کوئی شخص نیا مذہب قائم کرے
جو لوگوں کو اپنے اتباع کی دعوت دے کیونکہ وہ اس کو جماعت سے خارج سمجھتے تھے اور
جب حسد پیدا ہوتا تو اس کے حریف اس کے ساتھ کس کس قسم کے حیلے اور چالیں اختیار کرتے
تھے جو قابل بیان تھے اور یہ ایک قابل افسوس بات اور یہ ایسا سبب ہے کہ جس کی آگ کسی
زمانہ میں نہیں بجھی اسی لئے ہم کوئی فقیہ جس نے اجتہاد کا درجہ حاصل کیا ہو نظر نہیں آتا جو اس
لباس میں ظاہر نہ ہوا بلکہ انتہا درجہ پر وہ کسی ایک مذہب کا مجتہد ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ اس
کے پاس جو مسائل آئیں اور اس میں اس کے امام کا حکم موجود نہ ہو تو وہ اس میں فتویٰ دے
یا کسی مسئلہ میں اپنے امام کی دو رایوں میں سے کسی ایک رائے کو ترجیح دے اور اس دور میں اس
قسم کے لوگ بہت تھے۔

(دوسرا سبب) قضاۃ سب سے خلفاء اپنے قاضی گزشتہ زمانہ میں ان لوگوں کو بنایا کرتے تھے جن میں قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم نظر آتا تھا اور ان سے احکام کے استنباط کی ان میں قدرت سمجھتے تھے اور ان سے یہ عہد لے لیتے کہ جس معاملہ میں نص موجود ہو سب سے پہلے اس پر عمل کریں گے یا اس رائے پر جو ان نصوص سے قریب ہو عمل کریں چنانچہ عمرؓ نے اپنے قاضی ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا کہ۔

"قضا نام ہے محکم فرض کا یا سنت متبعہ کا اس لیے جو کتاب وسنت میں نہیں ہے جب اس کے متعلق تمہارے دل میں تردد ہو تو اس نظائر وامثال سے پہچانو اور قیاس سے کام لو اور ان میں سے جو اقرب الی اللہ ہو اور حق سے مشابہ ہو اس کو اختیار کرو"

اور قاضی کو اگر کسی معاملہ میں کوئی ٹھیک بات نہ معلوم ہوتی تو ان کے شہر میں جو مفتی ہوتے ان سے مشورہ کرتے اور بسا اوقات اپنے خلفاء بعض مسائل میں ان کی رائے لیتے اور جمہور کا کا اعتماد ان قضاۃ پر بہت تھا لیکن امتداد زمانہ کے باعث حالت اجتماعیہ میں تغیر پیدا ہو گیا تو ایسے قضاۃ بھی پائے گئے جن پر یہ اعتماد باقی نہ رہا یا ان کے شہر میں ایسے علماء پیدا ہو گئے جن میں فتویٰ طلب کرنے والوں کو اپنے قاضیوں میں جو غلطیاں نظر آتی تھیں جس کی وجہ سے ان کا اعتماد ضعیف ہو گیا ابن ابی لیلیٰ قاضی کو فہ کو ان کے شہر کے فقہاء سے اس قسم کے واقعات پیش آئے اور جب قاضی کے ساتھ جمہور کا اعتماد کم ہو گیا تو ان کے دل میں اس بات کی رغبت پیدا ہونے لگی کہ وہ اپنے فیصلہ میں احکام معروفہ کا پابند رہے تاکہ اس کو نوادر پر عمل کرنا آسان نہ رہے کہ کبھی اپنے مقصد کے موافق کسی مفتی کی رائے پر عمل کرے اور کبھی کسی دوسرے مفتی کی رائے پر عمل کرے جو اس کا مخالف ہو اور اس کے ساتھ ہی مجتہدین کی پیروی کرنے والوں نے اپنے امام سے جو احکام حاصل کئے تھے اور اس کو مدون کر دیا اور اسلامی شہروں میں سے ہر شہر میں شاگردوں کی متعدی نے اس کی خوب اشاعت کی لہذا لوگ اس بات کی طرف مائل ہونے لگے کہ ان کا قاضی مشہور مذہب کا ہو کہ وہ اپنی قضاءت میں اس کا اتباع کرے اور اس سے تجاوز نہ کرے اور یہ کہ وہ مذہب مدون ہو اور معروف ہو اور اس طریقہ سے ان مذاہب کا خاتمہ ہو گیا جس کے پیروؤں نے

اس کی تدوین و تہذیب کی طرف توجہ نہیں کی تاکہ اس کا اختیار کرنا آسان ہو سکے اور جب ان مذاہب میں سے کسی مذہب کی کسی حاکم یا بادشاہ نے تقلید کی اور قضاۃ اور عہدۂ قضاء اس مذہب کے ماننے والے پر محدود کر دیا تو اس کے پھیلنے کا یہ بھی ایک سبب عظیم بن گیا اور اسی سبب سے اس مذہب کے علماء زیادہ پیدا ہوئے جیسے کہ امام شافعی رح کے مذہب کے لئے بلاد مشرق میں محمود بن سبکتگین اور نظام الملک اور مصر میں صلاح الدین یوسف بن ایوب کی حمایت حاصل ہوئی اور جیسے امام ابو حنیفہ رح کے مذہب کے لئے ترکی عنصر کی مدد شامل حال ہوئی کہ ان میں کوئی علاوہ حنفی مذہب کے کوئی مذہب قبول نہ کرتا تھا اور جب کوئی سردار یا صاحب اقتدار شخص کسی مدرسہ کو قائم کرتا تھا یا کئی مدارس قائم کرتا اور ان میں کسی مذہب کی یا معینہ مذاہب کی تدریس کو محدود کر دیتا تو یہ اس کا بڑا مددگار ہوتا۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنے رسالہ "انصاف فی بیان سبب الاختلاف" میں بیقنی کے شاگرد ابوزرعہ کا قصہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے اپنے استاد امام بیقنی سے پوچھا کہ شیخ تقی الدین سبکی اجتہاد کے درجہ سے کیوں رہ گئے حالانکہ انہوں نے اپنی استعداد مکمل کر لی تھی اور وہ کیوں تقلید کرتے ہیں؟ (وہ کہتے ہیں کہ میں نے خود شیخ بیقنی کا نام نہیں لیا کیونکہ میں اس سے جو اس کا نتیجہ نکلنے والا تھا اس کی وجہ سے مجھے شرم آتی تھی) وہ خاموش رہ گئے تو میں نے ان سے کہا کہ میرے نزدیک ان کے رکنے کا سبب بجز ان وظائف کے کچھ نہ تھا جو فقہاء اربعہ کو ملا کرتے تھے اور یہ کہ جو اس دائرہ سے نکل گیا اور اجتہاد کیا اس کو کچھ نہ ملتا۔ اور وہ ولایت قضاء سے بھی محروم ہو جاتا اور لوگ ان سے فتویٰ پوچھنے بھی نہ آتے اور ان کی طرف بدعت کی نسبت کر دی جاتی تو وہ مسکرانے لگے اور مجھ سے اس بات پر اتفاق کیا۔ لیکن باوجودیکہ بیقنی نے اس بات سے اتفاق کر لیا جو ابوزرعہ نے ظاہر کیا مصنف "انصاف" نے اس کی موافقت نہیں کی کیونکہ وہ اس بات کو بعید سمجھتے تھے جس کا ابوزرعہ نے ذکر کیا کہ ان بزرگوں نے اجتہاد کو چھوڑ دیا تھا اور شرح مہذب میں سیوطی کی عبارت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اجتہاد مطلق اگر کوئی ایسا مجتہد کرے جو کسی امام کی طرف منسوب ہو تو یہ اس انتساب کے منافی نہیں ہے جو کسی امام کی طرف ہو جس کی اس کی طرف نسبت ہو جیسا کہ ابی اسحاق شیرازی اور ابن صباغ اور امام حرمین دغزالی کا تھا اور امام کی

طرف نسبت کے یہ معنی ہیں کہ وہ اجتہاد میں اس کے طریقہ پر چلتا ہے اور دلائل کا استقرآ اور بعض کی ترتیب بعض پر اسی کے موافق کرتا ہے اور اس کا اجتہاد پڑ جاتا ہے اور کبھی وہ اختلاف کر جاتا ہے تو وہ اختلاف کی پروانہیں کرتا اور اس کے طریقے سے بجز چند مسائل کے نہیں نکلتا اور یہ اس کے مذہب شافعی رح میں داخل ہونے سے مانع نہیں ہے۔

اور یہ بات جس کو شاہ ولی اللہ رح نے نقل کیا ہے وہ ابوزرعہ کے بیان کی صحت کے منافی نہیں ہے اگرچہ کہ ہم اس کو عموماً قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتے کہ یہی بات تمام فقہاء کو تقلید پر آمادہ کر رہی ہے۔

(تیسرا سبب) تدوین مذاہب ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے تو جس مذہب کو مدونین قابل اعتبار مل گئے تھے وہ تو کامیاب ہوگیا اور جمہور نے اس کو قبول کر لیا دیکھو شافعی رح کا قول کہ لیث رح مالک رح سے زیادہ فقیہ تھے مگر ان کے شاگرد ان کے مذہب کو قائم نہ رکھ سکے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ان کی آراء کو مدون کرنے اور اس کو جمہور میں پھیلانے کی طرف توجہ نہیں کی جیسے کہ وہ خود مالک رح کے آراء کی تدوین کے لئے کھڑے ہوئے، لیث بن سعد کو فقہ میں کمال حاصل تھا لیکن ان کو اعلیٰ مرتبہ کے شاگرد میسر نہ ہونے کی وجہ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا اسی لئے ان کا نام بحیثیت مفتی مجتہد کے مٹ گیا اگرچہ محدثین کی زبانوں پر ان کا نام اس حیثیت سے باقی رہا کہ وہ ایک قابل اعتماد اور ثقہ راوی ہیں، لیث رح کے مثل بہت سے ائمہ صحابہ وتابعین ہیں جن کی رائیں اور ان کے استنباط ان کے بعد کے آنے والوں کے لئے مشعل ہدایت تھے جن کا ہم اس سے قبل تذکرہ کر چکے ہیں۔

اس زمانہ میں علماء کی نسبت ان کے ائمہ کی طرف صرف تقلید محض تک نہ تھی بلکہ ان کے بہت سے ایسے اعمال بھی تھے جو ان کے درجہ کو بلند کرتے اور ان کی شان اونچی ہوتی جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) ان کے ائمہ نے جن احکام کا استنباط کیا تھا ان کی علتوں کے ظاہر کرنے کے لئے ان کا کھڑا ہونا اور یہی وہ علماء ہیں جن کو علماء تخریج کہا جاتا ہے اور تخریج مناط کا مطلب یہ ہے کہ حکم کی علت سے بحث کی جائے اور علماء حنفیہ کا بکثرت اس میں شغل رہا کیونکہ بہت سے احکام جس

کو انہوں نے اپنے ائمہ سے روایت کیا ہے ان کی علتیں بیان نہیں کی گئی تھیں تو انہوں نے ان اصول کے بیان کرنے میں اجتہاد کیا جس پر ان کے ائمہ نے استنباط کی بنیاد رکھی اور ان علتوں کی تخریج میں علماء مختلف ہیں، اور علت کے بیان کرنے کی وجہ سے وہ ان چیزوں کے متعلق بھی فتویٰ دیتے ہیں جن کے متعلق ان کے امام کی کوئی تصریح نہیں ہے جب کہ وہ اس علت کو پہچان لیں جس پر اس نے حکم لگایا ہو اور انہی اصول کا نام انہوں نے اصول فقہ رکھا ہے جو ان کی اجتہاد ہے کہ یہ ان کے ائمہ کے اصول ہیں جس پر ان کے استنباط کی بنیاد ہے، اور اسی بات کو میں نے اپنی کتاب موسومہ اصول فقہ میں صراحت کی ہے اس کے بعد پھر میں نے شاہ ولی اللہ دہلوی رح کی مذکورہ رسالہ میں جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے یہ عبارت ملی فرماتے ہیں۔

اور جاننا چاہیئے کہ میں نے اکثر لوگوں کو پایا ہے کہ امام ابی حنیفہ رح اور امام شافعی رح کے درمیان اختلاف کی بنیاد (اور اسی پر ابی حنیفہ رح اور ان کے شاگردوں کے اختلاف کا بھی اضافہ کیا جاتا ہے) انہی اصول پر ہے جو بزودی وغیرہ کی کتابوں میں موجود ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ اس کے اکثر اصول ان کے قول پر بنے ہوئے ہیں اور میرے نزدیک تو یہ رائے ہے کہ مسئلہ جس کو خاص ظاہر کیا جاتا ہے اس کو بیان کی ضرورت نہیں اور یہ کہ زیادتی نسخ ہے اور یہ کہ عام خاص کی طرح قطعی ہے اور کثرت روزہ سے ترجیح نہیں ہوتی اور یہ کہ غیر فقیہ کی حدیث پر عمل واجب نہیں اس طرح رائے کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور مفہوم شرط اور وصف کا کوئی اعتبار نہیں اور امر کا موجب صرف وجوب ہے اور اسی کے مثل اصول جو ائمہ کے کلام سے نکالے گئے ہیں۔ اور یہ کہ اس سے روایت ابی حنیفہ رح اور ان کے شاگردوں سے صحیح نہیں اور یہ کہ وہ محفوظ نہیں اور ان کے اوپر جو اعتراضات ہوتے ہیں ان کے جوابات میں تکلف متقدمین کی ان کے استنباط میں ضعف ہے جیسا کہ اس کو بزودی وغیرہ نے کیا ہے جو حفاظت کے زیادہ حقدار ہیں اس کے خلاف سے اور اس پر جو اعتراض ہوا اس

کے جواب سے،

پھر موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے ان قوائد میں سے ہر قائدہ کی مثال بتائی اور حنیفہ پر جو اعتراضات ہوتے ہیں اور ان اعتراضات کے جوابات میں انہوں نے جو تکلف کیا اس کو بیان کیا ہے۔

اور شافعیہ نے اس موضوع پر کم توجہ کی کیونکہ ان کے امام نے اصول کو خود مدوّن کیا اور اپنے اصحاب کو لکھوایا جیسا کہ مالکی اور حنبلی کیا کرتے تھے کیونکہ وہ مناظرہ اور بحیث کے میدانوں سے بہت دور رہا کرتے تھے جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

(دوم) مذہب میں مختلف رایوں کے درمیان ترجیح، اور یہ ترجیح دو قسم پر ہے۔

(۱) روایت کے لحاظ سے ترجیح (۲) درایت کے لحاظ سے ترجیح۔

روایت کے لحاظ سے ترجیح اس وجہ سے ہے کہ بعض مسائل کے نقل میں ائمہ مذاہب سے بہت اختلاف واقع ہوا کیونکہ ان کے مذہب کی نقل ان سے ایک زیادہ اشخاص نے کی ہے جیسے کہ امام ابوحنیفہ رح کے اقوال کو محمدؒ بن حسن نے نقل کیا جن میں سے بعض تو خاص ان سے حاصل کئے ہیں اور بعض امام ابو یوسف رح کے واسطے سے نقل کئے ہیں اور ابو یوسف رح سے امام محمدؒ کے علاوہ اور لوگوں نے بھی جیسے حسنؒ بن زیاد اور عیسٰی بن ابان وغیرہ نے بھی روایت کی ہے اور محمد رح کی کتب کو بھی اسی طرح ان سے ایک سے زیادہ لوگوں نے نقل کیا ہے اور تم دیکھو گے کہ نقل میں ان کا اختلاف ہے اور اس کی وجہ یا تو بعض نقل کرنے والوں کی غلطی ہے اور یا خود امام کا مسائل میں تردد تھا کہ آج ایک رائے لگاتے ہیں پھر اس کو کل بدل دیتے ہیں اس لئے ہر شخص دوسرے کے مخالف روایت کرتا تھا اسی طرح ہم امام شافعی رح کو دیکھتے ہیں کہ ان سے ربیع بن سلیمان اور مزنی اور حرملہ اور بویطی وغیرہم نقل کرتے ہیں اور نقل میں بوجہ دونوں اسباب کے اختلاف کرتے ہیں اور اسی طرح امام مالک رح کہ ان سے ابن القاسم اور ابن وہب اور ابن ماجشون اور اسد بن فرات وغیرہم روایت کرتے ہیں اب علماء کا کام مذاہب کے قرار پانے کے بعد یہ ہو گیا کہ وہ رایوں کا اظہار اس بات پر کریں کہ کون سی روایت زیادہ ترجیح کے قابل ہے تو انہوں نے اس روایت کو ترجیح دی جس پر اعتماد ہونے کی وجہ سے ان کا نفس مطمئن ہو گیا جیسا کہ حنفیہ نے

امام محمدؒ کی روایات کو دوسرے اصحاب پر ترجیح دی ہے اور خود امام محمد کی روایتوں میں ان کی کتابوں کو ترجیح دی جن کی روایت ان سے ثقہ ترمیسے ابی حفص کبیر اور جوزجانی نے کی ہے اور اس کو ظاہر الروایۃ کا نام دیا اور اسی طرح شافعیہ نے اس کو ترجیح دی جس کو ربیع بن سلیمان نے روایت کی ہے حتی کہ ان میں اور مزنی میں کسی بات میں معارضہ ہوتا تو وہ ربیع کی روایت کو مقدم کرتے ہیں باوجود اس اعتراف کے مزنی کا فقہ میں اونچا درجہ ہے اور وہ فقہ میں ربیع پر ترجیح رکھتے ہیں اور حرملہ کی روایت اگر ان دونوں کے خلاف ہوتی ہیں تو اس کو ضعف قرار دیتے ہیں اور اسی طرح مالکیہ نے ان روایات کو ترجیح دی ہے جو ابوالقاسم امام مالکؒ سے بیان کریں خود ابن القاسم سے جو روایتیں کی گئی ہیں وہ مختلف ہیں اس لئے وہ راویوں کے قابل اعتماد ہونے کی بنا پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔

ترجیح کی دوسری قسم وہ مختلف روایتیں ہیں جو خود ائمہ سے ثابت ہوں یا امام اور اس کے شاگردوں کے اقوال میں ترجیح دی جاتی ہے۔ اور یہ ترجیح یا تو ان فقہاء سے ہوتی ہے۔ جو اپنے ائمہ کے اصول جانتے ہوں اور ان کے استنباط کے طریقوں سے واقف ہوں اس لئے وہ ان اقوال کو ترجیح دیتے ہیں جو ان اصول کے ساتھ متفق ہوں یا جو فقہ کے اصلی دلائل یعنی قرآن وحدیث وقیاس سے قریب ہوں طبعاً ان ترجیح دینے والوں کی ترجیح میں اختلاف واقع ہوجاتا ہے اور مذہب میں ترجیح دینے والوں میں اس عالم کا اعتبار ہوتا ہے جس کے اطلاع وقدرت کا اعتراف کیا جائے۔

(سوم) ہر فریق نے اپنے مذہب کی مجملاً اور تفصیلاً نصرۃ وتائید کی اجمالاً یہ کہ اس مذہب کا امام جس قدر وسیع اور ورع صادق، اور حسن استنباط میں کامل تھا اور کتاب اللہ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کا جس قدر اتباع کرتا تھا اس کی اشاعت کی اور ہر فریق نے اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھا ہے چنانچہ علماء مذہب میں تم اسے بہت کم پاؤ گے جنہوں نے اپنے امام کی یہ توصیف نہ کی ہو کہ وہ ائمہ کا امام ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا اور اس کی ایسی صفات بیان کیں جو اس کو میدان فقہ واستنباط میں شہسوار ثابت کریں اور اس میں بعض نے حد سے تجاوز کیا اور ائمہ مخالفین پر عیوب لگائے لیکن ایسے لوگ زیادہ نہیں ہیں، اور رہا

تفصیلاً اس طرح تائید کی کہ ہر اختلافی مسئلہ میں اپنے مذہب کو ترجیح دی اور اس کے لئے اختلافی کتابیں لکھیں جن میں اختلافی مسائل کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ہر حالت میں اس امام کے مذہب کو ترجیح دیتے ہیں جس کی طرف وہ منسوب ہوئے لیکن اس میں اکثر اوقات کھلا تکلف ظاہر ہوتا تھا اور دوسری طرف زبانی مناظرات کئے ہیں عنقریب آپ کے سامنے ایک فصل ان مناظرات کی رکھوں گا کیونکہ اس دور میں اس کی بڑی اہمیت تھی۔

مناظرے اور جدل کی اشاعت

گزشتہ زمانہ میں بھی مناظرات ہوا کرتے تھے چنانچہ امام شافعی رح اکثر مناظروں کا ذکر کرتے ہیں جو محمد رح بن حسن فقیہ عراق اور ان کے درمیان ہوئے تھے لیکن وہ علماء کے درمیان شائع نہ تھے اور اس سے سوائے اس کے اور کوئی غرض نہ تھی کہ حکم صحیح کے استنباط تک پہنچیں اور جب ان پر حق ظاہر ہو جاتا تو وہ فوراً اپنی رائے سے رجوع کر لیا کرتے کیونکہ وہ اپنی رائے میں آزاد تھے اور ان میں سے کوئی کسی مذہب کا مقید اور پابند نہ تھا اس دور میں مناظرہ کے نتائج اور محرکات کے متعلق حالات بالکل تبدیل ہو گئے۔

اس قسم کے مناظروں کی تعداد کا یہ حال تھا کہ ہر بڑے شہر خصوصاً عراق و خراسان میں مناظروں کی مجلسیں تھیں جس میں دو بڑے عالم مناظرہ کرتے۔

اور یہ مجلسیں وزراء اور بڑے لوگوں کے سامنے ہوا کرتی تھیں جس میں اکثر اہل علم حاضر ہوا کرتے تھے اور ان کا انعقاد مجالس عزا میں بھی ہوا کرتا تھا (دیکھو طبقات شافعیہ ذکر شیخ ابو اسحاق شیرازی میں)' ابو الولید باجی کہتے ہیں کہ بغداد میں یہ رواج تھا کہ اگر کسی ایسے شخص کی وفات ہوتی جو اس شخص کو عزیز ہوتا تو وہ اپنے گھر کی مسجد میں چند روز کے لئے بیٹھ جاتا جہاں اس کے پڑوسی اور بھائی بند بھی اس کے ساتھ بیٹھتے اور جب کچھ روز گزر جاتے تو اس کی تعزیت ادا کرتے اور اس کو صبر و تسلی دیتے اور اپنے گھر کے کام کاج حسب عادت چلانے کی طرف توجہ دلاتے تھے لیکن جن ایام میں وہ اپنی مسجد میں اپنے بھائی بندوں اور پڑوسیوں کے ساتھ عزا کے لئے بیٹھتا تو اکثر اوقات یا تو قرآن مجید کی تلاوت کرتا یا مسائل میں فقہاء سے

مناظرہ کرتا رہا۔

مناظرہ کے قواعد میں کتابیں تصنیف کی گئیں اور اس کا نام علم آداب بحث رکھا گیا اور مناظرہ کی مجلیس اولاً علم کلام میں ہوا کرتی تھیں حتی کہ اس نے ان کو فاحش تعصبات بالکل کھلی ہوئی دشمنیوں اور خون بہانے اور شہروں کے برباد کرنے تک پہنچا دیا جس کی وجہ سے بعض امراء نے فقہ میں مناظرہ کی طرف توجہ کی اور اس بات کا مناظرہ شروع کرایا کہ شافعی رح اور ابی حنیفہ رح کے مذہب میں سے کونسا مذہب اولی ہے چنانچہ لوگوں نے علم کلام پر مناظرہ ختم کر دیا اور فنون علم پر بحث چھوڑ دی اور خصوصیت کے ساتھ امام شافعی رح اور امام ابی حنیفہ رحمہم اللہ کے اختلافی مسائل پر بحث شروع کر دی اور امام مالک رح اور سفیان اور امام احمد رحمہم اللہ کے اختلافات کو چھوڑ دیا۔

لیکن ان اصل محرک امراء کے خواہشات کی پابندی اور خوشنودی تھی اگرچہ ان میں سے اکثر اپنے نفس کو یہ دھوکہ دیتے تھے کہ ان کی غرض دقائق شرع کا استنباط اور علل مذاہب کی حقیقت کا اظہار اور اصول فتاوی کی تمہید ہے اس کو حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی نے ثابت کر دیا ہے اور وہ اس بارہ میں حجت میں کیونکہ وہ ان کے رئیسوں میں سے تھے اور ان کے قادر الکلام اور مناظروں میں دقیق النظر تھے پھر اللہ تعالے نے ان پر حقیقت کا پردہ اٹھا لیا اور انہوں نے دلفریب مظاہر اور جھوٹی شہرت کو چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کیا اور ہم کو انسانی عیوب کے ظاہر کرنے والا اس سے زیادہ بہتر کوئی شخص نہیں مل سکتا جو خود پہلے اس میں ڈوبا ہوا رہا ہو پھر اس کو چھوڑ دے، غزالی رح فرماتے ہیں کہ یہ قوم اپنے اوپر تو اس قول کا لباس ڈال لیتی ہے کہ طلب حق پر تعاون کرنا دین ہے لیکن اس کے لئے آٹھ شرطیں ہیں۔

(۱) کوئی شخص اس میں مشغول نہ ہو (کیونکہ یہ فرض کفایہ میں سے ہے) جو فرض عین سے فارغ نہ ہو چکا ہو اور جس پر فرض عین باقی ہو اور وہ فرض کفایہ میں مشغول ہو جائے اور یہ دعوی کرے کہ اس کا مقصد حق ہے تو وہ جھوٹا ہے اور اس کی ایسی ہے کہ جو شخص نماز کو تو چھوڑ دے اور کپڑوں کے حاصل کرنے اور اس کے بننے میں مشغول ہو جائے اور کہے کہ میری غرض یہ ہے کہ میں اس سے اس شخص کی ستر پوشی کروں گا جو نماز ننگا پڑھتا ہے اور کپڑا نہیں پاتا کیونکہ اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے اور اس کا وقوع ممکن ہے کیونکہ فقیہ کا دعوی ہے کہ ان نوادر کا وقوع حق

سے بحث ہوتی ہے اختلاف میں ممکن ہے اور مناظرہ میں مشغول رہنے والے ان امور کو چھوڑے ہوئے ہیں جو باتفاق فرض عین ہے، جو شخص امانت کو فوراً واپس کرنے کے لئے کھڑا ہوا اور نماز کے لئے نیت باندھ لی جو اللہ تعالیٰ کی سب عبادتوں میں مقدم ہے تو اس نے اس کی نافرمانی کی تو کسی شخص کے مطیع ہونے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ اسکا فعل جنس طاعات سے ایسا ہو کہ اس میں وقت و شرط و ترتیب کا لحاظ نہ رکھے۔

(۲) فرض کفایہ کو مناظرہ سے اہم نہ سمجھتے کیونکہ جس چیز کو اہم سمجھے اور اس کے علاوہ کوئی فعل کرے تو اپنے فعل سے وہ نافرمان ہوگا اور اس کی مثال ان لوگوں کے مثل ہوگی جس نے پیاسوں کی ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ ہلاکت کے قریب پہنچ چکے ہیں اور لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا ہے اور وہ ان کے زندہ رکھنے پر اس طرح قدرت رکھتا تھا کہ ان کو پانی پلا دے۔ لیکن وہ حجامت کے سکھانے میں مشغول ہو گیا اور خیال کیا کہ وہ فرض کفایہ ہے اور اگر شہر اس فن سے خالی ہو جائے گا تو لوگ مر جائیں گے، اور جب اس سے کہا جائے کہ شہر میں حجاموں کی جماعت موجود ہے اور ان کے لئے کافی ہے تو وہ کہے کہ یہ بات فرض کفایہ سے خارج نہیں کرتی جو شخص یہ کام کرے اور اس شغل کو چھوڑ دے جو مسلمانوں کی پیاسی جماعت پر واقع حال کو چھوڑ دیتا ہے اس کا حال اس شخص کے حال کے مثل ہے جو مناظرہ میں مشغول ہو اور شہر میں بہت سے فرض کفایہ چھوٹے ہوئے ہیں جس پر کوئی قائم نہیں اور ان میں اقرب طب ہے اور اسی طرح امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

(۳) مناظر کو مجتہد ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی رائے سے فتویٰ دے نہ کہ مذہب شافعی رح وابی حنیفہ رح وغیرہ پر فتویٰ دے یہاں تک کہ اس کو اگر مذہب ابو حنیفہ رح کی کوئی بات صحیح معلوم ہو تو وہ شافعی رح کے رائے کی موافقت ترک کر دے اور اسی کا فتویٰ دے جو اس کو حق معلوم ہو۔ اور جس کو اجتہاد کا رتبہ حاصل نہیں اور وہ عام لوگوں کی طرح ہو تو اس سے مناظرہ میں کون سا فائدہ ہوگا؟ کہ اس کا مذہب معلوم ہے اور وہ اس مذہب کے خلاف فتویٰ نہیں دے سکتا۔

(۴) مناظرہ کرے تو اس مسئلہ میں کرے واقع ہوا ہو یا قریب الوقوع ہو لیکن لوگ ان

مسائل کے اہتمام کی کوشش نہیں کرتے جن کی یہ اہتمام نہیں کرتے ان مسائل کے عام طور پر ضرورت ہوتی ہے بلکہ ان طبویات کی جستجو کرتے رہتے ہیں جو عام طور پر سنے جاتے ہیں اور اس میں جدال کا میدان وسیع ہوتا ہے خواہ معاملہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اور اکثر اوقات ان مسائل کو چھوڑ دیتے ہیں جن کا وقوع زیادہ ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ خبریہ ہے یا یہ کہ وہ کونے میں پڑے رہنے والے مسئلوں میں سے ہے ان مسائل میں نہیں جن کا ہنگامہ ہوتا رہتا ہے۔

(۵) مناظرہ کا خلوت میں ہونا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ ان کے پاس مجبوب تھا اور محافل سے اہم تھا وہ امراء اور سلاطین کے سامنے ہو کیونکہ تنہائی میں عقل اور رائے انتشار کا شکار نہیں ہے اور ادراک حق کے لئے بہت ہی موزوں ہے اور جماعت کی موجودگی میں اسباب ریا کو حرکت پیدا ہوتی ہے اور ہر شخص اپنی نصرت کے لئے حرص کو واجب کر لیتا ہے خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر اور تم خوب جانتے ہو کہ مجلسوں اور محفلوں میں ان کی حرص اللہ کے لئے نہیں ہوئی اور جب ان میں سے کوئی اپنے حریف کے ساتھ خلوت میں مدت طویل تک رہتا ہے تو اس سے بات نہیں کرتا اور بسا اوقات اس کو جواب تک نہیں دیتا لیکن جب کوئی مجمع ہوتا ہے تو ہر تدبیر وہ کام میں لاتا ہے جس سے اس کو گفتگو کا موقع ملے۔

(۶) یہ کہ وہ حق کے طلب کرنے میں ایسا ہو جیسا کہ وہ کسی کھوئی ہوئی چیز کو تلاش کر رہا ہو اس بات میں کوئی فرق نہیں کرتا کہ کھوئی ہوئی چیز اس کے ہاتھ آئے یا اس کے ہاتھ پر جو اس کی مدد کر رہا ہے اور اپنے رفیق کو اپنا مددگار سمجھے نہ کہ دشمن اور اس کا شکریہ ادا کرے جب کہ وہ اس کی خطا بتا دے یا اس کے لئے حق کو ظاہر کر دے لیکن ہمارے زمانہ کے مناظرین کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے جب کہ اس کے مخالف فریق کی زبان سے حق ظاہر ہو جائے اور شرمندہ ہوتا ہے اور اپنے انکار میں جہاں تک ہو سکے کوشش کرتا ہے اور عمر بھر اس کی مذمت کرتا رہتا ہے جس نے اس کو خاموش کر دیا۔

(۷) مناظرہ میں اپنے رفیق کو ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف جانے سے منع نہ کرے نہ ایک مثال سے دوسری مثال میں جانے سے روکے اور اس کے کلام سے جدال کی تمام باریکیاں نکالے

جو نکل سکتی ہوں خواہ اس کے فائدہ کی ہوں یا اس کے نقصان کی جیسے اس کا یہ کہنا کہ مجھے اس کا ذکر کرنا لازم نہیں، اور یہ بات میرے پہلے کلام کی تفصیل ہے۔

تو مجھ سے یہ بات قبول نہ کی جائے گی کیونکہ حق کی طرف رجوع کرنا باطل کے خلاف ہے اور اس کا قبول کرنا واجب ہے اور تم دیکھو گے کہ تمام مجلسیں واقعات اور مجادلات میں ختم ہوتی ہیں۔

(۸) یہ کہ اس سے مناظرہ کرے جس سے فائدہ حاصل کرنے کی امید ہو جو کہ علم میں مشغول ہو لیکن یہ لوگ اکثر بوڑھوں اور تجربہ کاروں سے مناظرہ کرنے میں اس خوف سے احتراز کرتے ہیں کہ ان کی زبان سے ہی حق ظاہر ہوگا لہذا ان سے کمتر لوگوں سے مناظرہ کرنے میں رغبت رکھتے ہیں تاکہ ان پر باطل کو رواج دیدیں۔ (یہ مختصراً ہے)

پھر امام غزالی رحمتہ اس کے ساتھ ایک فصل ملحق کی ہے جس میں مناظرہ کی آفات بیان کی ہیں اور ان میں سے چند کی تعداد بیان کی ہے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) حسد

(۲) تکبر اور لوگوں پر بڑائی ظاہر کرنا یہاں تک کہ وہ ان مجلسوں میں سے کسی مجلس میں جس میں بلندی و پستی، اور صدر کی مسند سے قرب اور بعد اور تنگ راستوں سے پہلے داخل ہونے میں اولیت وغیرہ پر جنگ کرتے ہیں اور بسا اوقات غبی اور مکار فریبی لوگ اس کی یہ حکمت بتلاتے ہیں کہ وہ عزت علم کی حفاظت کرنا چاہتا ہے مومن کو منع کیا گیا ہے اپنے نفس کو ذلیل کرنے سے اس لئے تواضع کی تعبیر ذلت سے اور تکبر کی عزت دین سے تعبیر کرتے ہیں جو محض رسم کو بدلنا ہے۔ اور اس سے مخلوق کو گمراہ کرنا ہے۔

(۳) کینہ کہ اس سے کوئی مناظرہ کرنے والا خالی نہیں۔

(۴) غیبت کیونکہ وہ اپنے دشمن کے کلام کی لازماً نقل کرے گا اور اس کی مذمت بیان کرے گا اور بہت زیادہ حفاظت کرے گا۔ حکایت و نقل میں جھوٹ نہ کہے گا لیکن لامحالہ ایسی باتیں بیان کرے گا جس سے اس کی کلام کا قصور اور اس کا عجز اور اس کے فضیلت کا نقصان ظاہر ہو اور یہی غیبت ہے۔

(۵) تجسس اور لوگوں کی برائیوں کی ٹوہ لگانا، اور کوئی مناظرہ کرنے والا اپنے ہمعصروں کی

لغزشوں کی تلاش کرتے اور اپنے فریق کی ٹوہ لگانے سے خالی نہیں ہوتا حتیٰ کہ اگر اس کو خبر ہوتی ہے کہ کوئی مناظرہ کرنے والا اس کے شہر میں آگیا ہے تو وہ اس کی تلاش کرنے لگتا ہے جو اس کے اندرونی حالات کی اس کو خبر دے اور وہ سوال کر کے ایسے نتیجہ نکالتا ہے جس کو اپنے لئے ایک سرمایہ اس کی فضیحت اور بروقت اس کو شرمندہ کرنے کے لئے ایک ذخیرہ شمار کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے بچپن کے حالات معلوم کرتا ہے اور اس کے بدن کے عیوب معلوم کرتا رہتا ہے۔ تو اگر اس کو کسی بدگوئی کا اس کے متعلق علم ہوتا ہے یا اس کے بدن کے کسی عیب کا مثلاً گنج پن وغیرہ کا تو اگر اس کو اسی فریق کے کسی ادنیٰ غلبہ کا بھی احساس ہونے لگتا ہے تو وہ اس کو اشارۃً پیش کرتا ہے اگر وہ محتاط آدمی ہے تو تعریضاً اس کو ظاہر کرتا ہے اور یہ تعریض مستحسن خیال کی جاتی ہے اور عمدہ پیرایہ کی گالیوں میں سمجھا جاتا ہے اور اگر وہ کینہ اور نچلے درجہ کا آدمی ہو تو صاف الفاظ میں کہنے سے نہیں رکتا جیسا کہ بڑے مناظرین سے ان کے زمانہ کے نوجوانوں نے کیا ہے۔

(۶) لوگوں کے رنج وغم پر خوشی اور ان کی خوشیوں پر غم تو ہر وہ شخص جو فضیلت کے اظہار پر فخر محسوس کرتا ہے اس کے لئے لازمی ہے کہ جو بات اس کے اقران وہمعصروں کے لئے بری ہو جو فضیلت میں اس کے برابر ہیں۔ تو اس کو خوشی حاصل ہوگی اور ان میں اسی طرح بغض ہوگا جیسے کہ سوکنوں میں ہوتا ہے، جیسے کہ کوئی سوکن اپنی سوکن کو اگر دور سے بھی دیکھ لیتی ہے تو اس کی رگیں کانپنے لگتی ہیں اور اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے اسی طرح تم مناظرہ کرنے والے کو دیکھو گے کہ جب وہ کسی مناظرہ کرنے والے کو دیکھتا ہے تو اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے اور اس کے افکار مضطرب ہو جاتے ہیں گویا کہ اس نے کسی شیطان سرکش کو دیکھ لیا ہے یا کسی موذی درندہ کو۔

(۷) نفاق جس کے لئے یہ مجبور ہیں کیونکہ وہ اپنے مخالفین اور ان کے حریفوں اور ساتھیوں سے ملتے ہیں اور وہ اس کے سوا کچھ چارہ نہیں پاتے کہ زبان سے ان کے ساتھ محبت کا اظہار کریں اور شوق واشتیاق بتائیں اور ان کے لئے ان کے مرتبہ اور ان کے احوال کا خیال کریں اور یہ بات اس کا مخاطب بھی جانتا ہے اور ہر وہ شخص جو ان کی باتوں کو سنتا ہے جانتا ہے کہ

یہ سب جھوٹ و نفاق اور فجور ہے کیونکہ یہ لوگ زبان سے محبت کرتے ہیں اور دل سے بغض رکھتے ہیں۔

(۸) حق سے روگردانی کرنا اور اس سے ناراضی اور اس کے متعلق جھگڑنا یہاں تک کہ مناظر کرنے والے کو سب سے مبغوض چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کے فریق کی زبان پر حق ظاہر ہو اور جب ایسا ہوتا ہے تو وہ اس کے انکار پر کمربستہ اور دھوکہ فریب دینا اور جھگڑنا اس کی عادت طبعی بن جاتی ہے کیونکہ جب کوئی بات کرے گا تو اس کی طبیعت میں اعتراض کا داعیہ پیدا ہو گا حتی کہ یہ اس کے قلب پر آداب قرآن و الفاظ شرع میں غالب آئے گا کہ وہ ان میں سے بعض کو بعض کے مخالف بنا دے گا۔

(۹) ریا اور مخلوق کی طرف خیال اور ان کے قلوب کو مائل کرنے کی کوشش اور ان کے رخ کو مائل کرنے کی کوشش اور ریا ایسا مہلک مرض ہے جو بڑے کبائر کی دعوت دیتا ہے اور مناظرہ کرنے والا بجز اس کے کہ مخلوق کے پاس اس کی برتری ظاہر ہو اور لوگوں کی زبانیں اس کی ثنا پر کھلیں اور کچھ نہیں چاہتا۔

اور یہ وہ بڑے نتائج ہیں جو فقہاء کی جماعت کو اس مقام سے گرا دیتی ہیں جو ان کا اصل مقام تھا کیونکہ وہ شریعت کے حامی اور دین کے محافظ تھے لہذا چاہیئے تھا کہ وہ ادب کے لحاظ سے بہترین حالت میں رہتے لیکن یہ مناظرات نے جس سے اللہ تعالی کی رضامندی مقصود نہ تھی ان میں سے بہت لوگوں کو اس حالت پر پہنچا دیا جس کی شرح انہی میں سے ایک شخص نے جو اس بلائیں مبتلا تھا بیان کی ہے اور اس کو اللہ تعالے نے عافیت دے دی۔

ابن سبکی نے طبقات میں لکھا ہے کہ ابو حیان توحیدی نے بیان کیا کہ میں نے شیخ ابو ابو حامد غزالی؟ سے سنا ہے کہ وہ طاہر عبادانی سے کہتے تھے "کہ تم ان باتوں کو زیادہ نہ لکھو جو تم مجھ سے مجلس مناظرہ میں سنو کیونکہ اس میں تو گفتگو صرف فریق کو چکمہ اور مغالطہ دینے اور اس کی مدافعت اور اس پر غلبہ حاصل کرنے کی نیت سے ہوتی ہے اور ہم خالصاً لوجہ اللہ گفتگو نہیں کرتے اور اگر ہم اس کا ارادہ رکھتے تو گفتگو زیادہ کرنے کی بجائے خاموشی کی طرف تیز رو ہوتے

اور ہم میں سے بہت سے اس گفتگو کی وجہ سے اللہ کا غضب لے کر لوٹتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کی بھی طمع رکھتے ہیں۔

مذہب اسماعیلی

اس دور کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں مصر اور اس سے متصل شہروں میں مذہب اسماعیلی ظاہر ہوا۔ اور مذہب اسماعیلی شیعہ مذاہب ہی کی ایک شاخ ہے جنہوں نے اسماعیل بن جعفر صادق کو متولی امامت قرار دے کر ان کے بھائی موسیٰ بن جعفر کاظم کو چھوڑ دیا اور اس لحاظ سے عالم اسلامی میں ان کے تین مذہب ہو گئے۔ زیدیہ۔ امامیہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ ہیں یہ مذاہب اگرچہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں مگر یہ سب عشرت کے شیرازہ میں جکڑے ہوئے ہیں، جب معز الدین اللہ قاہرہ آیا جس کی بنا دیں پہلے ہی ڈالی جا چکیں تھیں وہ اس کے نام سے منسوب ہوا تو اس کے ساتھ اس کا عالم کبیر اور فقیہ اسماعیلی تھا اور کچھ ہی دنوں بعد مصر میں قاضی القضاۃ مقرر ہو گیا اور اس سے مصر میں سب سے پہلے اس لقب کا رواج ہوا۔ کیونکہ اس کے پہلے بڑے دار الخلافہ بغداد میں وہ صرف قاضی ہی کے عہدے پر تھا اور یہ قاضی لوگوں میں میراث کے بارے میں مذہب اسماعیلی کے مطابق فیصلے کیا کرتا تھا اور دوسرے مسائل میں اور عورت کی میراث کے بارہ میں اس کے فیصلے اکثر مسائل میں جمہور کے مخالف ہوا کرتے تھے جن میں سب سے اہم یہ تھا کہ ان کے پاس نہ عصبہ تھا نہ عول اور عصبہ کے بدلے اقربیت کا لحاظ رکھ کر میت سے جو زیادہ قریب ہوتا اس کا لحاظ رکھتے اس کے بعد ترتیب وار قرابت کا لحاظ رکھتے خواہ مرد ہو یا عورت تو ان کے پاس اول درجہ والدین اور اولاد کا تھا اور دوسرا درجہ اجداد اور بھائی بہنوں کا تھا اور اسی طرح اور نزدیک کے قرابتداروں کے ساتھ بعید وارث نہ ہوتا تھا جیسے اگر میت نے ایک لڑکی چھوڑی جس کے ساتھ اس کے والدین میں سے کوئی نہ ہو تو وہ سب مال لے لیتی آدھا تو فرض کی بناء پر اور آدھا رد ہو کر اور اسی طریقہ پر فاطمہ رض بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنے باپ کی میراث میں ان کا کوئی شریک نہ تھا اور ماں کے ساتھ کوئی بھائی یا بہن وارث نہ ہوتا اور عترت کے اس قول کے باوجود کہ میراث کے قاعدہ میں اقربیت ہے وہ سگے چچا زاد بھائی کو سوتیلے چچا

پر مقدم رکھتے ہیں باوجود یکہ چچا، چچازاد بھائی سے اقرب ہے اور یہ حجت بیان کرتے ہیں کہ اس پر طائفہ محقہ کا اجماع ہے اور اسی اصول کی بناء پر ان کے بہت سے مسائل ہیں جس میں جمہور کی مخالفت ہوتی ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو لیا کہ اولاً اہل فرائض کو ان کے حقوق ادا کرو پھر جو باقی رہ جائے وہ قریب ترین مرد کو دو اور بعض اہل فرائض پر نقصان داخل کر کے عول سے بچ گئے۔

اس مذہب پر قضاء مصر کی ترتیب کے ساتھ ان کے علماء جامع ازہر میں تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے تھے جس کی بنیاد انہوں نے رکھی تھی اور اس کے لئے کتابیں تالیف کی گئیں اور وہ علماء اور طالبان علم کو ماہانہ وظیفے دیا کرتے تھے اور اس کو تبلیغ کا ایک ذریعہ بنا لیا تھا اور اس پر داعی دعاۃ اور اس کے مددگاروں کا عمل مستزاد تھا کیونکہ وہ جمہور کو اسماعیلی مذہب میں لانے کی انتہائی جدوجہد میں مصروف تھے لیکن یہ تمام کوششیں مطلوبہ نتیجہ نہ نکال سکیں کیونکہ امام مالک رح و امام شافعی رح کا مذہب جمہور کے دل میں عزت حاصل کر چکا تھا تو ان کے باطل کرنے یا ضعیف کرنے میں کوئی موثر عمل جاری نہ کیا جا سکا اور دونوں مذاہب کے علماء کے حلقہائے درس مصر کی جامع عتیق میں قائم تھے۔

اور ابو احمد بن افضل وزیر مستنصر آخر میں اس بات پر مجبور ہو گیا تھا کہ نرمی سے کام لے اور چار قاضی مقرر کرے جن میں سے ہر ایک اپنے مذہب کے مطابق حکم کرے اور اپنے اپنے مذہب کے مطابق اسماعیلی قاضی اور امام قاضی اور مالکی قاضی اور شافعی قاضی وراثت کے معاملات طے کریں اور یہ پہلا موقع تھا کہ مصر میں متعدد قاضی مقرر ہوئے اور ایسا ۵۲۵ھ میں ہوا اور جب حکومت میں زیادہ ضعف ہوا تو قاضی القضاۃ کا منصب ابوالمعالی مجلی بن جمیع شافعی صاحب ذخائر کو ملا اور یہ ۵۴۷ھ کا واقعہ ہے۔

اور جب صلاح الدین، عاضد کا وزیر ہوا تو اس نے اسماعیلی حکومت کے تمام امتیازات کو ختم کر دیا اور اس کے قاضی جلال الدین بن ہبۃ اللہ بن کامل صوری کو ہٹا کر صدرالدین بن عبدالملک بن درباس کردی شافعی رح کو قاہرہ میں ۵۶۶ھ میں قاضی القضاۃ بنا دیا اور صلاح الدین نے مذہب اسماعیلی سے مصر میں اس وقت تک مقابلہ کیا کہ اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ .....

اور ہمارے اور ان کے درمیان تعلقات ختم ہو گئے یہاں تک کہ ہم ان کی کتابیں بھی مطالعہ نہیں کر سکتے نہ فقہ کی نہ اس کے علاوہ، اور شواقع میں قضاءت ظاہر بیبرس کے آنے تک باقی رہی حتیٰ کہ اس نے تعدد قضاء کی بدعت کو دہرایا البتہ صرف مذاہب جمہور میں سے ہی ان کو مقرر کیا یعنی شافعی ومالکی حنفی وحنبلی۔

ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ مصر میں مذہب اسماعیلی کس حد تک کامیاب رہا اور امت کے مخصوص افراد میں سے کن لوگوں نے اس کو قبول کیا مگر ہم یہ ضرور جانتے ہیں کہ ان کا اثر عوام میں بہت ہی کم تھا کیونکہ اسماعیلی امتیازات سے ان کی نفرت عام طور پر مروی ہے اور اسی طرح ان کے عقائد سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء کی جماعت نے اس کو قبول نہیں کیا اور اس کو کفر والحاد کی نشانی قرار دی جس کی وجہ سے جمہور ان سے نفرت کرنے لگے اور ان کی نفرت ان کے پوشیدہ دعوت کی وجہ سے بھی زیادہ ہونے لگی جس سے ان کے اعتقاد کی تائید ہونے لگی کہ وہ دین سے خارج ہیں جس کو اپنے ائمہ اور علماء سے انہوں نے میراث میں پایا ہے۔

۳- مذہبی تعصبات کا شروع

گزشتہ زمانہ میں جس مسامحت و بے تعصبی کے جھونکے چلتے تھے اور اس کی روح غالب ہو گئی تھی اس کا مقصد تو یہ تھا کہ اختلاف مذاہب کا کوئی اثر مختلف مذاہب والوں کے آپس میں نہ ہو کیونکہ ایک ہی شہر میں دو مجتہد ہوا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور ہر شخص اپنے رفیق کو اجتہاد کو جائز قرار دیتا تھا اور اس پر کوئی عیب نہیں لگاتا تھا اور بہت زیادہ جو بات ان سے معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ ان میں ایک دوسرے کی مسائل میں سے کسی مسئلہ میں غلطی نکالتا اور کبھی اپنی تنقید پر اس کو تحریری اطلاع دیتا یا اس سے زبانی گفتگو کرتا لیکن یہ سب انتہائی احترام کے ساتھ ہوتا اور اس سے محبت کرتا اور اس کی تعریف کرتا جیسا کہ ہم نے اس کے پہلے لیثؒ بن سعد کا خط بنام امام مالکؒ بن انس نقل کر دیا ہے و نیز شافعی رح نے ابو حنیفہؒ کے مسائل پر تنقید لکھی اور یہ بھی فرمایا کرتے کہ لوگ فقہ میں ابو حنیفہ رح کے بچے ہیں اور اکثر محمد بن حسنؒ کی تعریف کیا کرتے حالانکہ وہ ان سے بڑا مناظرہ کیا کرتے تھے اور اپنے شاگرد احمدؒ بن حنبل سے فرمایا کرتے کہ تمہارے نزدیک جب حدیث

صحیح ہوجائے تو مجھے خبر کرنا اور فرمایا کرتے کہ جب حدیث کا ذکر آتا تو فرماتے مالک رح روشن ستارہ ہیں، اسی قسم کے اور اقوال ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فقہاء میں اور ائمہ اطہار میں رواداری اور محبت کی*
*روح تقلید سرایت کرگئی جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ان کو اپنے ائمہ کے مسائل کی طرف سے مدافعت کی ضرورت واقع ہوگئی اور امراء نے ان سے خواہش کی کہ ان کے سامنے مناظرہ کے میدان گرم کریں جس پر وہ نتیجہ ظاہر ہوا جس سے امام غزالی رح کو ناراضی پیدا ہوئی اور ہر فریق جن مسائل کی مدافعت ومناظرہ کرتا اس کے متعلق آپس میں تعصب کرنے لگا اور دوسرے فریق کو جیسا کہ وہ خصم کے الفاظ سے تعبیر کرتا تھا دشمن سمجھنے لگا اور ان میں سے ہر ایک فریق دشمنی پر اتر آیا اور عوام نے اس بارہ میں ان کا اتباع کیا اور معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ نماز میں ایک فریق اپنے مخالف مذہب والے کی اقتدا کو حرام سمجھنے لگا اور ہمیں نہیں معلوم کہ یہ قاعدہ کب وضع کیا گیا۔ اس قاعدہ پر اعتماد کرتے ہوئے جو ہم نہیں جانتے کہ کب وہ نکالا گیا کہ اقتداء میں اعتبار مقتدی کے مذہب کا ہے نہ کہ امام کے مذہب کا البتہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ شافعی رح کی اکثر نماز حنفی کی نظر میں صحیح نہیں ہوتی کیونکہ شافعی رح جسم سے خون نکلنے پر وضو نہیں کرتا کیونکہ یہ ان کے امام کے نزدیک ناقص وضو نہیں ہے اور اسی طرح حنفی اجنبی عورت کو چھوتے بے وضو نہیں کرتا کیونکہ یہ اس کے نزدیک ناقض وضو نہیں ہے اور حنفی سورہ فاتحہ کی قرأت کے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھتا حالانکہ شافعی رح کی نظر میں یہ سورۃ فاتحہ کی آیت ہے جس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی اور یہ اور اسی قسم کے اور مسائل مقتدی کے دل میں شک پیدا کرتے ہیں۔ جب کہ وہ اپنے مخالف مذہب کی اقتدا کرے اور ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے یہ کس طرح کہا باوجودیکہ ائمہ کی اجتہاد اور اختلاف میں رواداری اور محبت تھی اور یہ اعتبار کیا جاتا تھا کہ مجتہد کا اجتہاد جس امر کی طرف پہنچادے اس کے حق میں اس پر عمل کرنا واجب ہے اور اس کو جائز نہیں کہ اس کے غیر کی طرف تجاوز کرے تو اس نظریہ کا مقتضا تو یہ تھا کہ ہر مجتہد کی نماز صحیح سمجھی جائے اور اس سے یہ قاعدہ نکل جاتا ہے کہ اقتدا میں امام کے مذہب کا اعتبار ہے نہ کہ مقتدی کے مذہب کا لیکن تعصبات مذہبی نے جماعتوں میں فصل پیدا کیا اور مستقل مناقشہ قائم ہوگیا اور بعض فقہاء نے معاملہ کو بڑھادیا کہ ایک نے دوسرے پر یہ تہمت لگائی کہ ان کے ائمہ نے کتاب وسنت کے بعض صریح مسائل میں مخالفت کی اور اسی پر اس مسئلہ کی بنیاد رکھی کہ اگر کوئی قاضی ان کے مطابق کوئی

کی روح غالب تھی اور وہ اس بارہ میں اپنے اسلاف صحابہ تابعین کی پیروی کرتے تھے لیکن اس دور میں جس میں

فیصلہ کرے تو اس کا حکم منسوخ ہو جائے گا لیکن یہ مسائل اجتہادی نہیں ہیں بہر حال ہم اس موضوع پر گفتگو طویل نہیں کرنا چاہتے بلکہ ہم نے تو اس کا ذکر محض اس لئے کیا ہے کہ آثار تقلید میں اس کے اثر طبعی کا اعتبار کیا جائے۔

اگر کوئی کہے کہ تم یہ دعویٰ کس طرح کرتے ہو کہ یہ تقلید کے آثار ہیں حالانکہ ابن حزم اندلسیؒ نے جو پانچویں صدی میں تھے تقلید کو ترک کر دیا تھا اور اپنے نفس کے لئے ایک طریقہ اختیار کر لیا۔ اور اجتہاد مطلق کا دعویٰ کر لیا تھا اور اس کے باوجود ہم نے کسی فقیہ کو ان سے تیز زبان اور اپنے مخالفین پر سخت بات کرنے والا نہیں دیکھا اور اس کا ثبوت ان کی دونوں کتابوں " احکام لاصول الاحکام " اور " محلّی " کو جو فقہ کی معتبر کتابیں ہیں دیکھنے سے اندازہ کر سکتا ہو تو ہم یہ کہیں گے کہ وہ باوجود اپنے دعویٰ اجتہاد کے حقیقت تقلید سے باہر نہ تھے کیونکہ وہ مذہب داؤد بن علی کے مبلغ اعظم تھے اور ان کے مذہب کی تائید میں سرگرم تھے اور ان کے دل کو تنگ کرنے کے لئے یہ امر بہت کافی تھا کہ ان کے شہر کے علماء ان کی دشمنی اور عداوت کے لئے کھڑے ہوئے جس پر انہوں نے اپنے قلم کی باگ چھوڑ دی اور ان پر سخت حملے کئے جس پر ان کو یہ گمان تھا کہ وہ ان پر غالب ہو جائیں گے اور واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اس سے خود کو اور اپنی رایوں کو تباہ کر دیا جس کی وجہ سے انکا کوئی اثر نہ ان کی حیات میں قائم ہو سکا نہ موت کے بعد باقی رہا باوجودیکہ ان کی وسعت علم اور قوت فکر کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اس دور کے فقہاء

اس دور کے فقہاء نے اپنے ائمہ سے مروی مختلف روایات میں ترجیح ظاہر کی، اور اس کی علتوں کو ظاہر کیا اور ان ائمہ سے جن امور میں حکم یقینی نہ ہو ان علل کی بناء پر اس کے متعلق قیاس کر کے فتویٰ دیا اس لئے ان کو اپنے ائمہ کے مذاہب کا مکمل کرنے والا سمجھا جاتا ہے اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ ہم ان میں سے ان مشہور علماء کے حالات بیان کریں جنہوں نے کتابوں کی تدوین و تصنیف کا کام انجام دیا اور جو کچھ انہوں لکھا وہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے بنیاد ثابت ہوگئیں۔

اور ہم پہلے علماء حنفیہ کو شروع کرتے ہیں جن میں سے بیس فقیہ ہم نے منتخب کئے ہیں جو یہ ہیں۔

(۱) ابوالحسن عبیداللہ بن حسن کرخی عراق میں رئیس الحنفیہ اور ان کے اکابر اساتذہ میں سے تھے، مختصر اور شرح صغیر وکبیر لکھی جو محمد رح بن حسن کی ہے ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ان کی وفات ۳۴۰ھ میں ہوئی وہ اس زمانہ کے بڑے فقہاء میں سے تھے ان کا شمار مجتہدین میں ہوتا ہے۔

(۲) ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص جو کرخی رح کے شاگرد ہیں اور ان کے بعد یہی سردار ہوئے۔ مختصر کرخی اور مختصر طحاوی اور محمد رح کے جامع کی شرحیں لکھیں اصول فقہ میں اور ادب القضاۃ میں ان کی ایک ایک تصنیف ہے ۳۷۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) ابوجعفر محمد بن عبداللہ بلخی، ہندوانی جن کو ابوحنیفہ صغیر کہا جاتا تھا۔ ائمہ بلخ سے تھے بخارا میں ۳۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی جو امام ہدیٰ کے نام سے مشہور تھے، ہندوانی کے شاگرد ہیں، نوازل اور عیون اور فتاوی اور خزانۃ الفقہ اور شرح جامع صغیر لکھی ۳۷۳ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابوعبداللہ یوسف بن محمد جرجانی، جو کرخی کے شاگرد تھے خزانۃ الاکمل چھ جلدوں میں لکھی زیادات اور جامع کبیر اور مختصر کرخی کی شرحیں لکھیں اور خزانۃ الاکمل اکثر تصنیفات کی جامع ہے حاکم کی کافی سے شروع کی اور جامعین زیادات مجرد اور منتقی اور مختصر کرخی اور شرح طحاوی اور عیون المسائل کو اس میں جمع کیا۔ ۳۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۶) ابوالحسن احمد بن محمد قدوری بغدادی، اور وہ مشہور کتاب مختصر کے مصنف ہیں اور مختصر کرخی کی شرح لکھی اور کتاب تجرید تصنیف کی جس میں ابوحنیفہ رح اور شافعی رح کے اختلافی مسائل غیر مدلل طور پر درج ہیں لیکن دیکھنے میں اس کی عبارت اچھی ہے اور شیخ ابوحامد اسفرائنی شافعی رح سے مناظرہ کیا کرتے تھے ۴۲۸ھ میں وفات پائی۔

(۷) ابوزید عبداللہ بن عمر الدوسی سمرقندی، جنہوں نے سب سے پہلے علم اختلاف کی

بنیاد رکھی اور ان کی سب سے بڑی تصنیف "اسرار" ہے اور نظم فی الفتاوی اور کتاب تقویم الادلۃ ہے مناظرہ میں اور دلیلوں کے استخراج میں وہ ضرب المثل تھے اور سمرقند و بخارا میں ان کے بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ مناظرات ہوا کرتے تھے ۴۳۰ھ میں وفات پائی۔

(۸) ابو عبداللہ حسین بن علی صیمری جو فقہاء حنفیہ کے بڑے لوگوں میں سے تھے اچھی عبادت والے اور مناظرہ میں اچھے تھے ۴۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۹) ابوبکر خواہر زادہ محمد بن حسین بخاری جو ماوراء النہر کے بڑے میں سے تھے، مختصر تجنیس اور مبسوط نامی کتابیں لکھیں۔ ۴۳۳ھ میں وفات پائی اور خواہر زادہ آپ کو اس لئے کہا جاتا ہے چونکہ وہ قاضی ابی ثابت محمد بن احمد بخاری کے بھانجے تھے۔

(۱۰) شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد حلوانی بخاری، جو مبسوط کے مصنف تھے اور وہ اہل بخارا کے اپنے وقت میں امام تھے ۴۴۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی جو حلوانی کے شاگرد تھے مجتہدین میں ان کا شمار تھا امام علامہ صاحب حجت متکلم و مناظر اور صاحب اصول اور مجتہد تھے مشہور کتاب انہوں نے مبسوط روز جند کے ایک کنویں میں قید کی حالت میں تھے پندرہ جلدوں میں املا کرائی۔ خاقان کو ایک نصیحت کرنے کے جرم میں ان کو یہ سزا دی گئی تھی اور بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے اپنے حافظہ سے کنویں میں سے لکھواتے تھے اور ان کے شاگرد کنویں کے اوپر بیٹھ کر لکھتے تھے اصول فقہ میں ان کی ایک کتاب سیر کبیر کی شرح ہے اور مختصر طحاوی کی شرح لکھی اور ان کی مبسوط دراصل کافی کی شرح ہے جو حاکم اور شہید نے لکھی ہے اور یہ مصر میں چھپ چکی ہے پانچویں صدی کے آخر میں وفات پائی۔

(۱۲) ابو عبداللہ محمد بن علی دامغانی، عراق میں احناف کی ریاست ان پر ختم ہوئی اور وہ صیمری اور قدوری کے شاگرد تھے اور بغداد میں قضاءت ان کو ملی، دامغان میں ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۷۸ھ میں وفات پائی، ابوالطیب شافعی ان کی تعریف کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ دامغانی ہمارے اکثر اصحاب سے زیادہ مذہب شافعی کو جاننے والے ہیں اور وہ شیخ ابواسحق شیرازی شافعی سے مناظرہ کیا کرتے تھے۔

(۱۳) علی بن محمد بزدوی، جنہوں نے گیارہ جلدوں میں مبسوط لکھی اور جامع کبیر و جامع صغیر کی شرح لکھی اور کتاب اصول بزدوی کے مصنف ہیں۔ اور فقہ میں ان کی ایک کتاب مختار الفقہاء ہے سنہ ۴۰۰ھ کے حدود میں پیدا ہوئے اور سنہ ۴۸۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) شمس الائمہ بکر بن محمد زرنجری، زبردست امام اور مذہب کی حفاظت میں ضرب المثل تھے سنہ ۴۲۷ھ میں پیدا ہوئے اور حلوانی سے علم حاصل کیا سنہ ۵۱۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابو اسحاق ابراہیم بن اسماعیل صفار، جو قاضی خاں کے استاد تھے اور ان کے آباد اجداد سب کے سب بڑے فقہاء تھے بخارا میں سنہ ۵۳۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) طاہر بن احمد بن عبد الرشید بخاری صاحب خلاصۃ الفتاوی ماوراء النہر میں حنفیہ کے شیخ اور مسائل میں اجتہاد کرنے والوں میں بڑے مشہور لوگوں میں سے تھے ان کی تالیفات میں خزانۃ الواقعات ہے سنہ ۵۴۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ظہیر الدین عبد الرشید بن ابی حنیفہ بن عبد الرزاق ولوالجی، ان کی فتاوی کی ایک کتاب ہے جو ولوالجیۃ کے نام سے مشہور ہے سنہ ۵۴۰ھ کے بعد وفات پائی۔

(۱۸) ابو بکر بن مسعود بن احمد کاسانی جو ملک العلماء کے لقب سے ملقب تھے کتاب بدائع کے مؤلف ہیں جو ایک اچھی ترتیب کی کتاب ہے اور کتاب تحفۃ الفقہاء کی شرح لکھی ہے جو ان کے شیخ علاء الدین محمد بن احمد سمرقندی نے لکھی تھی سنہ ۵۸۷ھ میں وفات پائی

(۱۹) فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی فرغانی جو قاضی خان کے نام سے مشہور بہت بڑے امام ہیں فتاویٰ کی مشہور کتاب لکھی جس میں اور عام طور پر پیش آنے والے مسائل درج ہیں اس کے علاوہ واقعات امالی محاضر آپ کی تصانیف ہیں اور زیادات جامع صغیر اور ادب القضاۃ مصنفہ خصاف کی شرح لکھی اور اس کے علاوہ اور کتابیں بھی لکھیں سنہ ۵۹۲ھ میں وفات پائی ان کا شمار مسائل میں اجتہاد کرنے والوں میں ہے اور قاسم بن قطلوبغا نے قدوری کی تصحیح میں لکھا ہے کہ قاضی خاں کی تصحیح دوسروں کی تصحیح پر مقدم ہے کیونکہ وہ خود فقیہ ہیں۔

(۲۰) علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل فرغانی مرغینانی صاحب ہدایہ، امام و فقیہ و حافظ تھے اور ان کی تصانیف کتاب منتقی نشر المذہب تجنیس مناسک الحج مختارات النوازل کتاب الفرائض ہیں۔

۲۹۳ھ میں وفات پائی۔

مالکی مذہب کے بڑے فقہاء

(۱) محمد بن یحیٰی بن لبابہ اندلسی جو اپنے زمانہ میں مذہب کے بہت بڑے حافظ شروط باندھنے کے عالم اور اس کی علتوں کے ماہر تھے، وہ فتویٰ اور فقہ میں مذہب کی پابندیوں سے آزاد رہا کرتے تھے فقہ میں ان کی کئی تالیفات ہیں جن میں سے ایک منتخبہ اور ایک کتاب الوثایق ہے ابن حازم فارسی کا قول ہے کہ ان کی کتاب منتخبہ کے مقابلہ میں ہمارے اصحاب کی کوئی کتاب نہیں ہے اس کتاب کی تصنیف کا مقصد مسائل مدونہ کی شرح ہے ۳۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابوبکر بن علاء قشیری اصل میں بصرہ کے رہنے والے تھے پھر مصر کی طرف منتقل ہوئے قاضی اسماعیل کے شاگردوں سے فقہ حاصل کیا اور بڑی کتابیں تالیف کیں جن میں سے ایک کتاب الاحکام ہے جو اسماعیل بن اسحاق کی کتاب کا خلاصہ اور اس پر کچھ اضافہ ہے اور کتاب الاعلی المزنی کتاب اصول فقہ اور کتاب قیاس وغیرہ بھی آپ کی تصانیف ہیں ۳۴۴ھ میں وفات پائی۔

(۳) ابو اسحاق محمد بن قاسم بن شعبان عنسی، جو مصر میں اپنے وقت میں مالکی فقہاء کے رئیس اور ان میں سب سے زیادہ مالک رہ کے مذہب کے حافظ تھے لیکن ان کی کتابوں میں مالک رہ کے نادر اقوال اور قوم کے ایسے شاذ اقوال تھے جو ان کے شاگردوں میں مشہور نہ تھے نہ ان کے ثقات اصحاب نے روایت کی انہوں نے مذہب امام مالک رہ کا استقراء کیا اور کتاب زاہی شعبانی فقہ میں تالیف کی ۳۵۵ھ میں وفات پائی۔

(۴) محمد بن حارث بن اسد خشنی، جنہوں نے قیروان میں فقہ حاصل کیا پھر اندلس آئے اور وہاں کے علماء سے علم حدیث حاصل کیا اور قرطبہ کو وطن بنا لیا فقہ کے حافظ اور اس فن میں سبقت لے جانے والے فتاویٰ کے عالم اور مسائل میں بہتر قیاس کرنے والے تھے اور امام مالک رہ کے مذہب میں اتفاق و اختلاف پر ایک کتاب لکھی ایک اور کتاب جس میں امام مالک رہ کے اصحاب نے ان سے اختلاف کیا تصنیف کی اس کے علاوہ فتاویٰ کی کتاب اور دوسری کتابیں لکھیں ۳۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابوبکر محمد بن عبداللہ معیطی اندلسی، فقہ کے حافظ اور امام مالک رح اور ان کے اصحاب کے مذہب کے عالم تھے اور یہ وہی ہیں جنہوں نے ابی عمر اشبیلی کے ساتھ امیر المومنین حکم کے لئے کتاب استیعاب مکمل کی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب حکم کے پاس پہنچی جس کو قاضی اسماعیل کے بعض اصحاب نے شروع کیا تھا، اور اس کی باب بندی کی اور اس کو ایک ایسی جامع کتاب مخصوص اقوال مالک رح کی بنائی تھی۔ جس میں ان کے کسی شاگرد کا قول ان سے روایات کے اختلاف میں شریک نہ تھا اور مولف اس کے پانچ جز، لکھ چکے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا جب اس کتاب کو (حکم) نے دیکھا تو اس کو پسند آ گئی اور اس کے تکمیل کی خواہش پیدا ہوئی اور اس کے لئے معیطی اور ابوعمر کو منتخب کیا جس کو ان دونوں نے ایک سو جلدوں میں مکمل کیا معیطی کا ۳۶۷ھ میں انتقال ہوا۔

(۶) یوسف بن عمر بن عبدالبر، جو علماء اندلس کے شیخ تھے اور اپنے وقت میں ان کے بڑے محدثین سے تھے انہوں نے ایک کتاب جس کا نام "الستذکار بمذاہب علماء الامصار فیما تضمنہ الموطا من معانی الآثار" ہے تصنیف کی جس میں موطا کی ترتیب کے مطابق اس کی شرح اور فقہ میں ایک کتاب کافی لکھی اس کے علاوہ اور کتابیں بھی لکھیں جو ان کے ماہر فن ہونے پر دلالت کرتی ہیں ۳۸۰ھ میں وفات پائی۔

(۷) ابو محمد عبداللہ بن ابی زید عبدالرحمٰن نفزی قیروانی جو اپنے وقت میں مالکیوں کے امام اور ان کے رئیس تھے اور مذہب مالک رح کے جامع اور ان کے اقوال کے شارح تھے اور اطراف عالم سے لوگ ان کے پاس آیا کرتے تھے ان کے برگزیدہ شاگردوں کی تعداد بہت تھی اور انہوں نے مذہب کو ملخص کیا وہ چھوٹے امام مالک کے نام سے مشہور تھے ان کی بہت سی تالیفات تھیں جن میں سے ایک نوادر ہے اور ایک زیادات تھی مدونہ اور ایک مدونہ کا خلاصہ ہے اور ایک عتبیہ کی تہذیب ہے اور کتاب الرسالۃ مشہور ہے اس کے علاوہ اور کتابیں ہیں ۳۸۶ھ میں وفات پائی۔

(۸) ابوسعید خلف بن ابی القاسم ازدی جو براذعی کے نام سے مشہور ہیں ابی محمد بن ابی زید اور قابسی کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں اور مذہب کے حفاظ میں سے ہیں اور اس مذہب

ہیں ان کی کئی تالیفات ہیں جن میں سے ایک کتاب التہذیب ہے جو مدونہ کا اختصار ہے جس میں ابو محمد کے اختصار کی طرز اختیار کی ہے لیکن انہوں نے اس کی ترتیب مدونہ کی طرز پر رکھی ہے اور جو ابو محمد نے اس کتاب میں اضافہ کیا تھا اس کو حذف کر دیا ہے یہ کتاب مغرب اور اندلس میں معمول بہ رہی ہے۔ اور ان کی تالیفات میں کتاب التمہید بھی ہے جو مدونہ کے مسائل ابو محمد کے اختصار اور ان کی زیادات کے طرز پر ہیں اور ان کی ایک کتاب اختصار الواضحہ ہے۔

(۹) ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابہری، جن کی کئی تصنیفات مذہب امام امام مالک رحہ کے دلائل اور شرح میں ہیں اور مخالفین پر رد کی کتابیں بھی ہیں اور اپنے وقت میں اپنے اصحاب کے امام اور ثقہ ثابت قدم مشہور تھے بغداد میں فقہ حاصل کیا اور عبد الحکم کی مختصر کبیر اور مختصر صغیر کی شرحیں لکھیں جو ان شہروں میں انہی کی وجہ سے امام مالک کا مذہب پھیلا اور عراق میں اپنے وقت میں امام مالک کی رائے کو قائم رکھنے والے تھے جامع منصور میں ساٹھ درس اور فتویٰ دیتے رہے اور مالک کے تلامذہ میں عراق میں قاضی اسماعیل کے بعد ابہری کے مثل کوئی شاگرد پیدا نہیں ہوا اسی طرح ان دونوں کے طبقے میں دنیا کے کسی خطہ میں سحنون کے سوا ان دونوں کا کوئی مد مقابل نہ تھا بلکہ ان کے شاگرد سب سے زیادہ تھے اور اتباع کے لحاظ سے ان کے شاگرد دوسرے لوگوں سے افضل تھے اور ان کے طلباء سب سے زیادہ ممتاز تھے اور ابہری کی تالیفات میں مذکورہ بالا تالیفات کے علاوہ مزنی پر رد کی کتاب ہے اور کتاب الاصول اور کتاب اجماع اہل مدینہ وغیرہ ہیں ان کی موت کے بعد امام مالک رح کا مذہب عراق میں کمزور ہو گیا بغداد میں ۳۹۵ھ میں انھوں نے وفات پائی۔

(۱۰) ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المعروف بابن ابی زمنین البیری بڑے فقہاء اور محدثین سے تھے " المغرب فی المدونہ" تصنیف کی اور اس کے اشکال کی شرح کی اور اس کے نکات میں جو تفقہ تھا اس کی وضاحت کی اور اس کے الفاظ پر غور و فکر کے بعد اس کی مرویات کو ضبط کیا مدونہ کی مختصرات میں اس کے مثل کوئی نہیں اور کتاب منتخب فی الاحکام اور کتاب مہذب وغیرہ تصنیف کیں ۳۹۹ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) ابوالحسن علی بن محمد بن خلف المعافری، جو ابن قابسی کے نام سے مشہور تھے، وسیع الروایۃ اور عالم بالحدیث تھے اور اس کے علل اور اس کے رجال کو جانتے تھے فقیہ اور صاحب اصول تھے کئی مفید تالیفات ہیں جن میں سے ایک کتاب الممہد فی الفقہ اور احکام دیانۃ اور کتاب مختصر موطا ہے ۴۰۳ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) قاضی عبدالوہاب بن نصر بغدادی مالکی، مناظرہ میں بہترین عمدہ تعبیر کرنے والے تھے ابہری کے بڑے شاگردوں سے فقہ حاصل کیا پھر بغداد میں جب ان کی مخالفت ہوتی تو مصر چلے گئے وہاں ان کی عزت کی گئی ان کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں ایک کتاب النصر لمذہب امام دار الہجرۃ اور المعونۃ لمذہب عالم المدینہ اور ایک کتاب الادلہ لمسائل الخلاف ہے اور رسالہ ابن ابی زید اور مدوّنہ کی شرحیں بھی لکھیں ۴۲۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد الحضرمی المعروف بہ لبیدی افریقہ کے مشہور علماء سے ہیں، ابن ابی زید اور ابوالحسن قابسی سے فقہ حاصل کیا مذہب میں بہت بڑی کتاب تالیف کی جو بڑی بڑی دوسو جلدوں میں تھی جس میں مدونہ کے مسائل اور اس کی تفصیلات میں تھی اور اس کی شاخیں نکالنے اور اصولی مسائل کی زیادتی اور نادر روایتوں میں ہے اور ایک کتاب مدونہ کے اختصار میں ہے جس کا نام ملخص ہے ۴۴۰ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

(۱۴) ابوبکر محمد بن عبداللہ بن یونس صقلی، امام وفقیہ علم فرائض کے عالم اور ہمیشہ جہاد میں مشغول رہتے بہت شجاع تھے علم فرائض میں ایک کتاب لکھی اور ایک کتاب جامع مدونہ لکھی، جس میں اور اصولی مسائل درج کیے ۴۵۱ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابوالولید سلیمان بن خلف باجی، اندلس میں علم حاصل کیا پھر مشرق کی طرف گئے اور وہاں بہت علم پھیلایا پھر اپنے وطن کو واپس ہوئے ابن حزم کے معاصر تھے اور ان کے ساتھ ان کے مناظرات ہیں اور ابن حزم انہی کے بارہ میں کہا کرتے تھے کہ مالکی مذہب کے اصحاب میں قاضی عبدالوہاب کے بعد ابوالولید باجی کے مثل کوئی نہ تھا اور ان کی بہت سی تالیفات ہیں جیسے الموطا فی شرح الموطأ اور کتاب المنتقی ہے کہ وہ بھی اسی کی شرح ہے دراصل وہ کتاب استیفاء کا خلاصہ ہے کتاب السراج فی علم الحجاج اور کتاب مسائل الخلاف اور کتاب المہذب

مدونہ کے اختصار میں ہے اور ایک کتاب شرح مدونہ ہے اور کتاب احکام الفصول فی احکام الاصول وغیرہ ۴۹۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) ابوالحسن علی بن محمد ربعی، جو لخمی سے ملقب ہیں قیروان کے رہنے والے صفاقس میں بڑے فقیہ و فاضل تھے مدونہ پر بڑی تعلیق لکھی تھی جس کا نام تبصرہ رکھا جو بہت مفید اور اچھی ہے لیکن اس میں اکثر اختیار و تخریج سے کام لیا ہے اس لئے مذہب کے اختیارات سے نکل گئے ۴۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد قرطبی جو اپنے زمانہ میں فقہاء اندلس و مغرب کے سربرآوردہ سردار تھے ان کی صحت نظر اور عمدہ تالیف اور فقہ میں باریک بینی کا اعتراف کیا جاتا تھا ان پر روایت سے بڑھ کر درایت غالب تھی، کتاب البیان والتحصیل لمافی المستخرجۃ من التوجیہ والتعلیل اور کتاب المقدمات لاوائل کتب المدونۃ لکھی اور یحیی بن اسحاق کی مؤلفہ کتابوں کا اختصار اور طحاوی کی کتاب مشکل الآثار کی تہذیب کا خلاصہ لکھا ۵۲۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۸) ابوعبداللہ محمد بن علی بن عمر تمیمی مازری صقلی، جو اہل افریقہ اور اس کے علاوہ مغرب کے امام تھے اور شیوخ افریقہ میں تحقیق فقہ اور رتبہ اجتہاد اور باریک بینی کا شغل رکھنے والوں میں آخری تھے فقہ اور اصول میں شروح لکھیں اور کتاب مسلم کی شرح اور قاضی عبدالوہاب کی کتاب تلقین کی شرح لکھی۔ مالکی لوگوں کے لئے اس کتاب کی مثل کوئی کتاب نہیں اور امام حرمین کے کتاب برہان کی شرح لکھی جس کا نام محصول من برہان الاصول رکھا ۵۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۹) ابوبکر محمد بن عبداللہ، جو ابن عربی کے نام سے مشہور تھے معافری اشبیلی، جنہوں نے اپنے شہر میں تعلیم حاصل کی پھر بلاد مشرق کی طرف طویل سفر کیا اور بہت سے علماء سے ملاقات کی جن میں امام غزالی رحمہ اللہ بھی ہیں اور ان سے بہت فائدہ حاصل کیا اور مسائل اختلاف اور اصول و کلام کو عمدہ طور پر حاصل کیا پھر علم سے مالامال ہو کر اندلس کو واپس ہو نے بہت سی تصانیف کیں ان کی تصنیفات سے کتاب احکام القرآن اور کتاب المسالک فی شرح موطا مالک ہے اور ایک کتاب محصول فی اصول الفقہ ہے ۵۴۳ھ میں وفات پائی۔

(۲۰) قاضی ابوالفضل عیاض بن موسی بن عیاض یحصبی سبتی جو حدیث و تفسیر میں اپنے وقت کے

امام تھے فقیہ صاحب اصول اور ان احکام کے بڑے واقف تھے جو شروط کو منعقد کرتی ہیں مذہب امام مالک رہ کے حافظ تھے ان کے استادوں میں ابن رشد بھی ہیں جن کی بہت سی مفید تصنیفات ہیں جن میں سے ایک اکمال العلم فی شرح صحیح مسلم اور شفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور مشارق الانوار فی تفسیر غریب الموطا و بخاری و مسلم ہے اور کتاب ترتیب مدارک اور تقریب المسالک لمعرفۃ اعلام مذہب مالک رہ وغیرہ ہیں ۵۴۱ھ میں وفات پائی۔

(۲۱) اسماعیل بن مکی عوفی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اولاد میں سے ہیں جن کا خاندان سرحد اسکندریہ میں بڑا اور علم میں مشہور ہے اور وہی شرح تہذیب کے مولف ہیں جس کا نام عوفیہ ہے جس کی (۳۶) جلدیں ہیں۔ مؤلف دیباج اس کی ایک جلد پر واقف ہوا جو اس سے نقل کی گئی تھی کہا جاتا ہے کہ وہ پچاس جلدوں کا ایک ٹکڑا ہے جو بڑی سائز میں ہیں جس کے ساڑھے پانچ کراسے (۲۷) سطری مسطر سے ہیں جس میں صرف سجدہ تلاوت کی بحث تھی (۲۹۷۰) سطر میں تھی انہوں نے ۵۸۱ھ میں وفات پائی۔

(۲۲) محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد جو "ابن رشد" کے نام سے مشہور تھے ان پر روایت سے بڑھ کر درایت غالب تھی اندلس میں کوئی شخص ان کے مثل کمال و علم و فضل میں پیدا نہیں ہوا اور ان کی عمدہ تالیفات میں سے کتاب بدایۃ المجتہد اور فقہ میں نہایت المقتصد ہے جس میں اختلاف کے وجوہ اور ان کی علتیں بیان کیں اور نہایت عمدہ اور مفید معلومات جمع کی ہیں اس لئے ان کے وقت میں ان سے زیادہ مفید اور بہتر طرز کی کوئی کتاب نظر نہیں آتی اصول میں المستصفیٰ کا خلاصہ کیا ۵۹۵ھ میں وفات پائی۔

(۲۳) ابو محمد عبداللہ بن نجم بن شاس، جذامی سعدی، جنہوں نے مذہب امام مالکؒ میں ایک نفیس کتاب تصنیف کی جس کا نام "الجواہر الثمینۃ فی مذہب عالم المدینۃ" رکھا اس کی ترتیب انہوں نے غزالیؒ کی "وجیز" کی ترتیب پر رکھی مصر میں مالکی حضرات اس کے حسن اور کثرت فوائد کی بنا پر اسی کتاب کی طرف مائل تھے ۶۱۰ھ میں وفات پائی۔

اور یہ وہ شافعی رہ حضرات ہیں جنہوں نے اس زمانہ میں مذہب شافعیؒ کی تالیف کی اور ان کے مذہب کو پھیلاتے اور اس کی کتابوں کی اصلاح میں مشغول رہے اور اس میں امتیاز حاصل کیا وہ

اکثر اہل عراق اور خراسان اور ماوراء النہر سے تعلق رکھتے ہیں درج ذیل ہیں۔

(۱) ابواسحاق ابراہیم بن احمد مروزی فتویٰ اور تدریس میں اپنے زمانہ کے امام تھے فقہ ابن سریج سے حاصل کیا اور اس میں کمال حاصل کیا اور عراق میں ابن سریج کے بعد ریاست انہی کو ملی بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور مزنی کی شرح لکھی اور بغداد میں ایک زمانہ تک درس و فتویٰ دیتے رہے اور ان کے اصحاب میں بہت سے برگزیدہ اکابر پیدا ہوئے پھر آخر عمر میں مصر کی طرف چلے گئے اور وہیں ۳۴۰ھ میں وفات پائی اور حضرت امام شافعی رح کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔

(۲) ابواحمد محمد بن سعید بن ابی القاضی خوارزمی جو اہل علم کے خاندان سے تھے ابوبکر صیرفی اور ابواسحاق اور ان دونوں کے طبقوں کے علماء سے فقہ حاصل کیا اور وہ کتاب حاوی اور عمدۃ القدیمین کے مصنف ہیں ماوردی اور فورانی نے یہ دونوں کتابیں خود انہی سے پڑھی ہیں اور اصول میں ان کی ایک کتاب ہدایہ ہے ۳۴۰ھ کے چند سال بعد وفات پائی۔

(۳) ابوبکر احمد بن اسحاق ضبعی نیشاپوری فقہ میں بلند درجہ حاصل کیا اور کتاب الاحکام تصنیف کی ۳۴۳ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابوعلی حسین بن حسین معروف بہ ابن ابی ہریرہ مشائخ شافعیہ اور ان کے ائمہ میں سے تھے ابن سریج سے فقہ حاصل کیا اور مختصر کی شرح کی ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابوالسائب عتبہ بن عبید اللہ بن موسیٰ القاضی جو علماء ائمہ میں سے تھے اور شوافع میں سب سے پہلے بغداد کے قاضی القضاۃ ہوئے ۳۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۶) قاضی ابوحامد احمد بن بشر مروزی، ابی اسحاق کے شاگردوں میں سے تھے کتاب جامع تصنیف کی جو اصول و فروع پر محیط ہے جس میں نصوص اور وجوہ مذکور ہیں شافعی رح حضرات کے نزدیک یہ قابل اعتبار اور بہترین کتاب ہے مختصر مزنی کی شرح کی ۳۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۷) محمد بن اسماعیل معروف بہ قفال کبیر شاشی جو ماوراء النہر میں شافعیوں کے بڑے فقہاء میں سے تھے ان کی ایک کتاب اصول فقہ میں ہے اور رسالہ کی شرح کی ہے اور انہی کے ذریعہ ماوراء النہر میں فقہ شافعی کی اشاعت ہوئی ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔

(۸) ابو سہل محمد بن سلیمان صعلوکی، ابی اسحاق مروزی سے فقہ حاصل کی پھر نیشاپور واپس گئے وہاں درس و فتویٰ دیتے رہے ۳۶۹ھ میں وفات پائی۔

(۹) ابو القاسم عبد العزیز بن عبد اللہ دارکی جنہوں نے نیشاپور میں تعلیم حاصل کی اور ابی اسحٰق مروزی سے فقہ حاصل کیا اور انہی سے عام مشائخ بغداد نے علم حاصل کیا ۳۷۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) ابو القاسم عبد الواحد بن حسین صیمری، مذہب کے حافظ بہترین اور قابل مصنف تھے، انہی سے ایک جماعت نے علم حاصل کیا ماوردی نے بھی ان سے علم حاصل کیا ان کی تصنیفات میں الافصاح فی المذہب اور کتاب الکفایۃ اور کتاب فی القیاس والعلل، اور آداب مفتی و مستفتی ہیں ایک کتاب الشروط میں ہے ۳۸۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) ابو علی حسین بن شعیب سنجی، خراساں کے بڑے عالم تھے سب سے پہلے انہوں نے ہی عراق اور خراساں کے دونوں طریقوں کو جمع کیا اور وہ قاضی حسین قفال کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں مختصر کی شرح لکھی اور اسی کا امام حرمین نے مذہب کبیر نام رکھا ابن القاص کی تلخیص اور ابن الحداد کے فروع کی شرح لکھی اور ۴۰۳ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) ابو حامد بن محمد اسفرائنی طریقہ عراق کے شیخ مذہب کے حافظ اور امام تھے دارنی سے فقہ حاصل کیا اور ائمہ کبار میں شمار ہوئے اور دین و دنیا کی ریاست بغداد میں انہی کو ملی مزنی کی شرح میں ان کی طرف سے تعلیقات لکھی گئی ہیں یہ ابو عبد اللہ صیمری کے معاصر تھے جو اپنے زمانہ میں اصحاب ابو حنیفہ کے امام تھے اور قدوری رح نے انہی کے حق میں لکھا ہے کہ وہ شافعی رح سے زیادہ فقیہ اور صاحب نظر تھے ۴۰۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) ابو الحسن احمد بن محمد ضبی المعروف بہ ابن المحاملی، شیخ ابو حامد کے بڑے شاگردوں میں سے تھے، مجموع اور مقنع اور لباب وغیرہ تصنیف کیں اور شیخ ابی حامد کی طرف سے ان کی ایک تعلیق ہے جو انکی طرف منسوب ہے ۴۱۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) عبد اللہ بن احمد المعروف بہ قفال صغیر خراسان کے بڑے فقہاء میں سے ہیں اور ان کا طریقہ مذہب شافعی رح میں تہذیب کیا ہوا ہے جس کو ان کے شاگردوں نے ان سے سیکھا جو نہایت مضبوط اور تہذیباً واضح اور کثرت تحقیق کا ہے اور وہ خراسان میں ایسے ہی تھے جیسے ابی حامد....

اسفرائنی عراق میں تھے۔ ۴۱۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابواسحاق ابراہیم۔ بن محمد اسفرائنی جو ائمہ شافعیہ کے بڑے اماموں میں سے ہیں اصول فقہ میں اپنی تعلیق تصنیف کی نیشاپور میں ۴۱۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) ابوالطیب طاہر بن عبداللہ طبری، بڑے امام ہیں بغداد میں علمی ریاست کا ان پر خاتمہ ہوا عراقیوں نے انہی سے علم حاصل کیا۔ مزنی کی شرح کی، اختلاف اور مذہب اور جدال کے بارہ میں بہت سی بے نظیر کتابیں تصنیف کیں قاضی صیمری کے بعد ربع کرخ کے قاضی ہوئے، ابی الحسن طالقانی اور قدوری کے ساتھ ان کے بہت سے مناظرے ہوئے ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ابوعاصم محمد بن احمد ہروی عبادی مصنف زیارت و مبسوط و ہادی و ادب قضاۃ خود مشکل عبارت پیچیدہ بات کرنے میں مشہور تھے اور اس میں وہ اپنے استاد ابی اسحاق کے نقش قدم پر تھے ۴۵۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۹) ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد فورانی مروزی مصنف ابانہ و عہدہ وغیرہ تصانیف، جو ابی بکر قفال کے بڑے شاگردوں میں سے تھے اور اہل مرو کے شیخ تھے ۴۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۲۰) ابوعبداللہ قاضی حسین مروزی، جنہوں نے قفال سے فقہ حاصل کیا حرمین میں استاد تھے ۴۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۲۱) ابواسحاق ابراہیم بن علی فیروز آبادی شیرازی جو فقہ میں تنبیہ و تہذیب کے مصنف تھے اور اختلاف میں نکت، اور لمع اور اس کی شرح کے اور اصول فقہ میں تبصرہ کے اور جدال میں ملخص اور معونہ کے مصنف تھے اور فصاحت اور مناظرہ میں ضرب المثل تھے کہتے ہیں کہ وہ فقہ کے اصول بناتے اور اس کی فروع نکالتے میں ابن سریج کے قائم مقام تھے اور طلباء کی کثرت میں بھی انہی کی طرح تھے اور ابی عبداللہ دامغانی حنفی کے ساتھ مناظرے کیا کرتے تھے ۴۷۶ھ میں وفات پائی۔

(۲۲) ابونصر عبدالسید بن محمد ابن صباغ کے نام سے مشہور تھے اور شامل، کامل، عدۃ العالم

طریق السالم، کفایۃ المسائل اور فتاویٰ کے مصنف تھے بغداد میں شافعیوں کی ریاست ان کو ملی اور وہ ابو اسحاق شیرازی کے شل تھے اور سب سے پہلے انہوں نے ہی نظامیہ بغداد میں درس دیا ۴۷۸ھ میں وفات پائی۔

(۲۳) ابو سعد عبدالرحمن بن ماموں متولی مصنف تتمہ جس کو اپنے شیخ فورانی کی کتاب ابانہ پر تصنیف کیا جس میں حدود تک پہنچے، اور فرائض میں ان کی ایک مختصر کتاب ہے اور اختلاف میں ایک کتاب ہے شیخ ابی اسحاق کے بعد انہوں نے نظامیہ میں درس دیا ۴۸۸ھ میں وفات پائی۔

(۲۴) ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ جوینی مشہور بہ امام الحرمین اپنے والد سے فقہ حاصل کی اور نیشاپور کے بلکہ پورے مشرق کے فقہ اور اصول اور کلام میں امام مانے گئے اور مکہ میں چار سال مجاورت کی اور یہیں سے آپ کو امام الحرمین کا لقب حاصل ہوا نیشاپور واپس گئے تو نظام الملک نے ان کے لئے مدرسہ نظامیہ بنایا اور ان کی تصنیفات میں سے فقہ میں نہایہ ہے ابن سبکی کے قول کے مطابق مذہب میں اس کی مثال نہیں اور اصول فقہ میں برہان اور مذہب شافعی کی ترجیح میں مغیث الخلق تصنیف کی جس پر ان کے معاصر ابو اسحاق شیرازی نے بہت تعریف کی ۴۷۸ھ میں وفات پائی۔

(۲۵) ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسماعیل رویانی مصنف بحر جو ائمہ مذہب میں سے ایک امام ہیں حفظ میں ضرب المثل تھے اور نظام الملک ان کی بہت تعظیم کرتے تھے اور طبرستان اور اس کے دیہات میں سے رویان کے قاضی ہوئے ۵۰۲ھ میں قتل کئے گئے ان کی تصنیف بحر سے ماوردی کی حاوی مراد ہے البتہ اس کے ساتھ کچھ فروع جو اپنے والد اور دادا سے انہوں نے حاصل کیا تھا شامل کی ہیں۔

(۲۶) حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوس میں ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے امام الحرمین سے فقہ حاصل کی اور خوب کوشش کے بعد مذہب اختلاف اور جدال اصول فقہ وحدیث ومنطق میں کمال حاصل کیا اور حکمت وفلسفہ پڑھا، امام الحرمین ان کی تعریف بحر زخار کے نام سے کرتے تھے۔ امام الحرمین کی وفات کے بعد بغداد گئے اور نظامیہ کے متولی ہوئے وہیں مذہب میں بسیط

وسیط و وجیز وخلاصہ اور اصول فقہ میں مستصفیٰ اور منخول اور بدایۃ الہدایۃ اور خلافیات میں مآخذ، اور مسائل تعلیل کے بیان میں شفاء العلیل اور اس کے علاوہ مختلف علوم میں کتب تصنیف کیں[1] طوس میں ۵۰۵ھ میں وفات پائی امام غزالی کے بعد ان کا مثل پیدا نہیں ہوا۔

(۲۷) ابواسحٰق ابراہیم بن منصور بن مسلم عراقی فقیہ مصری شارح مہذب امام وخطیب جامع عتیق مصر، طلب علم میں پہلے عراق گئے پھر مصر آئے اسی لئے وہ عراقی مشہور ہوئے اور قاہرہ میں نہایت معظم ومحترم سمجھے جاتے تھے وہاں کے فقہاء نے ان سے علم حاصل کیا ۵۹۶ھ میں وفات پائی۔

(۲۸) ابوسعد عبداللہ بن محمد بن ہبۃ اللہ المعروف بہ ابن ابی عصرون تمیمی موصلی دمشق میں آئے اور وہاں کے قاضی القضاۃ ہوئے۔ موصل میں فقہ حاصل کی پھر بغداد میں پھر موصل میں درس دیا اور اخیر میں دمشق منتقل ہوئے اور وہاں ۵۷۳ھ قاضی مقرر ہوئے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے صفوۃ المذہب علی نہایۃ المطلب سات جلدوں میں ہے اور کتاب الانتصار ومرشد وذریعۃ فی معرفۃ الشریعۃ اور اختلاف میں تیسیرہ ہے اور ایک کتاب الارشاد وفی نصرۃ المذہب ہے جس کی انہوں نے تکمیل نہیں کی اس کے علاوہ اور تصنیفات بھی ہیں۔

(۲۹) ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد قزوینی رافعی جنہوں نے العزیز فی شرح الوجیز لکھی جس کو بعض لوگ فتح العزیز بھی کہتے ہیں اور "محرر" تصنیف کی اور مسند شافعی کی شرح لکھی اور اس کے علاوہ اور کتابیں لکھیں ۔ ان کی کتاب فتح العزیز ہی ان کے شرف کے لئے کافی ہے کیونکہ وہ ان کتابوں میں سے ہے جس کی مثال نہیں واقعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے یگانہ لوگوں میں سے تھے اور فقہ میں عمدۃ المحققین تھے درجہ اجتہاد تک پہنچے ہوئے تھے، ان کی وفات ۶۲۳ھ میں ہوئی۔

---

[1] معلوم نہیں مصنف نے امام غزالی کی مشہور ترین کتب احیاء العلوم اکسیر ہدایت منہاج العابدین کا ذکر کیوں مناسب نہیں سمجھا حالانکہ یہ دنیا کی مشہور ترین کتب انہی کی تصانیف میں سے ہیں ۱۲ منہ محمد رضی۔

(۳۰) محی الدین ابوزکریا یحیی بن شرف بن مری نووی سنہ ۶۳۱ھ نبوی میں پیدا ہوئے اور وہ محققین میں سے آخری تھے۔ اور شافعی رح کے اصحاب میں ان کا درجہ اجتہاد کا ہے، اللہ تعالے ان پر رحمت کرے انہوں نے کتاب روضہ تصنیف فرمائی جو رافعی رح کے شرح کبیر کا اختصار ہے اور اس سے اپنی کتاب منہاج کا خلاصہ کیا۔

چھٹا دور

بغداد کی فتح سے جو ہلاکو خاں کے ہاتھوں ہوئی اب تک اور یہ دور تقلید محض کا ہے۔

سیاسی پس منظر

ترکی یا طورانی اقوام بہت بڑی قومیں اور مختلف قبائل سے مرکب ہیں اسلامی بلاد میں ان کے داخل ہونے کے اسباب مہیا ہوئے تو وہ اصلی شہروں کے علاوہ بہترین اسلامی مقامات پر قابض ہو گئے کوئی طاقت ان کی پیش قدمی کو نہ روک سکی حتیٰ کہ وہ بلاد شام تک پہنچ گئے پھر مصریوں نے عین جالوت پر ان کا مقابلہ کیا جن کی قیادت مظفر قطز کر رہا تھا جو ممالیک بحریہ کے بادشاہوں کا تیسرا بادشاہ تھا اس نے ان کو بری طرح شکست دی جس کی وجہ سے مصر و شام ان کے غلبہ سے محفوظ رہا باوجود ان کی مکمل فتح مندیوں اور اکثر اسلامی شہروں پر ان کے قبضہ کے قوتِ اسلام نے ان کو اپنا مطیع بنا لیا اور وہ مسلمان ہو گئے ۔مسلمان ہونے میں ان کی شمالی جو نہر آمل میں سرائے میں تھی اور قسم شمالی جو بغداد اور بلاد فارس میں تھی اور قسم غربی بغداد و یران میں تھی مگر قسم اول اسلام کی طرف ایک صدی پیشتر سبقت کر چکی تھی اور مصر و شام پر جو عنصر غالب تھا وہ بھی ترکی عنصر ہی تھا اور وہی ممالیک کے نام سے مشہور تھے اور اسی بنا پر تمام بلاد اسلامیہ میں بجز بلاد مغرب کے جہاں مغربی برابرہ کی حکومت تھی ترکوں کی سلطنت ہو گئی اور آٹھویں صدی کے شروع میں ترکی ایشیا میں ایک شخص عظیم الہمۃ اور بہادر پیدا ہوا جس کا نام عثمان غحق تھا جو ترک قبیلہ کا سردار تھا اس نے اپنی قوم کے لئے آل سلجوق کے ویرانوں پر جو وسط ایشیا میں موجود تھے ایک حکومت کی بنیاد ڈالی اور وہ اور اس کی اولاد اس کے بعد اپنے پڑوس کے چھوٹے ممالک پر غالب ہوتے رہے حتیٰ کہ ان کی ایک بڑی حکومت قائم ہو گئی پھر وہ بذات خود یورپ پر حملہ آور ہوئے اور اس کے بڑے حصہ پر قابض ہو گئے اور نویں صدی کے نصف

پر ان کے ہاتھ پر شہر قسطنطنیہ فتح ہو گیا جو بعد میں ان کی حکومت کا دار الخلافہ بنا پھر انہوں نے اسلامی بڑی حکومتوں پر حملہ کیا جن میں سب سے بڑی حکومت مصر کی تھی جو خلافت اسلامیہ عباسیہ کا دار الخلافہ تھا اس پر بھی غالب آ گئے اور آخر خلفاء عباسیین کو انہوں نے ہٹا دیا اور اس کے بعد ان کے بادشاہ خلفاء کہلانے لگے اور اس طرح خلافت قاہرہ سے قسطنطنیہ منتقل ہو گئی اور مصر عثمانی حکومت کے تحت ہو کر ایک دم اپنے مقام سے سیاسی وعلمی طور پر گر گیا لیکن دولت عثمانیہ بڑھنے لگی اور قوت اس کو مدد دینے لگی حتی کہ اس کی سلطنت کے تحت بڑی اسلامی حکومتیں آگئیں اور اپنی عظمت کے بڑے زمانہ میں اسلام کا چراغ بلاد اندلس میں بجھ گیا جب کہ وہ تقریباً آٹھ صدی تک اس کو علم و ادب سے منور کر رہا تھا اور تیرھویں صدی کے شروع میں قضاء قدر نے مصر کے لئے ایک مرد مہیا کر دیا جو مرتبہ کے لحاظ سے بھی بڑا تھا اور انتہائی صائب الرائے تھا وہ محمد علی تھا مصر نے اس کو اپنا حاکم منتخب کر لیا اور اپنی کشتی کا ناخدا تجویز کر لیا اور اس وقت سے وہ اپنی طاقت کو واپس حاصل کرنے اور اپنی جگہ لوٹانے کی کوشش میں مصروف ہے، اسی زمانہ میں یورپ نے اسلام کے غلبہ کا مقابلہ شروع کیا اور علم نے اکثر اس کے ارادوں کو کامیاب کر دیا اور اس جنگ کا سلسلہ جاری ہے اور ہم نہیں جانتے کہ آخری کامیابی کس کو حاصل ہو گی۔

اس زمانہ میں اجتہاد

اس زمانہ میں لکھنے کے لئے کوئی چیز مجھے صاف اور واضح نظر نہیں آتی۔ یہ واضح نہیں ہے کہ میں اس دور میں اجتہاد کی ہوائیں اس زمانہ میں رکی ہوئی ہیں اور اس میں وہ باتیں نہیں ملتیں جو لکھنے والے سے لکھوائیں اور بیان کرنے والا اس کو کہے کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ پہلے دور میں تو اللہ تعالے اپنی شریعتیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل فرما رہا تھا اور وہ ان احکام کی جو اللہ تعالے نازل فرما رہا تھا تبلیغ فرما رہے تھے اور لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان فرما رہے تھے اور دوسرے و تیسرے دور میں صحابہ اور تابعین استنباط کے طریقے اللہ کی کتاب اور سنت رسول اور رائے صحیح سے ظاہر کر رہے تھے اور چوتھے زمانہ میں بڑے بڑے علماء اور چوٹی کے فقہاء اس پھل کو چن رہے تھے اور احکام شریعت کو مفصل طریقہ پر مدون کر رہے تھے۔

اور پانچویں دور میں ترتیب و تہذیب اور اختیار و ترجیح ہو رہی تھی تو اس دور کے متعلق جو آخری ہے کہنے والا کیا کہے۔ اور اس میں امتیاز کی کوئی چیز نہیں لیکن جب ہم نے اس دور کو دیکھا کہ ہم کو اس میں اٹھنے اور اپنے سلف صالح کے اقتدار کی ضرورت ہے تو ہم نے یہ ارادہ کیا کہ اس میں جو عیوب ہیں ان کو ظاہر کر دیں اور جب عیوب ظاہر ہوں تو صاحبان فکر و قدرت کے لئے ممکن ہوگا کہ اس کے علاج کے لئے کھڑے ہوں۔

اس زمانہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ علماء کے نفوس میں تقلید محض کی روح بیٹھ گئی ہے ان میں ایسا کوئی نہیں دیکھا جاتا جس کے نفس نے اس کو اجتہاد کے رتبہ پر پہنچایا ہو بجز چند کے اور وہ بھی اس دور کے پہلے نصف میں تھے اور یہ وہ زمانہ ہے جب کہ قاہرہ نے بغداد کی جگہ لی اور مملکت اسلامیہ کا مستقر اور خلافت عباسیہ کا دار الخلافہ بنا تو اس زمانہ میں ہر وقت ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جو اس رتبہ پر پہنچے لیکن اس کے باوجود وہ مشہور و معروف ائمہ کی طرف منسوب ہوتے رہے آگے نہ بڑھ سکے لیکن نصف ثانی میں جو دسویں صدی کی ابتداء سے اس وقت تک کا ہے حال بدل چکا ہے اور نشانات میں تغیر واقع ہو گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ کسی فقیہ کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کوئی بات پسند کرے یا کسی کو ترجیح دے ان کا زمانہ گزر گیا اور لوگوں کے اور متقدمین کی کتابوں کے درمیان حد فاصل قائم ہو چکی ہے اور ان کو صرف ان کتابوں پر اکتفا کرنا چاہیئے جو ان کے سامنے ہیں عنقریب ہم ذیل میں ان کا حال بیان کریں گے۔

جب ہم اس حالت کی طرف رجوع کرتے ہیں جب مصرانی مملکت کے سقوط اور اس سے خلافت منتقل ہونے کے پہلے تھا تو ہم کو حسب ذیل نام ملتے ہیں عز ابن عبد السلام۔ ابن حاجب۔ ابن دقیق العید۔ ابن رفعہ۔ ابن تیمیہ سبکی اور اس کے فرزند اور ابن قیم اور بلقینی اور اسنوی اور کمال ابن ہمام اور جلال الدین محلی اور جلال الدین سیوطی یہ چاروں مذاہب کے ممتاز لوگوں میں سے تھے۔ پھر ہم اس کے بعد نظر دوڑاتے ہیں تو صرف یہ کہ کسی بڑے عالم یا بڑے فقیہ یا محترم موکت کو ہی نہیں پاتے بلکہ ہم ایک قوم کو پاتے ہیں جس پر فقہ میں قناعت نے غلبہ حاصل کیا اس میں بہت ہی کم ایسے لوگ ملیں گے جو اپنے مذہب کے علاوہ مشغلہ رکھتے ہوں اور جو اپنے مذہب کا مشغلہ رکھے گا تو انہی کتابوں پر اکتفا کرے گا جو اس قدر مختصر ہیں

گویا کہ وہ سمجھنے کے لئے ہی نہیں لکھی گئیں گویا سیاسی سقوط علم پر گرا اور خصوصاً دینی علم کو انتہائی گہرے غار میں گرا دیا اور جب مصر اپنی بزرگی واپس لینے لگا تو اس کو فیح مواقع پیش آئے جو ہم عنقریب بیان کریں گے۔

اسلامی شہروں کے علماء کے درمیان تعلقات کا انقطاع گزشتہ زمانوں میں کسی فقیہ کو فقیہ کا لقب پورے طور پر نہ ملتا تھا اور نہ اس کا کامل احترام ہوتا تھا جب تک کہ وہ سفر نہ کرے اور اپنے شہر کے علماء کے علاوہ دوسرے شہروں کے علماء سے ملاقات نہ کرے اور بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کو ان کے شہروں میں رہنے کے باوجود ان کی جلالت قدر و علمی تبحر کا اعتراف کیا گیا ہو دیکھو جلیل القدر ائمہ و محدثین کو کہ تم ان سب کو سیاحان عالم میں سے پاؤ گے آج کسی شہر میں ہیں تو کل حدیث و فقہ حاصل کرنے کے لئے دوسرے شہر میں ہیں غرض علم کی پیاس بجھانے کے لئے شہر شہر پھرتے مکہ مکرمہ ان کو موسم حج میں جمع کر دیتا تھا تاکہ ہر ایک دوسرے سے اس کے پاس جو کچھ حدیث و فقہ اور رائے کا علم ہے حاصل کر سکے اور اسی بنا پر ایک زمانہ کے تمام علماء میں تعارف مکمل ہو جایا کرتا تھا اور یہ ان کے معلومات میں اضافہ کا اور آپس میں محبت کی تقویت کا باعث ہوتا باوجودیکہ اس میں ان کو سفر کی شدتیں برداشت کرنا پڑتیں لیکن اس دور میں خصوصاً آخری زمانہ میں تمام شہروں کے علماء میں تعلقات کٹ گئے چنانچہ ایک مصری عالم، ہندوستانی عالم کا نام نہیں سن سکتا تھا اور یہ مغربی عالم کو نہیں جانتا تھا اور اسی طرح ہر شخص البتہ ان میں سے جس کی کتاب نقل کی جائے تو اس وقت وہ اس کا نام سنتا بعض اوقات ان کی کتاب مشہور ہو جاتی اور بہت زیادہ واقعات موسم حج میں اس کے ہوتے کہ بعض علماء جو مختلف شہروں کے ہوتے وہ ایک دوسرے سے ملاقات کا اہتمام نہ کرتے یا اس سے روایت کی پروا نہ کرتے اور اس طرز عمل نے علوم اسلامیہ شرعیہ پر بلکہ متقدمین کے ان علوم پر جن میں روایت اور ملاقات کی ضرورت ہوتی ضعف ڈال دیا، یہ کافی نہیں کہ کسی عالم کی کتاب سے کوئی فائدہ حاصل کر سکے اس لئے کہ کتاب خاموش اور بیجان چیز ہے لیکن ملاقات ذہن کو تیز اور فکر کو بار آور کر دیتی ہے کیونکہ اس میں بحث اور گفتگو کرنے کا موقع ملتا ہے، ہم اس وقت دس صدی پہلے کی حرکت علمیہ کا وہ حال جانتے ہیں جس سے کم مثلاً اس وقت ہندوستان میں نہیں جانتے۔

ہمارے اور ائمہؒ کی کتابوں میں تعلقات کا انقطاع

یہ بڑی کتابیں جن کو قضا وقدر نے باقی رکھا ہے یہ اسلاف کی کتابیں ہیں اور یہ آثار قدیمہ کی ایک نشانی رہ گئی ہیں کہ زمانہ قدیم سے نہ کوئی اس کی پرواکرتا ہے اور نہ اس کا درس دیا جاتا ہے یہ کتب محمد بن حسن رحؒ اور محمد بن ادریس شافعی رحؒ اور مالک بن انس رحؒ جیسے ائمہ اور ان کے شاگردوں کی کتابیں ہیں بلکہ پانچویں دور تک کے ائمہ کی کتابیں ہیں اور یہ کتابیں وہ ہیں جو روح کو غذا پہنچاتی ہیں اور ہمت کو بلند کرتی ہیں اور فقیہ کو کامل بناتی ہیں بہت کم کسی عالم کو پاؤگے کہ وہ اس کے درس کا انتظام کرتا ہو یا اس کی اطلاع بھی رکھتا ہو بلکہ تم بڑے بڑے علماء کو پاؤ گے کہ ان کے نام بھی نہیں جانتے اور ان کتابوں میں سے کوئی کتاب اگر تمہارے ہاتھ میں آبھی جائے تو ان میں سے کوئی بہت کم اس کے پڑھنے کا اہتمام کرے گا اور انہوں نے ان کتابوں پر قناعت کر لی جو تنزل کے زمانہ میں لکھی گئی ہیں اس لئے ہمارے اور ان علماء کی کتب کے درمیان انقطاع تعلق ہو گیا صحیح و مفید روایت کے حاصل کرتے ہیں سوائے اس کے کہ کسی انسان کو اس کی ہمت و توجہ دلائے کہ وہ عام یا خاص کتب خانوں میں ان سے واقفیت حاصل کرے حالانکہ جب تم ان کتابوں اور متداول کتابوں کو ملا کر دیکھو گے تو تم عبارت کے سلیس ہونے اور تحریر کی پاکیزگی اور ماخذ کی سہولت میں بہت بڑا فرق پاؤ گے لیکن ہمتوں کے فتور اور ارادوں کے ضعف نے ہم کو بٹھا دیا اور عجب نہیں کہ ہم کو یہ امر تباہ کر دے۔

مجھ سے شیخ محمد محمود بن تلامید ترکزی شنقیطی نے جب کہ میں نے ان سے پہلی بار ملاقات کی سوال کیا تھا کہ تم نے کس سے ادب عربی سیکھا تو میں نے ان کو جواب دیا کہ یا سیدی کتابوں سے تو فرمایا کہ کتابیں معلم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں تو میں نے ان سے کہا یا سیدی میں کیا کروں کیونکہ ہمارے اور ہمارے اسلاف کے درمیان تعلقات منقطع ہو گئے ہیں تو اب نہ کوئی معلم رہا اور استاد کا پہنچانے والا لیکن جب کہ میں نے آپ کو دیکھا تو آپ کو کافی سمجھا تو شیخ کا چہرہ میرے جواب سے چمک اٹھا اور فرمایا انشاء اللہ انشاء اللہ اور اگر شیخ رحمۃ اللہ تھوڑا سا غور فرما لیتے تو ہمارے لئے اس عذر کو قبول فرما لیتے

اس لیے کہ اندھیروں کا زمانہ ہمارے اور ہمارے اسلاف کے علم کے درمیان حائل ہو گیا ہے بجز اس تلچھٹ کے جو نہ پیاس کو بجھاتا ہے اور نہ بیماری کو شفا دیتا ہے لہٰذا ہم کس قدر اس ہمت کے محتاج ہیں جو ان کتب کو ان کی خواب گاہوں سے اٹھائے اور رخ ان کی طرف پھیر دے تاکہ علوم اسلامیہ میں ہمارے مدارج بلند ہوں اور اگر ہم سے یہ ہو سکا تو ہم کہہ سکیں گے کہ ہم میں علماء ہیں۔

اختصار کی وجہ سے مطالب میں خلل

اختصار صرف اسی زمانہ کی بدعتوں میں سے نہیں ہے بلکہ یہ چوتھے دور میں بھی موجود تھی کیونکہ ائمہ کے شاگردوں نے ان کے کلاموں کا اختصار کیا اور اختصار کا طریقہ یہ اختیار کیا تھا کہ ان مسائل کو جن کی زیادہ ضرورت نہ ہوتی ان کو حذف کر دیا اور ائمہ نے جن مسائل کو غیر مرتب لکھا تھا اس کو مرتب کر دیا اور جلیل القدر علماء نے بھی اس معاملہ میں ان کی تقلید کی لیکن اسی دور کے آخر میں اختصار کی ایک نئی شکل پیدا ہو گئی تھی۔ اور وہ شکل یہ تھی کہ بہت سے مسائل کو تھوڑے الفاظ میں جمع کر دیا جاتا اور چونکہ عربی کلام کا ان کو پورا سلیقہ نہ تھا اس لیے ان کا کلام ایک معمہ یا چیستان بن کر رہ گیا گویا مؤلف ان مسائل کو اس لیے نہیں جمع کرتا تھا کہ سمجھا جائے بلکہ محض اس لیے کہ مسائل جمع کر دے اور اس اختصار کا نمونہ دکھلانے کے لئے میں ایک فصل تین کتابوں سے ایک ہی موضوع پر نقل کرتا ہوں یہ تین کتابیں ان مشہور کتابوں سے ہیں جو طالبان علم فقہ کی مشہور اور متداول رہی ہیں اور یہ موضوع اس پانی کے متعلق ہے جس سے طہارت جائز ہے یا نہیں۔ خلیل اپنی مختصر میں لکھتے ہیں۔

ناپاکی اور نجاست کا حکم مطلق سے اٹھ جاتا ہو اور وہ وہ ہے جس پر پانی کا نام صادق آ جائے بغیر کسی قید کے تو اگر شبنم سے جمع کرے یا اس کے جمنے کے بعد پگھل جائے یا جانور کا یا حائضہ کا یا ناپاک کا جھوٹا ہو یا ان دونوں کی طہارت سے بچا ہوا ہو یا بہت ہو اور ایسی نجاست سے مل گیا ہو جس نے اس کو بدل نہ دیا ہو یا اس کے بدلنے والے میں اس کا شک ہو کہ وہ نقصان کرتا ہے یا نہیں یا چکنے والے تیل کی قربت سے بدل گیا ہو یا تارکول کی بو سے جو کسی مسافر کا

برتن ہو یا اس سے پیدا ہونے والی کسی چیز سے یا اس کے تہ نشین میں یا کسی ڈالی ہوئی چیز سے خواہ وہ قصداً ہی کیوں نہ ہو مٹی یا نمک سے اور زیادہ راجح نمک سے "سلب" ہے نہ اس چیز سے جو رنگ یا مزہ یا بو کو بدلنے والی ہو اس چیز سے جو غالباً اس سے جدا ہو خواہ طاہر ہو یا نجس جیسے ملا ہوا تیل یا مصطگی کا دھواں اور اس کا حکم مثل اس کے بدلنے والے کے ہے اور اس کو نقصان کرتا ہے آب کشتی کے اونٹ کی رسی سے بدلنا جیسے حوض جانور کے گوبر سے یا کنواں درخت کے پتوں یا گھانس سے اور جنگل کے کنویں میں ان دونوں سے جواز ظاہر ہے اور موافق ملنے والے کو مخالف کے مثل بنانے میں تامل ہے اور اس پانی سے پاکی میں جو منہ میں ڈالا گیا ہو دو قول ہیں اور حدث میں جو پانی استعمال کیا گیا ہے اس سے پاکی کرنا مکروہ ہے اور اس کے غیر میں تردد ہے اور تھوڑا پانی جیسے غسل و وضو کا برتن ایسے نجس سے جس نے تغیر نہ کیا ہو یا اس میں کتے نے منہ ڈال دیا ہو اور ٹھہرا ہوا پانی جس میں غسل کیا جاتا ہو اور شراب پینے والے کا جھوٹا اور جس میں اس کا ہاتھ پڑ گیا ہو اور جو نجس پانی سے بے میل نہ ہو اس سے بچنا مشکل ہو تو نہیں یا وہ کھانے کی قسم سے ہو جیسے کشمش اور اگر اس کے استعمال کے وقت اس کے منہ پر سیرابی حاصل کی جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر جنگلی جانور جس کا خون بہتا ہو کسی ٹھہرے ہوئے پانی میں مر جائے اور وہ پانی متغیر نہ ہو تو ان دونوں کے برابر پانی کا نکالنا مستحب ہے اور وہ مرنے کے بعد گرے اور اگر نجاست کا تغیر زائل ہو جائے نہ کہ مطلق کثرت کی وجہ سے تو طہارت اس سے مستحسن ہے لیکن اس سے طہارت نہ کرنا زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔ اور خبر واحد قبول کی جائے گی اگر اس کی وجہ ظاہر کرے یا یہ کہ دونوں متفق المذہب ہوں ورنہ کہا کہ اس کا ترک مستحسن ہے اور نجاست پر پانی کا آنا اس کے عکس کے مثل ہے۔

اور زکریا انصاری اس مسئلہ کو اپنی منہج میں اس طرح لکھتے ہیں بہنے والے مطلق پانی سے طہارت کی جائے گی اور وہ وہ ہے جس کو پانی کہا جائے بغیر کسی قید کے تو جو پاک ملنے والی چیز سے متغیر ہو جائے جس سے تغیر مستغنی عنہ ہو تو وہ نام کو بدل دے گا اور پاک کرنے والا نہ ہوگا نہ کہ مٹی اور پانی کا نمک اگرچہ اس میں ڈال دئے جائیں اور مکروہ ہے سخت گرمی اور سردی والا اور دھوپ کا پانی اس کے شرط کے ساتھ اور فرض میں مستعمل پاک

کرنے والا نہ ہوگا اگرچہ قلیل ہو۔ اور پانی کے دو قلے نجس نہیں ہوتے ہیں اور وہ دو قلے تقریباً پانچسو رطل بغدادی ہیں کسی نجس کے ملنے سے تو اگر وہ اس کو متغیر کر دے تو نجس ہے تو اگر اس کا تغیر بنفسہ زائل ہو جائے یا کسی پانی سے تو پاک ہو جائے گا۔ اور ان کے سوائے نجس ہوگا۔

مرنے سے جس کا خون نہ بہتا ہو اور نہ ڈالا گیا ہو۔ یہ وہ تین کتابیں ہیں جو ہمارے زمانے کے تینوں مذاہب میں سے کسی ایک میں طالب علم کو عالم بناتی ہیں جن کو تعبیر کے لحاظ سے دیکھو تو وہ خود تنہا سمجھ میں نہیں آتیں۔ اسی لئے وہ شرح کی محتاج ہوگئیں اور شرح حاشیہ کی محتاج ہوئی۔ اور تمہارے دل میں یہ خیال نہ گزرے کہ اس موضوع کو دو ہفتوں سے کم میں پڑھا جا سکتا ہو اور یہ وقت بھی مصنف کے مقاصد کے سمجھنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کتابیں دلائل سے خالی نہیں اسی لئے تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ میں سوائے اس فرق کے کچھ نظر نہیں آتا کہ تعلیم یافتہ وہ مسائل جانتا ہے جو غیر تعلیم یافتہ نہیں جانتا لیکن یہ کہ امام نے مسئلہ کس دلیل سے لیا ہے تو اس سے وہ کورے رہیں گے۔ حالانکہ فقہ اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اور بلحاظ ضرورت ان میں کوئی اثر تمام ائمہ کے خلاف کے لئے نہ پاؤ گے اور یہ چیز طالب العلم پر حسن فہم کا دروازہ بند کر دیتی ہے اور اسی چیز نے فقہاء کو ہمارے درمیان کم درجہ کر دیا ہے بلکہ وہ عوام سے قریب ہو گئے ہیں۔ حنفیہ کی بعض متداول کتابیں جیسے ہدایہ اور اسکی شرح ہدایہ ان میں بلاشبہ دلائل اور اختلافات سے بحث کی گئی ہے۔ لیکن شوافع اور مالکی مذہب کی کتابوں میں یہ بات نہ ملے گی۔

کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ جب ہم تقلید کی حد پر ٹھہر گئے تو اس سے آگے بڑھنے کا موقع نہیں رہا اور فقہ کی تعلیم پانے والے کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ کتنا ہی عالی مرتبت کیوں نہ ہو جائے لیکن اپنے امام سے بڑھ سکے اور مذہب میں اگر دو قول ہوں تو کسی کو ترجیح دے سکے کیونکہ ترجیح دینے والوں کا بھی زمانہ گزر چکا تو پھر دلیلوں میں مشغول ہوتے یا دوسرے ائمہ کی رایوں پر اطلاع حاصل کرنے سے کیا فائدہ۔

ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اس وقت بہتر ہوتا جب کہ طالب معرفت عوام سے ہوتا جو احکام میں سے کسی حکم کو جاننا چاہیں لیکن جو لوگ فقہاء بننا چاہیں تو ان کا درجہ یہ ہے کہ وہ جان لیں

کہ ان کے امام نے حکم کہاں سے لیا اور اگر وہ اپنے مخالف کی رائے اور ماخذ اور استنباط کا طریقہ بھی معلوم کریں تو اس طرح ان کی معلومات اور علم میں بھی ترقی ہوگی تو ان کا درجہ ان کے سلف سے کون کم کر سکتا ہے جو اپنے لئے انہی اقوال کو منتخب کر لیا کرتے تھے جس کو اس مذہب کے لوگوں نے کہا جس کی وہ تقلید کرتے اور فقیہ کا درجہ جب اس مرکز پر ٹھہر گیا جس پر عوام ہیں تو وہ یقیناً قانون شرعی کے ضعف کی دعوت دے گا اس لئے کہ ایسی فقہ کو جاننے والوں کی کوئی فکر ہوگی نہ رائے اور یہ بات جیسا کہ ہم آثار دیکھ رہے ہیں اس کے حقیقت کی گواہی دیتے ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہ ہوگی اگر وہ تمام کتابیں جو اسلامی رفعت کے زمانہ میں لکھی گئی ہوں یعنے چوتھے اور پانچویں دور میں لکھی ہوں وہ گم ہوگئی ہوں اور طالبان کے ہاتھوں میں کچھ نہ باقی رہے سوائے ان کتابوں کے جو زوال اور زبان عربی کے ضعف کے زمانہ میں لکھی گئی ہوں تو طلبار کے لئے اس کی اصلاح ضروری ہوگی جب کہ وہ خلوص سے کام لیں جس کے لئے ان کو چاہیئے کہ وہ سب سے پہلے اپنے اسلاف کے آثار سے استفادہ کے لئے بیدار ہوں اور ایسے آثار الحمد للہ بہت ہیں اور ان میں سے اکثر ترقی یافتہ زبان میں لکھا ہوا موجود ہے جو طالب علم کو اپنے لہجہ کے درست کرنے اور اپنے فکر کی ترقی کے لئے مدد دیں گے قلم اس وقت حیران و پریشان ہوکر پھر جاتا ہے جب کہ اس سے ان برے آثار کو واضح کرنے کا ارادہ کیا جائے جو طالب العلم کے دل میں فقہ کی موجودہ متداول کتابوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس وقت دو مانع ہیں جو ہمارے ہیں فقیہ کو پیدا کرنے میں حائل ہیں۔

اول تو یہی کتابیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں جن کا ہم نے تفصیلاً ذکر کر دیا ہے۔

دوم۔ طریق تعلیم کیونکہ پہلے زمانوں میں جو فقہ حاصل کرنا چاہتا اس کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا تھا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول میں جن باتوں سے احکام کا استنباط کیا جاتا اس کا احصار کرے پھر اس کا زیادہ وقت اس میں گزرتا کہ اس کے امام نے اس بارہ میں کیا فتویٰ دیا اور جب وہ تعلیم میں آگے بڑھتا تو اس بات سے واقفیت حاصل کرتا کہ اس کے مذہب کے ائمہ کی وہ رائیں کیا ہیں جن میں ان کے امام کی مخالفت کی گئی اور اس مخالفت کے وجوہ کیا ہیں۔ اور جب یہ مکمل کر لیتا تو دوسرے ائمہ کے رایوں کے متعلق بحث کرتا تاکہ وہ دونوں میں

مقابلہ کر سکے اس تیسرے درجہ کے گزرنے کے بعد ہی وہ صاحب اقتدار فقیہ اور صاحب ترجیح عالم ہوتا۔ لیکن ہمارے یہاں مبتدی اور منتہی میں بجز کثرت مسائل و قلت کے کچھ فرق نہیں اور یہی وہ بات ہے جو مذہب شافعی میں ابو شجاع کے منہج کی امتیازی خصوصیت ہے لیکن کثرت مسائل ہی وہ چیز نہیں کہ انسان میں فقہ کی روح پیدا کر سکے۔

تیسرے درجہ کا طالب فقہ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کر دیا یہ درجہ منتہی کا ہوتا تھا کیونکہ وہ سوائے فقہ کے اور کسی علم میں مشغول نہ ہوتا تھا۔ اور دوسرے علوم کو فقہ کے ساتھ مخلوط نہ کرتا تھا۔ لیکن ہمارا انظام ایسا ہے کہ جس میں مبتدی و منتہی برابر ہیں جیسا کہ پہلا یعنے مبتدی، بہت سے علوم کی ابتدائی کتابوں میں مشغول رہتا ہے۔ دوسرا بھی اسی میں مشغول ہو گیا۔ پس جب آخر میں میدان امتحان میں اس کو کامیابی حاصل ہو جاتی تو نہ وہ فقیہ رہتا ہے نہ ادیب اور نہ فلسفی بلکہ اس نے تو ہر علم کی ابتدائی کتابیں پڑھ لیں کہ فقہ کو نحو اور حساب سے کچھ زیادہ نہیں جانتا اور اس میں تمام ادارے جو دینی تعلیم میں مشغول ہیں برابر ہیں۔ اور یہ خیال نہ کر لینا چاہیئے کہ ان میں سے جب کوئی سند حاصل کر لیتا ہے تو اس کے بعد وہ اپنے علم میں اضافہ اور اختلافات فقہاء کے جاننے کی کوشش کرتا ہو بلکہ وہ اس حالت پر قائم رہتا ہے جو اس کی امتحان کے وقت تھی اور یہ ایک بہت بڑا عیب ہے۔

میں اس وقت مورخ کی حیثیت میں ہوں جس کا کام حقایق کا نقشہ پیش کرنا ہے لیکن اگر مجھے کسی مطالبہ کے پیش کرنے کا موقع ملتا ہے تو میں دینی تعلیم کے لئے حسب ذیل مطالبہ پیش کرتا۔

(۱) ابتدائی تعلیم صرف ان احکام کی تعلیم کی حد تک محدود رہے جس کو امام مذہب نے قرار دیا ہو۔ اور یہ کسی آسان کتاب سے ہو جو اس کے لئے منتخب کر لی جائے۔

اور دوسرے درجہ میں ایسی مبسوط کتاب رکھی جائے جس میں مذہب کے دوسرے ائمہ کی رائیں درج ہوں جنہوں نے ان کے امام کی مخالفت کی ہو یا کسی رائے کو ترجیح دی ہو یا کسی قول کو اختیار کیا ہو ہر فریق کی دلیلیں اس کے ساتھ قائم کی جائیں اور اسی کے لئے مذہبی اختلاف کی

کتابوں میں سے کوئی کتاب منتخب کر لی جائے ۔ اور ایسی کتابیں ہر مذہب میں بہت ہیں اور ساتھ ہی تفسیر و حدیث بھی پڑھائی جائے۔

اور منتہی کی تعلیم فقہ اور اس کے اصول اور کتاب و سنت سے جو احکام کے ساتھ متعلق ہوں ان تک محدود رکھی جائے اور اس میں ائمہ کے اختلافات اور ان کے استدلال کے طریقے کی بھی تعلیم دی جائے۔

اور فقیہ کی سند صرف اس کو دی جائے جو دو چار مسئلوں پر ایک تحریر میں ان مسائل کے متعلق فقہاء کے اختلافات کی تشریح کرے اور اختلافات کے اسباب اور وہ اصولی قواعد بتائے جن پر اس کے قائل نے اپنے قول کی بنیاد رکھی ہے۔

اور یہ کام اس وقت تک پورا ہو نہیں سکتا جب تک علماء درس کے لئے ان کتب کے انتخاب پر آمادہ نہ ہوں جو چوتھے اور پانچویں دور کے علماء نے تصنیف کی ہیں۔

اس طرح دلوں میں فقہ کی روح اور اس میں وسعت پیدا ہوگی ۔ اور ہم اسلاف کے قدم بقدم چلیں گے اور دین میں تفقہ کا ملکہ حاصل کریں گے اور ہم میں سے مستقبل میں ایسے فقہاء نکلیں گے جن پر ہم بھروسہ کریں گے اور ان کے اقوال اعتبار کے قابل ہوں گے اور جب ہم ہر سال اس طرز کے تھوڑے علماء پیدا کریں گے تب یہ ممکن ہوگا کہ ہم سابقہ زمانوں پر اپنے علماء وفقہاء سے فخر کر سکیں۔

اور جن بڑے علماء کو ہم جانتے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر وہ اخلاص سے کام کریں تو اپنی قوم کو اس منزل پر پہنچا سکتے ہیں لیکن ہم کو ان کے ناموں کے ذکر کی ضرورت نہیں ہم اللہ تعالٰی سے سوال کرتے ہیں کہ ہم سب کو اپنے دین اور اپنے شریعت کے خدمت کی توفیق دے تاکہ وہ اپنی حیات عالیہ کا فائدہ حاصل کرے ۔ اس کے کوئی معنی نہیں کہ ہم ہر چیز کو دائمی ترقی میں دیکھیں اور کھڑے رہیں اور سوائے قیل وقال کے ہمارا کوئی مقصد زندگی نہ ہو ہمارے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اپنے ماضی کی طرف لوٹیں ۔ اور شوق اور امنگ کی شمع سے اپنے مستقبل کو روشن کریں

ہر متفقہ فی الدین کی خدمت میں

میں نے یہ کتاب آپ کے لئے لکھی ہے اور اس سے میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ کو سلف صالح کی زندگی کی تصویر دکھا کر ان کی تقلید و اتباع پر آپ کو آمادہ کروں۔ اس کتاب کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ ایک اور کتاب لکھنے کا ارادہ ہے جن میں تفصیلی مسائل اور ان کے اختلاف کی مکمل تاریخ کا ذکر کروں گا کیونکہ اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ صرف مثال اور نمونہ کے لئے لکھا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھ کو اور آپ کو نیکی کی اور اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے کیونکہ وہی دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہے۔

(تمّت بالخیر)